مختصر فرہنگ

تلمیحات و مصطلحات

مؤلفہ
ساحر لکھنوی

یہ کتاب
فخرالدین علی احمد
میموریل کمیٹی
حکومت اتر پردیش
لکھنؤ
کے
مالی اشتراک سے
شائع ہوئی

• نام کتاب: مختصر فرہنگ تلمیحات و مصطلحات
• ناشر: ساحر لکھنوی
• پتہ: ۵۰۔سی۔میدان ایلچ خاں۔لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳
• کتابت: وقار رضوی
• طباعت: نامی پریس
• تعداد: ۶۰۰ چھ سو
• اشاعت: سنہ ۱۹۸۶ء
• ملنے کا پتہ: ارتقا پبلشرز۔ ۵۰ سی میدان ایلچ خاں لکھنؤ۔۲۲۶۰۰۳

قیمت:۔ ۵۰ پچاس روپئے

تعارف

نام:۔ افتخار حسین رضوی
تخلص:۔ ساحر لکھنوی
ولدیت:۔ سید حسین علی مرحوم
وطن:۔ لکھنؤ
پیدائش:۔ ۴ر اکتوبر ۱۹۳۵ء

تصنیفات

• شعلۂ افکار (شعری مجموعہ)
اتر پردیش اردو اکادمی سے اوارڈ یافتہ
• سانجھ بھئی چودیس
حضرت امیر خسرو کی حیات اور کارناموں پر مبنی طویل نظ
شائع کردہ:۔ مکتبۂ دین و ادب لکھنؤ
• ہم تم (شعری مجموعہ)
اتر پردیش اردو اکادمی سے انعام یافتہ
• مختصر فرہنگ تلمیحات و مصطلحات
تالیف

انتساب

ممتاز مدبّر

• دانشور

اور

• سیاست داں

جناب ڈاکٹر عمّار رضوی

کے

نام

——— ساحر لکھنوی

تقسیم کار

• مکتبۂ آل انڈیا ہندی اُردو سنگم
باغ انوار۔ لکھنؤ

• نصرت پبلشرز
حیدری مارکیٹ امین آباد لکھنؤ

• مکتبۂ دین و ادب
امین الدولہ پارک لکھنؤ

• دانش محل
امین آباد۔ لکھنؤ

• اُردو پبلشرز
نظیر آباد۔ لکھنؤ

• محبوب بکڈپو
کاظمین روڈ۔ لکھنؤ

• سہیل پبلشرز
نبی اللہ روڈ۔ لکھنؤ

• ارتقا پبلشرز
۵۰۔ سی میدان ایلچ خاں لکھنؤ ۳

ابتدائیہ

شعر یا نثر میں کسی واقعے کی جانب اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں بشرطیکہ وہ واقعہ کافی مشہور ہو چکا ہو خواہ خلافِ عقل ہو، توہماتی ہو، طلسماتی ہو یا فرضی ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض تاریخی واقعات جب داستانوں کی زینت بن جاتے ہیں تو زیبِ داستاں کے لیے ان میں بہت سے اضافے بھی ہو جاتے ہیں۔ تلمیح کے بطور جب ان کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ان کی وہی افسانوی حیثیت پیش نظر ہوتی ہے جس کے سبب وہ واقعات معروف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں واقعات کا تجزیہ کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

چونکہ اُردو اپنے رسم الخط کے سبب بنیادی طور پر فارسی سے زیادہ قریب ہے اس لئے اُردو کے شعری اور نثری ادب میں جو تلمیحات اور مصطلحات استعمال کی گئی ہیں وہ بھی بیشتر فارسی سے مستعار ہیں اور آج کے بدلے ہوئے دور میں جبکہ فارسی کے جاننے والے بھی خال خال ہی نظر آتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ ان تلمیحات اور مصطلحات سے بھی سب کما حقہٗ واقفیت ہو۔ اس کے علاوہ قدروں کے تغیّر و تبدل کے سبب اردو میں بہت سی وہ تلمیحات بھی رائج ہو گئی ہیں جو ہندوستان کے قدیم اساطیری ادب، کلچر اور تہذیب سے متعلق ہیں، اور وہ بھی، جن کا پس منظر سیاسی ہے۔ جنگ آزادی اور آزادی کے بعد سے اب تک نہ جانے کتنے ہی واقعات اور کتنی ہی شخصیتیں ایسی گذر چکی ہیں، جو تلمیح بن گئی ہیں۔ اس طرح اردو ادب میں تلمیح کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو چکا ہے۔

شعر فہمی کے لیے تلمیحات سے واقفیت بہت ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات تلمیح شعر میں استعارہ بھی بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں واقعے کا براہ راست ذکر

ضروری نہیں ہے : مثلاً

وہی پیاس ہے وہی دشت ہے وہی گھرانا ہے
مشکیزے سے تیر کا رشتہ بہت پرانا ہے

افتخار عارف

یا

زوالِ عصر ہے کوفے میں، اور گداگر ہیں
کھُلا نہیں کوئی در بابِ التجا کے سوا

منیر نیازی

مندرجہ بالا دونوں شعروں میں براہ راست کسی واقعے کا ذکر نہیں ہے لیکن جن لوگوں کو واقعاتِ کربلا کا بخوبی علم ہے ان کا ذہن فوراً اس حقیقت کی جانب مبذول ہوجائے گا کہ پہلا شعر روزِ عاشور کے واقعات سے متعلق ہے اور دوسرے شعر میں اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جب اہلِ حرم اسیر کرکے لے جائے گئے تھے اور ایک مقام پر ان کی زبوں حالی کے پیشِ نظر گداگر سمجھ کر ان کو بھیک بھی دی گئی تھی جس کی یاد میں عشرۂ محرم کے دنوں میں لوگ اپنے بچوں کو فقیر بناتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے محاوروں کے پس منظر میں بھی کہانیاں ہوتی ہیں جن سے واقف ہونے کے بعد محاوروں کے استعمال میں اور زیادہ معنویت پیدا ہوجاتی ہے بہت سی مصطلحات بھی اپنے تہذیبی پس منظر کی عکاسی کرتی ہیں اور جب تک اس تہذیبی پس منظر کی واقفیت نہ ہو مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور لفظ بانکا سنتے ہی کسی سجیلے اور تندرست توانا شخص کا تصور اُبھرتا ہے لیکن بانکے اودھ کے آخری دور کی سماجی تہذیب کا جزو تھے جو بہادر ہوتے تھے، قول کے دھنی ہوتے تھے اور ایسی عجیب وغریب وضع اختیار کرتے تھے کہ دور ہی سے پہچان لئے جائیں۔ ان کے واقعات نہ صرف افسانوں کی طرح دلچسپ ہیں بلکہ انکے پورے کردار اور ذہنی جبلت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی طرح لفظ افیونی کسی افیون کے عادی کی

نشاندہی کرتا ہے لیکن افیون نوشوں میں اس شغل کی بھی ایک تہذیب تھی جس میں نفاست بھی ہوتی تھی اور شائستگی بھی۔ ان کی دلچسپ اور انتہائی نستعلیق گفتگو سننے سے تعلق رکھتی تھی۔

وقت کی فراوانی، فارغ البالی اور آسودگی نے معاشرے میں شادی بیاہ کے علاوہ بھی متعدد رسموں کو جنم دیا تھا جو بڑے ہی شاندار پیمانے پر منائی جاتی تھیں۔ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں جہاں فارغ البالی کا دور ختم ہوا وہیں زندگی کی بڑھتی ہوئی مصروفیت اور شعور کی بیداری نے بہت سی رسموں کو بھی اس طرح ختم کردیا کہ اب وہ صرف تذکروں تک محدود ہوکر رہ گئیں ہیں۔ سیل کا کونڈا ایسی ہی ایک رسم تھی جو لڑکے کے بالغ ہونے پر ادا کی جاتی تھی۔

اب جبکہ بہت سی رسمیں ختم ہوکر داستان پارینہ بن چکی ہیں اور ان کی حیثیت قصے کہانیوں جیسی ہوکر رہ گئی ہے ایسی رسموں کے بارے میں بھی معلومات ہونا ضروری ہے۔

مختصراً اگر یہ کہا جائے کہ تلمیحات اور مصطلحات ایک دوسرے سے اس درجہ قریب ہیں کہ ان کو جدا نہیں کیا جاسکتا تو غلط نہ ہوگا۔

مقصد دراصل یہ عرض کرنا ہے کہ جب تلمیحات سے متعلق فرہنگ ترتیب دینے کا خیال پیدا ہوا تو سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ تلمیح کا تعین کس طرح کیا جائے۔ لیکن یہ مشکل اس سبب سے آسان ہوگئی کہ اس سے پہلے مصطلحات کو جمع کرنے کا خیال بھی ذہن میں بہت عرصے سے پرورش پا رہا تھا۔ چنانچہ زیرِ نظر مختصر فرہنگ میں تلمیحات اور مصطلحات دونوں ہی کو شامل کرلیا گیا ہے جس کے نتیجے میں آپ کو بہت سے ایسے الفاظ بھی نظر آئینگے جن کو تلمیح نہیں کہا جاسکتا لیکن اس کے باوجود ان کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس سلسلے میں شیخ ممتاز حسین جونپوری مرحوم کا ذکر نہ کرنا دیانتداری سے بعید ہوگا کیونکہ تلمیحات کو یکجا کرنے کا خیال سب سے پہلے ان ہی کے ذہن میں آیا تھا اور ۱۹۴۷ء

میں انکی ایک کتاب "تلمیحات" کے نام سے شائع ہوئی تھی جس کو سرفراز پریس لکھنؤ نے طبع کیا تھا۔ شیخ صاحب مرحوم کے بعد مدت تک کسی نے اس جانب توجہ نہ کی اور طویل مدت تک خاموشی رہی جس کے بعد جناب محمود نیازی نے تلمیحات کو یکجا کرنے کی سمت قدم اٹھایا اور تلمیحات ہی کے نام سے ان کی بھی ایک کتاب منظر عام پر آئی۔

بہرحال تلمیحات اور مصطلحات پر مبنی یہ مختصر فرہنگ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ یہ مختصر فرہنگ بڑی حد تک ان معنوں میں تشنہ ہے جن کا اطلاق کسی فرہنگ پر ہوتا ہے کیونکہ طباعت کی منزل تک پہونچتے پہونچتے بھی خاصی تعداد میں تلمیحات اور مصطلحات جمع ہو چکی ہیں جن کا اب شریک طباعت کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر ارباب ادب کی ہمت افزائی شامل حال رہی تو اگلی اشاعت کو زیادہ مکمل طور پر پیش کرنے کی جرأت ہو سکے گی۔

اس سلسلے میں میری مخلصانہ گزارش ہے کہ آپ اپنے مفید مشوروں سے ضرور نوازیں تاکہ آپ کے گراں قدر عالمانہ مشوروں کی روشنی میں مجھے اس کام کو آگے بڑھانے میں مدد مل سکے۔ اس زحمت کے لئے میں پیشگی ہی آپ کا شکر گذار ہوں۔

آخر کلام میں، میں اپنے مخلص ڈاکٹر نیر مسعود صاحب رضوی کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوش گوار فریضہ سمجھتا ہوں جنھوں نے ہمیشہ کی طرح اس فرہنگ کے سلسلے میں بھی نہ صرف میری ہمت افزائی فرمائی، مشوروں سے نوازا بلکہ بعض نایاب کتابوں سے بھی معاونت فرمائی۔

۵۔ سی۔ میدان ایلچ خاں
لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳

ساحر لکھنوی

ترتیب

آب بقا
آب حیات
آب حیواں
آب خضر
آب زمزم
آب زلال
آب نیساں
آتش بازی کا دیو
آتش پرست
آتش طور
آتش کدہ
آتش نمرود
آدم
آدم ثانی
آرسی مصحف
آزاد
آزر
آفتاب محشر
آل پیمبر
آنچل پہ نماز پڑھنا
آنچل ڈالنا
آواگون
ابراہیم
ابرہہ
ابن مریم
ابوتراب
ابولہب
ابوالہول
اثنا عشری
احرام
اخفش
ادریس
ارژنگ
ارسطو
ارم
ارنی
اژدر موسیٰ
اسرافیل
اصحاب فیل
اصحاب کہف
افشاں
افلاطون
افیونی
الف لیلیٰ
الیاس
امام ضامن
انا الحق
انجیل
اندر
اندرا گاندھی
انوری
اوتار
اگھوری
اہلبیت
ایاز
ایوب
باب

بابل
باغ ابراہیم
بالاخانہ
بالمیکی
بانکے
بحر ظلمات
برادران یوسف
براق
برزخ
بز اخفش
بطخ
بقراط
بکاؤلی
بلقیس
بن باس
بنات آشیاں
بنات البحر
بنات النعش
بوتراب
بور کے لڈو
بھانڈ
بہائی
بہرام

بھرت
بہشت شدّاد
بیت العتیق
بیت الحرم
بیت الحزن
بیت المقدس
بیٹھک دینا
پاربتی
پارس
پرویز
پری
پطرس
پنجۂ مریم
پھندیت
پھول والوں کی سیر
پھولوں کی چھڑیاں
پیر کنعاں
پیران پیر
پیک
تارے دکھانا
تاج محل
تاناشاہ
تثلیث

تخت طاؤس
تلسی
تلسی داس
تیرہ تیزی
ٹھگ
جادو کا پتلا
جالینوس
جام جم
جام جمشید
جام جہاں نما
جام جہاں بیں
جبرئیل
جذب
جمشید
جمہوریت
جنت البقیع
جنّت شداد
جنّت عدن
جوہر
جوئے شیر
جہاد
جہنّم
چار پیر

چار یار
چار طوفان
چالا
چاہ بابل
چاہ رستم
چاہ نخشب
چاہ یوسف
چتا
چشمۂ حیواں
چشمۂ خضر
چنگیز
چوتھی
چوتھی کھیلنا
چوتھی کی دلہن
چور کی داڑھی میں تنکا
چھلاوہ
حاتم طائی
حاضرات
حدی
حُر
حرم
حرم
حُسن یوسف

حُسینؑ
حوّا
خاتم الانبیا
خاتم سلیماں
خاتون جنّت
خاک شفا
خاک پاک
خالی کا مہینہ
خرِ عیسیٰ
خسرو پرویز
خضر
خلیل اللہ
خیام
دارا
داؤد
دجّال
درِ یتیم
درفش کاویانی
دقیانوس
دُلدُل
دوزخ
دیوار چین
دیوار قہقہہ

ذبیح اللہ
ذوالجناح
ذوالفقار
ذوالقرنین
راجہ اندر کا اکھاڑہ
راکھی
رام
رخ
رستم
رقص بسمل
روح اللہ
روح الامین
روح القدس
رونمائی
روزِ جزا
ریختی
زال
زبور
زرتشت
زکریا
زلیخا
زمانہ جاہلیت
زمزم

زنار
زنبیل عمرو عیار
زنجیر عدل
زہرا
زہرہ
ساحر الموط
سامری
ساوتری
سبا
سبزہ روندنا
ستی
سٹھنی
سحر سامری
سداما
سدروئیں
سد سکندری
سد یاجوج
سدرۃ المنتہا
سرخاب
سرسوتی
سرمد
سفینہ نوح
سکندر

سلیمان
سمندر
سمندر منتھن
سنگسار کرنا
سورۂ اخلاص
سورہ یٰسین
سوزن عیسیٰ
سوم ناتھ
سوئمبر
سہراب
سیتا
سید
سید الانبیا
سید الشہدا
سیدۃ النسا
سیل کا کونڈا
سیمرغ
شاہ لولاک
شاہ مرداں
شام غریباں
شب برات
شب عاشور
شداد

شعلہ طور
شق القمر
شمس تبریز
شہید کربلا
شیخ نجدی
شیریں
شیش ناگ
صحنک
صراط
صفا
صلیب
صنم کا کھیل
صور اسرافیل
ضحاک
طارق
طائر سدرہ
طوبیٰ
طور
طوفان نوح
طومار
عاشور
عزرائیل
عصائے موسیٰ

عقول عشرہ
عنقا
عوج بن عنق
عیسیٰ
غار حرا
غریب نواز
غزنوی
غوث الاعظم
فاطمہ
فرات
فردوسی
فرشتہ
فرعون
فریدوں
فلاطوس
فرہاد
قارون
قاف
قائد اعظم
قرۃ العین
قطامہ
ققنس
قم باذن اللہ

قم باذنی
قیامت
قیس
کاغذی پیراہن
کالا پانی
کبیر
کراماً کاتبین
کربلا
کرشن
کسریٰ
کعبہ
کلیم اللہ
کنعاں
کن فیکوں
کوہ آدم
کوہ بے ستوں
کوہ جودی
کوہ سینا
کوہ صفا
کوہ قاف
کوہ کن
کوہ نور
کیقباد

کیکاؤس
کیکئی
کیلنا
گاندھی
گاؤزمین
گاؤ سامری
گریۂ کشتن روز اول
گشتاسپ
گلزار خلیل
گنبد خضرا
گنگا
گنگوا تیلی
گوتم
گور غریباں
گولر کا پھول
لات و منات
لال پری
لحن داؤدی
لقمان
لن ترانی
لنکا
لوط
لونا چماری

لیلیٰ
مانگ بھرنا
ماہ کنعاں
ماہ نخشب
مجذوب
مجنوں
مدینہ
مرغ سلیماں
مرغ عیسیٰ
مریم
مستی
مسیح
مصر کا بازار
معراج
معلم الملکوت
مقام ابراہیم
ملامتی
ملکہ سبا
من اگلنا
من وسلویٰ
منصور
منکر نکیر
موسیٰ
میرا
میر پھچڑی
نادر
نارِ خلیل
ناقہ صالح
نانک
نخل تابوت یا نخل ماتم
نخل طور
نخل مریم
نصیری
نل دمینتی
نمرود
نوروز
نوح
نوشیرواں
نہرو
نیساں
نیل
وادی ایمن
وادی مجنوں
وادی نجد
وضو
ولی
وہ پانی ملتان گیا
ہابیل وقابیل
ہاروت وماروت
ہبل
ہجرت
ہجری
ہریشچندر
ہڑبونگ
ہزاری روزہ
ہفت خوان رستم
ہلاکو
ہما
ہوشنگ
ہولی
یاجوج ماجوج
یار غار
ید بیضا
یزید
یعقوب
یک نہ شد دو شد
یموں
یوسف
یونس

ا

آبِ بقا۔ وہ پانی جس کو پینے سے انسان ابدی حیات حاصل کر لیتا ہے۔ ایک خیالی چشمہ جس کو چشمۂ حیواں، چشمۂ حیات یا چشمۂ خضر کہتے ہیں۔ اسی چشمے کے پانی کو آبِ بقا، آبِ حیواں، آبِ حیات یا آبِ خضر کہا جاتا ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سکندر)

کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا
بقا کا ذکر ہی کیا اس جہانِ فانی میں
ذوقؔ

خطِ شب رنگ جنّت ہو گیا جو اس کی ظلمت پر
دہانِ یار کو سمجھائیں چشمہ آبِ حیواں کا
آتشؔ

اس کے دہن پہ میرا دہن کل کی رات تھا
میں مثلِ خضر مالکِ آبِ حیات تھا
نامعلوم

آبِ زمزم۔ مکۂ معظمہ میں ایک بہت ہی مقدس اور متبرک چشمۂ آب ہے

جس کا نام چاہِ زمزم ہے اور اس چشمے کے پانی کو آبِ زمزم کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ پانی بہت مقدس متبرک اور شافی مانا جاتا ہے کیونکہ یہ چشمہ پروردگارِ عالم نے جلیل القدر پیغمبر حضرتِ اسماعیلؑ کے لیے جاری کیا تھا۔

روایت ہے کہ جب بطن جناب ہاجرہ سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو جناب سارہ کو بے حد افسوس ہوا کیونکہ ان کے بطن سے کوئی فرزند نہیں تھا۔ ان کو جناب ہاجرہ سے نفرت سی ہوگئی اور وہ نسوانی فطرت سے مجبور ہو کر ان کو پریشان کرنے لگیں۔ جناب سارہ کے اس طرزِ عمل سے حضرتِ ابراہیم کو بہت دکھ ہوا۔ آخر کار وہ جناب ہاجرہ اور جنابِ اسماعیل کو لے کر مکہ گئے اور وہاں ان کو چھوڑ کر خود واپس ہوگئے۔ صبح کو جب آفتاب بلند ہوا تو جنابِ اسمٰعیل پیاس کی شدت سے بے چین ہونے لگے۔ جنابِ ہاجرہ بچے کی پیاس سے تڑپ گئیں۔ وہ تلاش آب میں کوہِ صفا پر پہونچیں جہاں سے ان کو مروہ کی جانب پانی موجیں مارتا نظر آیا وہ مروہ کی جانب دوڑیں مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اسی طرح سات مرتبہ جناب ہاجرہ سراب کو پانی سمجھ کر صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگاتی رہیں۔ جب ساتویں مرتبہ وہ مروہ پر پہونچیں تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل کے پاؤں کے نیچے سے پانی جاری ہے۔ حکم خداوندی سے جس جگہ حضرتِ اسماعیل نے ایڑیاں رگڑی تھیں اس جگہ آبِ خنک کے سوتے پھوٹ پڑے تھے اور صاف و شفاف پانی کا چشمہ جاری ہو چکا تھا۔

یہ چشمہ آج بھی موجود ہے اور دُنیا بھر کے تشنگانِ معرفت کو سیراب کر کے رحمتِ خداوندی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

ترے عاشق کو ہے یوں خوش گوار آبِ دمِ خنجر
مسلماں کو لگے جس طرح شیریں آبِ زمزم کا

ذوقؔ

آبِ زلال۔ کہتے ہیں کہ زلال ایک ایسے کیڑے کا نام ہے جو برف میں پیدا ہوتا ہے جس کا قد انگلی کے برابر اور رنگ سفید ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں جب عرب میں پانی کی شدید قلت تھی، تو جن عربوں کو یہ مل جاتا تھا وہ اسے نچوڑ کر اس کا پانی حلق میں ٹپکا لیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس پانی سے بہتر خنک اور شیریں کوئی پانی نہیں ہو سکتا۔ جب یہ کیڑا مر جاتا تھا تو اس کو پانی کے برتن میں ڈال دیا جاتا تھا جس سے پانی ٹھنڈا رہتا تھا۔

دردمندان یاس کو درماں
تشنگان امل کو آب زلال

حکیم یوسف

○

آبِ نیساں۔ اہلِ روم کے سال کا ساتواں مہینہ نیساں بہار کا مہینہ ہوتا ہے جو عیسوی سال کے اعتبار سے مارچ اپریل کا زمانہ ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس زمانے میں ہونے والی بارش کے قطرے عجیب و غریب اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ قطرے سیپ میں پہونچنے سے موتی، بانس میں پڑنے سے بن سلوچن اور گائے کے کان میں پہونچ کر گئو لوچن بن جاتے ہیں۔

صدف ہے محتاجِ آبِ نیساں یہاں ہے فیضانِ عشقِ وجداں
اثرؔ کی طبع رواں سے موتی رلا کئے ہیں رلا کریں گے

اثرؔ لکھنوی

●

آتش بازی کا دیو۔ اہلِ ہنود، بدی پر سچّائی کی فتح کا جشن دسہرے کے تیوہار کی شکل میں مناتے ہیں جس میں برائی کی علامت کے بطور راون کا ایک ایسا

پتلا بنا کر جلایا جاتا ہے جس کے متعدد چہرے ہوتے ہیں۔ اس پتلے میں طرح طرح کی آتش بازیاں بھی استعمال کی جاتی ہیں چونکہ راون کے پتلے کی شکل انتہائی بھیانک ہوتی ہے اس لئے اس کو آتش بازی کا دیو بھی کہتے ہیں۔

آتش پرست ۔ پارسی حضرات کو جو آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ آتش پرست بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی عبادت گاہ میں ہمہ وقت آگ روشن رہتی ہے اس لئے انکے معبد گاہوں کو آتش کدہ یا آتش خانہ کہتے ہیں ـــــ یہ حضرات زرتشت کو اپنا مذہبی رہنما مانتے ہیں۔

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
سرگرم نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر
غالبؔ

آتش طور ۔ جناب موسیٰ جو طفلی ہی سے فرعون کے دین سے بیزار تھے سن شعور تک پہونچتے پہونچتے باقاعدہ دین کی تبلیغ کرنے اور ایک خدا کی عبادت کا درس دینے لگے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ فرعون کے شر سے بچنے کے لئے وہ مداین چلے گئے۔ مداین میں حضرت شعیب نے اپنی دختر کے ساتھ ان کا عقد کر دیا۔ تقریباً دس برس کے بعد وہ گھر واپس ہوئے۔ اس مرتبہ ان کی اہلیہ بھی ہمراہ تھیں۔ دوران سفر ان کی بیوی کی طبیعت خراب ہونے لگی اور وہ شدید سردی محسوس کرنے لگیں۔ ناگاہ جناب موسیٰ کو کوہ طور کی جانب آگ نظر آئی انہوں نے زوجہ سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں آگ لے کر آتا ہوں تاکہ تم کو سردی سے نجات مل جائے۔ جناب موسیٰ جب قریب پہونچے تو دیکھا کہ وہ ایک درخت تھا جس میں آگ روشن تھی وہ اور قریب گئے تو آگ ان کی طرف بڑھنے لگی۔ جناب موسیٰ یہ دیکھ کر الٹے پیروں واپس ہونے لگے تو

آگ پھر درخت میں واپس ہوگئی۔ تین مرتبہ یہی ہوا اور اس کے بعد ایک آواز آئی کہ رک جاؤ میں عالموں کا پالنے والا ہوں۔ جناب موسیٰ نے ثبوت مانگا تو حکم ہوا کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ جناب موسیٰ نے تعمیل حکم کی۔ عصا زمین پر گرتے ہی اژدہا بن گیا۔ جناب موسیٰ پھر خوف زدہ ہو گئے۔ مگر ندائے غیب نے دلاسہ دیتے ہوئے ہاتھ گریبان میں ڈالنے کا حکم دیا۔ جناب موسیٰ نے تعمیل کی اور جب گریبان سے ہاتھ باہر نکالا تو دیکھا کہ طفلی میں انگارہ اٹھانے سے جلنے کا جو نشان ہاتھ میں بن گیا تھا اب اس سے نور پھوٹ رہا ہے۔ اس بار پھر آواز آئی کہ یہ دو معجزے حقیقت کی دلیل ہیں۔ اب تم جاؤ اور رسالت کی تبلیغ کرو۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

آتش کدہ ۔ پارسی حضرات کی عبادت گاہ جہاں ہمہ وقت پرستش کیلئے آگ روشن رہتی ہے۔

بس کہ آتش شرم روئے یار سے ہے آب آب
صاف ہر آتش کدہ میں اب ہے عالم آب کا
آسیرؔ

آتش نمرود ۔ آذر، جناب ابراہیم کے والد نمرود کے مصاحب اور وزیر نیز فن بت تراشی میں یکتائے روزگار تھے۔ وہ اپنے دیگر بچوں کی طرح حضرت ابراہیم کو بھی بت بنا کر بیچنے کے لئے دیتے تھے لیکن جناب ابراہیم ہمیشہ ان بتوں کی گردن میں رسی باندھ کر ان کو کھینچتے ہوئے بازار لے جاتے اور کہا کرتے تھے کہ کچھ منہ سے بولو کیسے خدا ہو جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہو نہ فائدہ۔ ان کے بھائیوں نے اس کی شکایت آذر سے کی لیکن تنبیہ کے باوجود ان کے عمل میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ تبلیغ میں اضافہ ہو گیا۔ ایک دن جناب ابراہیم نے بت خانے کے سارے بت ایک تیشے سے توڑ ڈالے اور صرف ایک بڑے بت کو صحیح سلامت چھوڑ کر وہ تیشہ اس کے گلے میں لٹکا دیا۔ جب اس حرکت کی خبر دیگر لوگوں کے علاوہ نمرود کو بھی ملی تو وہ بہت برافروختہ ہوا۔ سب کو یقین تھا کہ یہ حرکت حضرت ابراہیم کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ جب

ان سے پوچھا گیا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے تو انہوں نے بہت معصومیت سے کہا کہ اگر یہ بول سکتا ہے تو ان بتوں کے اس بزرگ سے پوچھ لو۔ اس جواب پر سب بہت شرمندہ ہوئے۔ آخر کار نمرود نے اپنے بتوں کو ابراہیم کے شر سے بچانے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ ان کو آگ میں زندہ جلادیا جائے۔

اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے نمرود نے ایک بہت بڑے قطعہ زمین پر آگ روشن کرائی اور جب یہ آگ اس درجہ دہک گئی کہ اس کے شعلے دور سے دکھائی دینے لگے تو ایک بہت طاقتور منجنیق میں بٹھا کر حضرت ابراہیم کو اس آگ میں پھنکوا دیا۔

نمرود اپنے اس کارنامے سے مطمئن تھا مگر حکم خداوندی سے وہ آگ ایک تروتازہ اور نکہت بیز گلزار میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جب وہ آگ چشم ظاہر کے لیے بھی سرد ہو گئی تو نمرود اپنے مصاحبین اور مقربین کے ہمراہ حضرت ابراہیم کا انجام دیکھنے اس جگہ پہونچا لیکن اس وقت سب کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا جب انھوں نے دیکھا کہ آگ گلزار میں بدل چکی ہے اور حضرت ابراہیم اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرنے میں مصروف ہیں۔ اس آگ کو گلزار خلیل یا باغ ابراہیم بھی کہتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی
اقبال

•

آدم۔ پروردگار عالم کا خلق کیا ہوا پہلا انسان۔

حضرت آدم علیہ السلام کو جب پروردگار عالم نے آب و گل سے خلق کیا تو تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس خاک کے پتلے کو سجدہ کریں۔ خلاق عالم کے حکم کی تعمیل میں تمام فرشتے سر بہ سجود ہو گئے لیکن ابلیس جو مقرب بارگاہ ایزدی تھا جو معلم الملکوت تھا

اور جس کی عبادت وریاضت کی کوئی مثال نہ تھی اس کے کبر و نخوت نے گوارا نہ کیا کہ ایک خاک کے پتلے کے سامنے سر خم کرے۔ اس نے سجدہ نہ کیا اور جب خداوند قدوس نے اس حکم عدولی کا سبب دریافت کیا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے اور آدم کی تخلیق خاک سے ہوئی ہے۔ اس لئے وہ ہرگز اپنے سے کم تر کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔ بارگاہ ایزدی سے ابلیس کو اس حکم عدولی کی سزا یہ ملی کہ اس کو عرش سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا اور قسمت میں ہمیشہ کے لئے لعنت وملامت لکھ دی گئی۔ ابلیس اپنی اس بے عزتی پر بہت برافروختہ ہوا اور اس نے اسی دن سے یہ عہد کر لیا کہ وہ قیامت تک اولاد آدم کو گمراہ کرتا رہے گا۔

اس نے اپنی عبادتوں کے صلے میں حق سے اس کی اجازت بھی حاصل کر لی لیکن قدرت نے اجازت عطا کرنے کے ساتھ اس کو آگاہ کر دیا کہ وہ اس کے نیک بندوں کو ہرگز نہیں بہکا سکے گا۔

نہ ہو جبلے دفتر ترک سجدۂ ابلیس سے آدم
عدو کی سرکشی سے رتبہ کب ہوتا ہے کم میرا
ذوق

•

آدم ثانی۔ جناب نوح کا لقب ہے جب قہر خداوندی طوفان کی شکل میں نازل ہوا تو دنیا تاراج ہو گئی اور صرف وہی ذی روح بچ سکے جو کشتی نوح میں سوار تھے۔ کیونکہ انھیں چند نفوس سے دوبارہ دنیا میں افزائش نسل ہوئی اسی لئے حضرت نوح کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

•

آرسی مصحف۔ شادی کی یہ ایک رسم ہے جو اب مختصر ہو کر صرف آئینے میں

دولہن کا چہرہ دیکھنے تک ہی تقریباً محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

ہوتا یہ تھا کہ نکاح ہو جانے کے بعد دولہا کو جلوے کے لئے گھر میں بلایا جاتا تھا۔ اس وقت گھر تمام رشتے، ناطے، کنبے اور ملنے جلنے والی لڑکیوں اور عورتوں سے بھرا ہوتا تھا اور دولہا کے داخل ہوتے ہی طرح طرح کے آوازے سنائی دینے لگتے۔ اول اول دولہا صاحب سے صندل، بالچھڑ، ناگر موتھا اور نہ جانے کیسی کیسی خوشبوئیں پسوائی جاتی اور پھر اس سفوف سے دولہن کی مانگ بھروائی جاتی۔ اس کے بعد آرسی مصحف کی رسم شروع ہوتی۔ ایک خوبصورت مسند پر دولہا دولہن کو آمنے سامنے سر جوڑ کر بٹھا دیا جاتا۔ اور درمیان میں تکیے پر قرآن شریف اور اس کے متصل آئینہ رکھا جاتا۔ دونوں کے سروں پر سرخ دوپٹہ ڈال دیا جاتا۔ بعض گھروں میں اس کے لئے دولہا کی ماں یا بہن کا دوپٹہ استعمال ہوتا۔ غرضیکہ رسم شروع ہو جاتی۔ دولہا میاں سے کہا جاتا کہ سورۂ اخلاص نکال کر پڑھو اور دولہن کے چہرے پر پھونکو۔ اگر دولہا پڑھا لکھا ہوتا تو یہ مرحلہ جلدی طے ہو جاتا۔ اس کے بعد ڈومنی آگے بڑھ کر کہلواتی کہ میاں کہیے "بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام ہوں۔" عام طور پر دولہن آنکھیں نہیں کھولتی اور یہ سلسلہ بہت دیر تک چلتا رہتا۔ کبھی کبھی دولہا پریشانی سے بچنے کے لئے یونہی کہہ دیتا کہ آنکھیں کھول دیں۔ اس رسم کے مطابق دولہا، اپنی دولہن کا چہرہ پہلی مرتبہ اس آئینے میں ہی دیکھتا تھا جو تکیے پر کلام پاک کے متصل رکھا ہوتا تھا۔

جلد دیکھیں آرسی مصحف کہیں دولہا دلہن
مانگتی یہ ہوں دعا پڑھ پڑھ کے میں قرآن روز

میر یار علی

آزاد۔ فقیروں کا یہ ایک ایسا فرقہ تھا جو ہر اعتبار سے آزاد تھا۔ یہ لوگ

باوجود علم و فضل و کمال کے تمام تر قیود سے بے نیاز ہوتے تھے۔

تصوّف کی اصطلاح میں آزاد اس کو کہتے ہیں جو باوجودِ علم و فضل و کمال کے قیود بشری و تعلقات جسمانی سے آزاد ہو، لباس و آراستگی و اسباب دنیاوی سے دل کو اٹھا دے، خلق سے درگذر کرے، ہمہ تن متوجہ جمال و جلال حق کی جانب رہے اور اگر آراستگیٔ لباس و جسم کی جانب توجہ کی تو وہ مرتبہ آزادی سے خارج ہو گیا۔

•

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

•

آزر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے (بعض مؤرخین کی رائے میں چچا تھے) نمرود کے مقرب، اس کے وزیر اور بہترین مجسمہ ساز تھے کہا جاتا ہے کہ وہ کنعان کے بیٹے تھے جو نمرود کا منجم تھا اور جس نے نمرود کو بتایا تھا کہ ایک شخص پیدا ہوگا جو تیرے دین کو برباد کر کے ایک نئے دین کی تبلیغ کرے گا۔ چنانچہ نمرود نے تمام مردوں کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے علیحدہ رہیں۔ اسی زمانے میں جناب ابراہیم کی والدہ اُمید سے تھیں نمرود نے ہر عورت پر ایک قابلہ بھی مقرر کر دی تھی جس پر نوزائیدہ بچے کو مار ڈالنے کی ذمہ داری تھی لیکن جناب ابراہیم کی والدہ کا حمل ظاہر نہ ہوا ولادت کا وقت جب قریب آیا تو وہ ایک غار میں چلی گئیں جہاں زچگی کے بعد جناب ابراہیم کو کپڑے میں لپیٹ کر چھوڑ آئیں اور غار کا منہ ایک پتھر سے بند کر دیا۔ حضرت ابراہیم اسی غار میں پلتے رہے اور ان کی والدہ پوشیدہ طور پر خبر گیری کرتی رہیں۔ تیرہ برس کی عمر ہوتے ہی انھوں نے اس غار سے نکلنے کی ضد اختیار کی تو ان کی والدہ ان کو ساتھ لے کر گھر آئیں اور دیگر بچوں کے ہمراہ کھیلنے کے لیے چھوڑ دیا جب

آذر نے بچے کو دیکھا تو پوچھا کہ کون ہے۔ انھوں نے کہا تمھارا فرزند آذر کو یقین نہ آیا مگر جب اہلیہ نے یاد دلایا کہ یہ اس وقت پیدا ہوا تھا جب ایام کے بہانے میں تم سے الگ ہو گئی تھی تو آذر حالانکہ پریشان تو بہت ہوا لیکن ابراہیم کی صورت دیکھتے ہی دل میں محبت بیدار ہو گئی اور مزدہ سے بھی حالات بتا کر بیٹے کی جان تحفظ کرالی اس طرح آذر نے بیٹے کو پالنا شروع کیا لیکن جناب ابراہیم نے کبھی اسکے ان بتوں کی عزت نہ کی جن کو بنانے میں آذر مشہور تھا۔

•

باں مہیا دینلے پدر، فرزند آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر، دین بزرگاں خوش نکرد

غالب

•

آفتابِ محشر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ایک روز ایسا آئے گا جب دنیا تاراج ہو جائے گی اور سورج زمین کے اتنا قریب آجائے گا کہ صرف سوا نیزے کا فاصلہ رہ جائے گا۔

•

نہ پڑ کا ہے نہ خورِ پیکر ہے
نہ تو اک آفتابِ محشر ہے

•

آلِ پیمبر ۔ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی صاحبزادی جناب فاطمہ زہرا کی نسل کے لوگوں کو آلِ پیمبر کہتے ہیں یہ سادات ہوتے ہیں۔

آنچل پہ نماز پڑھنا ۔ رسم ہے کہ جب دولہن رخصت کر کے سسرال لائی جاتی

ہے تو دوسری رسموں کی ادائیگی سے پیشتر دولہن کو مسند پر بٹھا کر اس کے آنچل کو پھیلا دیا جاتا ہے اور دولہا اپنے اسی لباس میں قبلہ رو ہو کر دو رکعت نماز شکرانہ دولہن کے آنچل پر ادا کرتا ہے۔ غالباً یہ رسم اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ دولہن اس حد تک پاک دامن ہے کہ اسکے آنچل پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

•

آنچل ڈالنا ۔ عقد کے بعد جب دولہا کو رسموں کی ادائیگی کے لیے دولہن کے گھر میں بلایا جاتا ہے تو دروازے میں داخل ہوتے ہی بہنیں اپنے اپنے آنچل دولہا کے سر پر ڈال دیتی ہیں۔ اور اپنے ہمراہ اس مقام تک لے جاتی ہیں جہاں رسموں کی ادائیگی ہوتی ہے۔

•

کھڑی ہو جاتی ہے کیوں ڈال کے آنچل سر پر
سوت کہتی ہے نگوڑے تری ماں جائی کھیا

میر یار علی

•

آواگون ۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان کے مرتے ہی اس کی روح دوسرے پیکر میں پہنچا دی جاتی ہے اور اس طرح آدمی مرنے کے بعد ——— جنم لے لیتا ہے جو اس کے گذشتہ اعمال کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ انسان کو نجات حاصل کرنے کے لیے اسی طرح چوراسی لاکھ مرتبہ مختلف قالبوں میں اپنی زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ ہر مرتبہ موت کے بعد دوسرے قالب میں پیدا ہونے کو "جون بدلنا" بھی کہتے ہیں اور دنیا میں آنے جانے کے اس مسلسل عمل کو آواگون کہا جاتا ہے۔

جو گی جی آپ گلبن اسلام میں عبث
پیوند اپنی کرتے ہیں آواگون کی شاخ

انشاء

•

ابراہیم ۔ حضرت ابراہیم ایک جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ توریت میں آپ کا اسم گرامی ابراہم اور ابراہیم دونوں ہی طرح ملتا ہے سنہ ۲۱۶۰ قبل مسیح میں جناب ابراہیم کی ولادت ہوئی اور ایک سو پچھتر سال کی عمر پاکر سنہ ۱۹۸۵ قبل مسیح میں انتقال کیا۔ بابل میں کلدانیہ ان کا وطن تھا جو آج کل عراق کہلاتا ہے۔

نمرود کے منجم کنعان نے جب اس کو خبردار کیا کہ ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو ایک نئے مذہب کا مبلغ ہوگا اور تیرے دین کو تباہ کردے گا تو نہ صرف اس نے مردوں اور عورتوں کو جدا کر دیا بلکہ ہر عورت پر دایہ مقرر کر دی کہ اگر بچہ پیدا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کی والدہ ایک غار میں تشریف لے گئیں جہاں آپ کی ولادت ہوئی اور ان کی والدہ ان کو وہیں چھوڑ کر چلی آئیں لیکن اکثر بیشتر ان کی خبرگیری کے لیے جاتی رہتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنے عام بچے ایک ماہ میں۔ جب وہ تیرہ سال کے ہوئے اور ان کی والدہ ان کو دیکھنے آئیں تو انھوں نے ہمراہ چلنے کی ضد کی۔ ان کی والدہ گھبرائیں اور ان کو بتایا کہ تم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے کہ اگر نمرود کو معلوم ہو جائے گا تو وہ قتل کر دے گا۔ غرض اس دن تو ان کی والدہ ان کو سمجھا بجھا کر چلی گئیں لیکن جناب ابراہیم کا دل غار میں رہتے رہتے گھبرانے لگا تھا اس لیے وہ باہر نکل آئے۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور رات کا آغاز ہو رہا تھا۔ ایسے میں ستارۂ زہرہ چمکا تو ان کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں اور وہ سوچنے لگے کہ شاید یہی خدا ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے لیکن جب صبح ہوتے ہوتے وہ غائب ہوگیا تو انھوں نے رائے بدل دی اور خود ہی کہنے لگے کہ جو غروب ہو جائے وہ میرا خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح چاند اور سورج نے بھی ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی مگر دونوں ہی کا انجام دیکھ کر انھوں نے اپنی رائے بدل دی اور خود ہی کہنے لگے کہ میں غروب ہونے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ میرا خدا تو وہ ہے جو ان سب پر قادر ہے۔

جب وہ اپنی والدہ کے ہمراہ آزر کے گھر پہونچ گئے تب بھی ان کا عقیدہ یہی تھا جس کے سبب نمرود نے ان کو آگ میں ڈلوا دیا تھا (ملاحظہ ہو آتشِ نمرود)

حضرت ابراہیم ہی نے کعبے کی بنیاد رکھی تھی جو آج مسلمانوں کا قبلہ ہے، اور جناب ابراہیم ہی نے حضرت اسمٰعیل کو پروردگار کی خوشنودی کے لیے اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا تھا لیکن قدرت نے جناب اسمٰعیل کی جگہ گوسفند بھیج کر ان کو ذبح ہونے سے بچا لیا تھا جس کی یاد میں مسلمان ہر سال عیدالاضحیٰ مناتے ہیں۔

•

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں
(اقبال)

•

ابرہہ ۔ ابرہہ حبش کے بادشاہ کا نام تھا جو رسولِ مقبول کے دادا جناب عبدالمطلب کے زمانے میں گزرا تھا۔ اس بادشاہ نے ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تھی تاکہ تباہ و تاراج کر دے لیکن قہرِ الٰہی سے خود تباہ ہو گیا۔
(ملاحظہ ہو اصحابِ فیل)

•

ابنِ مریم ۔ حضرت عیسیٰ کا لقب ہے جو جناب مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ قدرت نے جنابِ عیسیٰ کو یہ معجزہ مرحمت فرمایا تھا کہ وہ بیماروں کو شفایاب کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔
(ملاحظہ فرمائیں عیسیٰ)

•

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
غالب

•

ابوالہول ۔ دہشت، ڈر اور خوف کی کیفیات کو ہول کہتے ہیں۔ قدیم مصری دیومالا میں ایک ایسے دیوتا کا تصور تھا جس کا جسم شیر کا اور سر عورت کا تھا۔ چوں کہ مصریوں کا یہ بت ہیبت ناک بت ہے اس لیے اس کو ابوالہول کہا جاتا ہے۔ آج بھی اہرامِ مصر سے ... کے فاصلے پر واقع ابوالہول کا بت دنیا بھر کے سیاحوں اور تاریخ دانوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ اس کا سنِ تعمیر ۲۵۰۰ ق م بتایا جاتا ہے۔

•

خود ابوالہول نے یہ نکتہ سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول ہو کہ صاحبِ اسرارِ قدیم
اقبال

•

ابوتراب ۔ حضرت علیؑ کی کنیت ہے اور حضرت علیؑ کو یہ کنیت اس درجہ پسند تھی کہ وہ اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو بوتراب)

ابولہب یہ شخص حضرت محمدؐ کا چچا اور عرب کا ایک صاحبِ حیثیت نیز بااثر شخص تھا، جس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول نہیں کیا بلکہ حضرت خاتم النبیین اور دوسرے مسلمانوں کو آخر تک اذیتیں پہونچاتا رہا۔

•

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
اقبال

•

اثنا عشری ۔ بارہ اماموں کو ماننے کے سبب مسلمانوں کے شیعہ فرقے کو اثنا عشری کہتے ہیں، اثنا عشری، رسولِ مقبولؐ کے بعد ان کے بھائی اور داماد حضرت علیؑ کو وصیِ رسولؐ اور پہلا امام مانتے ہیں اور اس کے بعد بالترتیب حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت امام محمد باقرؑ، حضرت امام جعفر صادقؑ، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، حضرت امام رضاؑ، حضرت امام محمد تقیؑ، حضرت امام علی نقیؑ، حضرت امام حسن عسکریؑ اور حضرت امام مہدیؑ کو بارہواں اور آخری امامِ زماں مانتے ہیں۔ فرقۂ اثنا عشری کا عقیدہ ہے کہ بارہویں امام حضرت امام مہدیؑ زندہ ہیں اور بحکمِ خدا زندگی سے پردۂ غیب میں ہیں۔ جب دنیا میں گناہ، بداعمالیاں، شرک، بے حیائی اور بے دینی حدوں سے گذر جائے گی تو وہ ظہور فرمائیں گے اور دنیا سے برائیوں کو ختم کریں گے جس کے بعد دنیا میں ایک بار پھر خوشحالی، دیانتداری، پاکبازی، اور ایمانداری کا دور دورہ ہوگا۔

•

احرام ۔ زائرینِ حرم، مقررہ زیارت گاہوں سے جب خانۂ کعبہ کا قصد کرتے ہیں تو بہت سی ان چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں جو عام حالات میں جائز اور حلال ہیں۔ اس دوران ستر پوشی کے لیے ایک بغیر سلا ہوا کپڑا پہنا جاتا ہے۔ ان تمام مدارکان کو احرام کہتے ہیں۔
حلال کو اپنے اوپر حرام کر لینا، مباح چیزوں کو ترک کر دینا نیز بغیر سلا کپڑا پہننے

کے قصد کو احرام باندھنا کہتے ہیں۔

•

جب آگیا ہے تصور میں کعبۂ ایماں
خیال ذہن سے احرام باندھ کر نکلا
ظہور رواتی

•

اخفش ۔ ابوالحسن سعید، علم نحو کے بہت بڑے ماہر کا لقب تھا۔ نحو کے دوران اخفش اس درجہ خود فراموش اور خیالات میں اتنا مستغرق ہو جاتا تھا کہ اس کو اپنے گرد و پیش کی کوئی خبر نہیں رہتی تھی۔ اس کی یہ خود فراموشی لوگوں میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ مشہور ہے کہ اس کے پاس ایک بکری تھی۔ اخفش کو جب اہم اور پیچیدہ مسائل کا حل درکار ہوتا تھا تو وہ گھنٹوں اس بکری سے گفتگو کیا کرتا تھا اور بکری سر ہلایا کرتی تھی۔ یہ یک طرفہ بحث عام طور پر کامیاب ثابت ہوتی اور اخفش مسئلے کے حل تک پہنچ جاتا۔

آج بھی جب کوئی آدمی بغیر سوچے سمجھے کسی بات پر سر ہلاتا ہے تو اس کی مثال "بز اخفش" سے دی جاتی ہے۔

•

ادریس ۔ ایک مشہور پیغمبر گذرے ہیں۔ جو حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں پشت میں تھے اور جن کے والد ماجد حضرت شیث علیہ السلام بھی پیغمبر تھے۔ چونکہ جناب ادریس کی زندگی درس و تدریس میں گذرتی اس لیے آپ کو ادریس کہا جانے لگا ویسے اصل نام اخنوخ یا اخنوح تھا۔ آپ کو بارگاہ ایزدی سے دس چیزیں عطا کی گئی تھیں۔ ۱۔ رسالت، ۲۔ نزول بھی صحائف، ۳۔ اظہار علم نجوم، ۴۔ طرز کتابت، ۵۔ خیاطی، ۶۔ آلات حرب سازی، ۷۔ طریقہ جہاد، ۸۔ طریق قید و اسیری، اطلاد کفار، ۹۔ پوشش لباس کرپاس (ادن سے کپڑے

بنانے اور پہننے کی ترکیب) ۱۰۔ اچھے حج قیام جنت۔

آپ نے طوفان نوح کی پیشین گوئی فرمائی تھی ۔۔۔ ہاروت و ماروت فرشتے آپ ہی کے زمانے میں عشق زہرہ میں مبتلا ہو کر معتوب ہوئے تھے اور چاہ بابل میں قید کیے گئے تھے۔

ارژنگ ۔ چین کا ایک عظیم مصور جس کا نام مانی تھا اس نے ۲۴۵ء میں ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی اور یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ نے جس کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی وہ وہی ہے عوام الناس کو یقین آگیا اور وہ اس پر ایمان لانے لگے لیکن بادشاہ وقت شاپور اول کو اس کی اس حرکت پر بے انتہا غصہ آیا اور اس کے عتاب سے بچنے کے لیے مانی چین سے بھاگ گیا۔ لوگ سمجھے کہ مانی کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے اور مناسب وقت پر پھر اس کا ظہور ہوگا۔ لیکن مانی اس روپوشی کے دور میں تصاویر بناتا رہا۔ جب وہ دوبارہ روپوشی کی زندگی سے باہر آیا تو اپنی ان تصویروں کو، جو واقعی مصوری کے شاہکار تھے لوگوں کو یہ کہہ کر دکھانے لگا کہ یہ تصاویر اس کے پاس خدا کی جانب سے آئی ہیں۔ مانی کی ان تصاویر کو ایک البم کی شکل میں جمع کر لیا گیا اور اس البم کو "ارژنگ" کا نام دیا گیا۔

بیا کہ ساقیٔ گل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز باد بہاراں جواب ارژنگ است
(اقبال)

ارسطو ۔ اصل نام Avristotile تھا۔ ۳۸۴ ق۔م میں یونان میں پیدا ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ایتھنز Anthens آگیا۔ تین سال بعد افلاطون کی شاگردی اختیار کی۔ ۲۰ سال تک ایتھنز میں قیام کیا اور افلاطون کے انتقال کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ سنہ ۳۴۲ ق۔م میں مقدونیہ کے بادشاہ نے ولی عہد سکندر کا

اسے لیے مقرر کیا لیکن تین ہی سال بعد جب سکندر نے ایشیا پر حملے کی تیاریاں شروع کردیں تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا ۳۲۲ ق۔م میں جب ارسطو کا انتقال ہوا تو اس کی عمر باسٹھ برس کی تھی۔ ارسطو ایک جید عالم اور مدرسہ مشائیت ——— کا بانی تھا۔

زمانے با ارسطو آشنا باش
دمے با ساز بیکن ہم نوا باش
(اقبالؔ)

ارم۔ بابل میں ایک مشہور کافر بادشاہ گذرا ہے جس کا نام شداد تھا۔ اس بادشاہ نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اپنی خدائی کو ثابت کرنے کے لیے دنیا ہی میں باغ ارم کے نام سے بہشت تیار کرائی تھی۔ شداد نے اپنی جنت کی آرائش و زیبائش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس معاملے میں قدرت بھی ڈھیل دے رہی تھی۔ جنت کی جس جس چیز کا اس کو علم ہوتا وہ اسے اپنے باغ کے لیے فراہم کرنے کو بے چین ہو جاتا اور قدرت اس کو فراہم بھی کرا دیتی۔ اس جنت میں حوروں کی جگہ حسین و جمیل لڑکیاں تھیں اور غلمان کی جگہ خوبصورت ترین کم عمر لڑکے۔

جب شداد کی جنت بن کر تیار ہو گئی تو وہ اس کے ملاحظے کو روانہ ہوا لیکن جائے عبرت یہ تھی کہ وہ خود اپنی جنت کے دروازے میں بھی داخل نہ ہو سکا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے جیسے ہی گھوڑے کی رکاب سے پیر نکالنے کا ارادہ کیا ویسے ہی ملک الموت نے روح قبض کر لی۔ اور شداد خود اپنی ہی بنائی ہوئی جنت میں داخل ہوتا تو درکنار اس کو ایک نظر دیکھ بھی نہ سکا۔ کہتے ہیں اس باغ کے تین طبقے تھے اور ہر طبقہ نئے انداز سے آراستہ کیا گیا تھا۔

خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوش ارم
جسنے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم
(اقبالؔ)

ارنی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کوہ طور پر جا کر اللہ سے گفتگو کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے پروردگار عالم سے کہا تھا کہ "ارنی" یعنی اپنا جلوہ دکھا دے جس کے جواب میں آواز آئی تھی "لن ترانی" تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔

لن ترانی نے بڑھا دی ارنی کی تکرار
طالب دید کا پہلے تو یہ اصرار نہ تھا
(جلالؔ لکھنوی)

اژدر موسیٰ۔ قدرت نے حضرت موسیٰ کے عصا کو یہ اعجاز عطا کیا تھا کہ جب وہ اسے زمین پر ڈال دیتے تھے تو ایک مہیب اژدر بن جاتا تھا اور اردگرد کے وہ تمام سحر نگل جاتا تھا جو حضرت موسیٰ کو گزند پہونچانے کے لیے وجود میں آتے تھے۔

جبل طور سے اترتا ہے
کیا عصائے کلیم کا اژدر
(منیرؔ شکوہ آبادی)

اسرافیل۔ حضرت اسرافیل ان فرشتوں میں ہیں جن کو بارگاہ ایزدی میں تقرب کا شرف حاصل ہے۔ ان کے ذمے یہ خدمت ہے کہ وہ روزِ قیامت صور پھونکیں گے جس کی آواز اتنی ہیبت ناک ہوگی کہ تمام ذی روح مر جائیں گے اور جب دوبارہ وہ صور پھونکیں گے تو تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔

———

فکر او نا دار و بے ذوق ستیز
بانگ اسرافیل اور بے رستخیز
(اقبالؔ)

اصحابِ فیل ۔ حبش کے بادشاہ ابرہہ نے خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے لیے ہاتھیوں کا لشکر لے کر چڑھائی کی لیکن اللہ کے گھر کو ڈھا دینے کا اس کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اچانک آسمان پر ایک سمت سے ابابیلوں کا جھنڈ اڑتا ہوا نمودار ہوا جن کے پنجوں اور چونچوں میں چھوٹے چھوٹے کنکر تھے۔ اہلِ لشکر نے جوں ہی نظر اٹھا کر ان سبز اور حقیر پرندوں کی جانب دیکھا انھوں نے اپنے پنجوں اور چونچوں سے وہ چھوٹے چھوٹے کنکر گرانا شروع کر دیے۔ یہ کنکر اس درجہ تباہ کن تھے کہ جس فیل سوار پر پڑتے تھے وہ مع فیل کے آغوشِ مرگ میں پہونچ جاتا تھا۔ اس طرح خود ابرہہ اپنے لشکر کے ساتھ ختم ہو گیا۔

اصحابِ کہف ۔ یہ پانچ، سات یا نو صاحبانِ ایمان جن کے ہمراہ ایک کتا بھی ہے، ایک غار میں محوِ خواب ہیں اور اب قیامت کے روز ہی بیدار ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ بادشاہ دقیانوس کے عہد میں ان چند صاحبانِ ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا بالآخر پریشان ہو کر یہ لوگ ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے، جہاں ان سب کو نیند آگئی۔ ان لوگوں کے ہمراہ ایک کتا بھی تھا جو اس غار میں انھیں کے ہمراہ سو گیا۔ یہ حضرات صدیوں ۔ اسی طرح سوتے رہے اور ایک مرتبہ جب آنکھ کھلی اور وہ لوگ غار سے نکل کر باہر آئے تو دنیا بدلی ہوئی تھی انھوں نے ضرورت کی اشیاء خریدنے کے بعد جب جیب سے سکے نکال کر دیے تو ہر شخص حیرت سے دیکھنے لگا اور استفسار کرنے لگا کہ یہ دقیانوسی سکے ان کو کہاں سے

ملے۔ بدلے ہوئے حالات اور لوگوں کی شکوک نگاہوں کی تاب نہ لا کر وہ لوگ پھر اسی غار میں واپس چلے گئے اور ان کے ہمراہ وہ کتا بھی اسی غار میں پہونچ گیا غار میں پہونچتے ہی ان سب کو پھر نیند آگئی۔ وہ لوگ اسی غار میں محوِ خواب ہیں اور اب قیامت کے دن جب وہ جاگیں گے تو وہ کتا بھی بشکلِ انسان ان کے ساتھ ہوگا

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت مردم شد

افشاں ۔ سونے یا چاندی کے تاروں کی باریک کترن کو افشاں کہتے ہیں۔ خواتینِ مقیش کی اس کترن کو زیبائش کے لیے استعمال کرتی تھیں ——— اس بالوں میں لگاتی تھیں اور مانگ بھرتی تھیں۔ آج بھی دولہنوں کو سجانے میں افشاں استعمال کی جاتی ہے۔ افشاں لگانے کے اس عمل کو افشاں چننا یا افشاں چھڑکنا بھی کہتے ہیں۔

چمنے کے افشاں جو نظر پانے کی تاروں پر
آسماں رشک سے لوٹا کیا انگاروں پر
افشاں کا وہ عالم اس چاند سے مکھڑے پر
جوں وقتِ سحر انشاؔ سورج کی کرن جاگے
(انشاؔ)

افلاطون ۔ اصل نام پلیٹو تھا۔ (Plato) یونان کا ایک عظیم فلسفی گذرا ہے جو ۴۲۷ یا ۴۲۸ قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا اور ۳۴۷ یا ۳۴۸ ق م میں فوت ہوا۔ افلاطون کا تعلق یونان کے ایک ممتاز خاندان سے تھا اس کا خاص موضوع فلسفہ تھا۔ اس نے فلسفہ اور علمی تحقیق کے لیے اس زمانے میں ایک اکاڈمی قائم کی تھی۔ افلاطون کی تخلیقات کے ہر زبان میں ترجمے موجود ہیں۔ افلاطون کے نظریے کے

مطابق تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ ان نقوش کو اجاگر کیا جائے جو ہر انسان کی روح میں دھندلی حالت میں موجود ہوتے ہیں۔

راہبِ دیرینہ افلاطونِ حکیم
از گروہِ گوسفندانِ قدیم

افیونی ۔ چند دہائیوں قبل تک افیون نوشی کا شغل عام تھا اور لکھنؤ میں تو اس کا استعمال حد درجہ اہتمام اور نفاست کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ غریب لوگ تو عام طور پر افیون کو گولی کی شکل ہی میں استعمال کرتے تھے لیکن شرفا اور رؤسا میں افیون نوشی کی باقاعدہ تہذیب موجود تھی۔ صاف شفاف چاندنی کے فرش پر گاؤ تکیہ سجاتے ہوئے احباب کی محفل جمتی اور چاندی کی چھوٹی چھوٹی انتہائی نفیس کٹوریوں میں حاضرین کو افیون پیش کی جاتی۔ ہر شخص اپنی اپنی کٹوری میں انتہائی نزاکت کے ساتھ چٹکی سے مل مل کر افیون گھولتا، چسکی لیتا اور پھر افیون گھولنے میں مصروف ہو جاتا۔ اس دوران انتہائی دلچسپ گفتگو ہوتی۔ داستان گو یا قصہ خواں داستانیں سناتے، چٹکلے ہوتے یا پھر شعر و شاعری شروع ہو جاتی۔ ان محفلوں کے آداب بھی اپنی آپ مثال تھے جن کی شائستگی اور تہذیب کا آج کے دور میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اصل افیون جب نہ ہاتھ آئے
چاٹ افیون کی ملے کیوں کر
(منیر شکوہ آبادی)

الف لیلیٰ ۔ لغوی معنی ہیں ایک ہزار راتیں۔ الف لیلیٰ طویل ترین داستانوں میں سب سے زیادہ مقبول اور شہرت یافتہ کتاب ہے اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں اس کے ترجمے موجود ہیں اس کی کہانیاں الگ الگ بھی شائع ہو چکی ہیں اور ان پر فلمیں بھی بنائی گئی ہیں۔

بنیادی طور پر الف لیلیٰ صرف ایک ہی کہانی ہے لیکن یہ کہانی ہزار ہا کہانیوں کو جنم دیتی ہے۔ شہریار نام کا ایک بادشاہ اپنی ملکہ سے بے حد محبت کرتا تھا لیکن وہ عورت انتہائی بد چلن تھی۔ بادشاہ کو جب اس کی بد کرداری کا ثبوت مل گیا تو اس کو بے حد صدمہ پہونچا۔ اس کو نہ صرف اپنی ملکہ سے نفرت ہو گئی بلکہ وہ صنفِ نازک ہی سے نفرت کرنے لگا اور اپنی ملکہ کی بے وفائی اور بد کرداری کا انتقام اس نے اس طرح لینا شروع کیا کہ ہر شب وہ ایک عورت سے عقد کرتا تھا اور صبح ہوتے ہی اس کو قتل کرا دیتا تھا۔ ظلم و ستم کا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ہر شخص پریشان ہو گیا۔ عورتوں پر ہونے والے اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے آخر کار ایک وزیر زادی نے اپنے ذہن میں ایک پروگرام ترتیب دیا اور وہ ایک شب کی ملکہ بن کر صبح کو قتل ہونے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس لڑکی کا نام شہرزاد تھا۔ جب شہرزاد بادشاہ کے محل میں داخل ہوئی تو اس نے اپنی بہن دنیازاد کو بھی اپنے ہمراہ رکھنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مل گئی اور دونوں ہی بہنیں ایک ساتھ حرم میں داخل ہوئیں۔ رات ہوتے ہی چھوٹی بہن دنیازاد نے بڑی بہن سے کہانی سنانے کی فرمائش کی اور شہرزاد نے کہانی سنانا شروع کی تو کہانی سے کہانی نکلنے لگی۔ اندازِ بیان کی دلکشی اور کہانی کی دلچسپی نے شہریار کو بھی مسحور کر دیا اور اس نے باقی کہانی سننے کے شوق میں شہرزاد کے قتل کا ارادہ اگلے دن تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ اس طرح ہر شب کہانی سے کہانی نکلتی رہی اور بقیہ کہانی کو سننے کے شوق میں شہریار، شہرزاد کو قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کرتا رہا۔ اس طرح ایک ہزار ایک راتیں گذر گئیں اور شہریار نہ صرف کہانی بلکہ کہانی سنانے والی کے طلسم میں بھی گرفتار ہو گیا۔ اس نے شہرزاد کی ذہانت اور عقلمندی کے اعتراف کے طور پر اس کے قتل کا ارادہ منسوخ کر دیا اور اسے اپنی ملکہ بنا لیا۔

الف لیلیٰ کی کہانیاں زباں زد ہیں جن میں علی بابا چالیس چور، سندباد جہازی، علا الدین کا چراغ اور ابوالحسن کا قصہ جیسی نہ جانے کتنی کہانیاں بے حد مقبول ہو کر مختلف زبانوں کے بچوں کے ادب میں جگہ پا چکی ہیں ان کہانیوں میں بھوت پریت، جادو، جن، پریاں، طلسم، جادوگر، دیو۔ اڑن کھٹولا، جادو کی گھوڑا اور نہ جانے کتنے ہی عجیب و غریب جانوروں نیز مافوق الفطرت باتوں کا ذکر اس درجہ دلچسپ انداز میں کیا گیا ہے کہ وہ حقیقی معلوم ہونے لگتی ہیں۔

الیاس۔ حضرت الیاس ایک جلیل القدر پیغمبر تھے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بحری راستوں میں بھٹک جانے والوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام، جناب یوشع کی وفات کے بعد شہر بعلبک میں پیدا ہوئے۔ اس شہر کے لوگ بعل نامی بت کی پرستش کرتے تھے اور اسی بت کے نام پر اس شہر کا نام تھا۔ حضرت الیاس نے بعل پرستوں میں خدا پرستی کی تبلیغ کی ان کو راہِ راست دکھائی۔ بہت سے لوگ خدا پرست ہو گئے لیکن اس کے بعد پھر ان لوگوں پر کفر غالب ہو گیا اور ایمان کی راہ سے ہٹ کر بت پرستی کی جانب مائل ہو گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے جناب الیاس کو طرح طرح کی ایذائیں پہونچانا شروع کر دیں اور بہتان تراشیاں کرنے لگے۔ بالآخر جناب الیاس نے خداوند ذوالجلال کے حکم سے جناب الیسع کو خلافت سونپ دی اور اپنے حق میں دعا مانگی کہ نظرِ خلائق سے محفوظ و مستور رہیں۔ چنانچہ ان کی دعا بارگاہِ رب العزت میں مقبول ہو گئی اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک آتشیں گھوڑا نمودار ہوا جس پر سوار ہو کر جناب الیاس ہم دیگر لوگوں نیز حضرت الیسع کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو (اقبال)

امامِ ضامن۔ امام ضامن منسوب ہے حضرت امام رضا علیہ السلام سے جو فرقہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام ہیں۔ حضرت امام رضا کا زمانہ خلفائے عباسیہ میں مامون بن ہارون رشید کا عہد تھا۔ مامون رشید نے امام رضا کو اپنا خلیفہ اور ولی عہد قرار دے کر ۲۰۲ھ میں اپنی بیٹی ام حبیبہ کا نکاح آپ سے فرما دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب زیارت کربلائے معلیٰ کے لیے جانے پر سخت ترین پابندیاں بہ منزل ممانعت عائد تھیں۔ ایسی صورت میں جو زائر کربلا، روضہ امام حسین پر جانا چاہتے تھے امام رضا علیہ السلام ان کے کفیل اور ضامن ہو جایا کرتے تھے تاکہ زائرین نعمت ثواب زیارت سے محروم نہ رہیں۔ اسی سبب سے لوگ اس زمانے میں آپ کو امام ضامن کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے۔

رفتہ رفتہ خواتین کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ جب بھی کوئی سفر کو سدھارتا اس کے بازو پر کوئی سکہ امام ضامن کے نام سے باندھ دیا جاتا اور جب منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا تو اس رقم کو سادات میں تقسیم کر دیا جاتا۔ بعد میں امام ضامن کی رسم شادی بیاہ کی رسموں میں شامل ہو گئی۔ اور منگنی یا بیاہ ٹھہرنے کے وقت امام ضامن باندھا جانے لگا۔

امام رضا علیہ السلام کی شہادت ۵۵ برس کی عمر میں آخر صفر ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ کو خلیفہ وقت کی جانب سے زہریلے انگور بھیجے گئے تھے جن کے کھانے سے زہر پھیل گیا تھا۔ امام رضا علیہ السلام نے اپنی شہادت کی پیشین گوئی بھی پہلے ہی فرما دی تھی۔ آپ کا روضہ شہر طوس، واقع خراساں میں آج بھی زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔

اناالحق۔ ایک صوفی بزرگ حسین بن منصور حلاج نے عالم کیف میں خلاف شرع بات اناالحق کہہ دی تھی جس کے معنی یہ نکالے گئے کہ منصور نے خدائی

کا دعویٰ کیا ہے۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں حالاتِ حسین بن منصور)

جو وہ فقرۂ انا الحق مرا جرم ہی تھا منظر
تو پھر ایک بار کہنا سرِ دار چاہتا ہوں
(منظر لکھنوی)

انا الحق اور مشتِ خاکِ منصور
ضرور اپنی حقیقت اس نے جانی
(شاہ عبدالعلیم آسی)

انجیل۔ وہ صحیفہ آسمانی جو حضرتِ عیسیٰ پر نازل ہوا تھا اور جس کو عیسائی اپنی مذہبی کتاب مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو عیسیٰ)

اندر۔ ہندو دیو مالا کے اعتبار سے اندر بہشت کے حکمراں اور بارش کے دیوتا ہیں۔ امانت نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف میں راجہ اندر کو ایک راجہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے جو راگ و رنگ اور عیش و عشرت کی علامت ہے۔ دیو اور پریاں بھی اس کی حکمرانی ہے۔ اس کی محفل میں پریاں رقص کرتی ہیں اور دیو خدمتگاری کرتے ہیں۔

اندرا گاندھی۔ ہندوستان کی اولین خاتون وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا پورا نام پریہ درشنی اندرا گاندھی تھا۔ شریمتی اندرا گاندھی کے والد آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو بھی آزاد ہندوستان کے اولین وزیر اعظم تھے۔ اندرا گاندھی ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ چونکہ ان کا گھر آنند بھون جنگ آزادی کے متوالوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے اندرا جی میں ابتدائے عمر ہی سے حب الوطنی، ایثار اور قربانی کے جذبات پرورش پاتے رہے۔ انھوں نے وشوبھارتی شانتی نکیتن، پیپلز اون اسکول پونا، اور سمر ویل کالج کے علاوہ آکسفورڈ، برسٹل

اور سوئزرلینڈ میں تعلیم پائی۔

سیاست اور جدوجہد ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ انھوں نے بچپن ہی میں بال چرخہ سنگھ کی بنیاد رکھی اور گاندھی جی کی عدم تعاون کی تحریک کے دوران کانگریس کی امداد کے لیے ۱۹۳۰ء میں بچوں کی وانر سینا تیار کی۔

۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء کو ان کی فیروز گاندھی سے شادی ہوئی اور ستمبر ۱۹۴۲ء میں انھیں آزادی کے لیے جدوجہد کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔ اندرا گاندھی کو دوبارہ ۱۹۴۷ء میں پھر قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا اور تقسیم ہند کے نتیجے میں پورے ملک میں فساد پھوٹ پڑا تو مہاتما گاندھی کی ایما پر انھوں نے دہلی کے فساد زدہ علاقوں میں کام کیا۔

اندرا گاندھی کی پوری زندگی جہدِ پیہم کی علامت تھی وہ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۶۶ء تک حکومت ہند میں وزیر اطلاعات کے عہدے پر فائز رہیں اور جنوری ۱۹۶۶ء میں ہندوستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم منتخب کی گئیں۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں حزب اختلاف کے اتحاد نے کانگریس کو شکست سے دوچار کردیا۔ شریمتی اندرا گاندھی اس کے بعد بھی عوام میں بے حد مقبول رہیں اور حزب اختلاف کی ملی جلی جنتا سرکار نے جب اپنے دورِ حکومت میں ساری قوت صرف اندرا گاندھی کو پریشان کرنے پر صرف کرنا شروع کی تو عوام کی ان سے ہمدردی اور بڑھ گئی۔ جنتا حکومت میں ان کو گرفتار کرکے تہاڑ جیل بھی بھیج دیا گیا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں جب کانگریس دوبارہ برسرِ اقتدار آگئی تو اندرا گاندھی ایک مرتبہ پھر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوگئیں۔

شریمتی اندرا گاندھی نہ صرف ہندوستان میں حد درجہ مقبول تھیں بلکہ ساری دنیا میں ان کو انتہائی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ فرانس کی رائے عامہ سے متعلق ایک ادارے کی جمع کردہ آرا، کے مطابق ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء

میں وہ فرانسیسی خواتین میں سب سے زیادہ مقبول تھیں اسی طرح ایک امریکی جائزے کے مطابق وہ ۱۹۷۰ء میں دنیا کی سب سے زیادہ مقبول لیڈر تھیں۔ اندرا گاندھی ہندوستان کے تاریخی افق سے ایک ایسی روشنی بن کر چمکی تھیں جس نے ساری دنیا کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی تھی۔ وہ جوہری توانائی کو پرامن اور تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر مسلسل زور دیتی رہیں۔ ان کی ناوابستگی کی تحریک، بقائے باہم کے اصولوں کی ایک ایسی عظیم تحریک تھی جس نے ایک سو سے زیادہ ناوابستہ ملکوں کو متحد کر دیا تھا ــــــ اندرا گاندھی ہندوستان جیسے عظیم جمہوری ملک کی رہنما ہونے کے علاوہ دنیا کے اہم لیڈروں میں شمار کی جاتی تھیں۔ ان کی آواز کی نہ صرف اقوام متحدہ میں اہمیت تھی بلکہ دیگر عالمی کانفرنسیں بھی ان کے مشوروں کے لیے ہمہ تن گوش رہتی تھیں۔

اندرا گاندھی یک جہتی کی مبلغ تھیں وہ ہندوستان سے جس فرقہ واریت کی لعنت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی جدوجہد کر رہی تھیں اسی تنگ نظری نے ان کی زندگی کے چراغ کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی صبح کو عالمی شرپسندوں کے چند زرخرید سکھوں نے جو ان کے ذاتی محافظ بھی تھے ان کو گولیوں سے بھون دیا اور اس طرح افق ہند پر چمکنے والا وہ سورج جو ساری دنیا کو بقائے باہم کا پیغام دے رہا تھا ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

شریمتی اندرا گاندھی کے دو بیٹوں میں سنجے گاندھی کا ایک ہوائی حادثے میں انتقال ہو گیا اور ان کے بڑے بیٹے، راجیو گاندھی بالاتفاق رائے، اندرا گاندھی کے انتقال کے فوراً بعد ہندوستان کے وزیر اعظم بنا دیئے گئے۔ شری راجیو گاندھی بھی اپنے کارناموں سے عوام میں اپنی والدہ کی طرح ہر دلعزیز ہیں۔

تو چین سے سو جا کہ ہمیں اس کی خبر ہے   پوشیدہ ترے بام کے نیچے بھی ہے کوئی

قاتل کے لٹے ہاتھ پہ سایہ ہے کسی کا   سایہ بھی کہتا ہے کہ پیچھے بھی ہے کوئی

کوئی بھی ہو کیا غم ہے کہ اے مادرِ عالم
ہم لے کے اٹھیں گے تری آواز کا پرچم

(مجروح سلطان پوری)

انوری ۔ فارسی کا مشہور شاعر گذرا ہے جس کا نام اوحد الدین تھا اور مولد خاوران جس کی مناسبت سے ابتداً میں خاوری تخلص کیا لیکن بعد میں استاد عمادؔ شاتی کے مشورے کے بموجب انوری تخلص رکھا۔ حکمت اور فلسفہ کا جید عالم تھا لیکن زندگی فقر و فاقہ میں بسر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سلطان سنجر سلجوقی کا لشکر اور اس کے ساتھ ابوالفرح سجزی ملک الشعراء کا لشکر مشہد مقدس کے قریب زاکان کے مقام پر آکر قیام پذیر ہوا تو اس کی شان و شوکت دیکھ کر انوری کا ذہن بدل گیا اس نے سوچا کہ صرف حکمت و فلسفہ سے کچھ حاصل نہیں ہے بلکہ زندہ رہنے کے لیے دنیا داری بھی ضروری ہے چنانچہ اس نے اسی شب سلطان کی مدح میں قصیدہ تصنیف کیا اور صبح کو خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس قصیدہ پر اس کو بے حد انعام و اکرام سے نوازا گیا یہاں تک کہ سلطان نے خود اس کے گھر پر آکر اس کی عزت افزائی کی ــــ

انوری کو نجوم میں بھی دخل تھا اور اکثر و بیشتر وہ پیشین گوئیاں کیا کرتا تھا لیکن یہی نجوم اور پیشین گوئی اسکے زوال کا سبب ثابت ہوئے۔ ایک مرتبہ سلطان طغرل شاہ سلجوقی کے عہد میں اس نے دعوے سے پیشین گوئی کی کہ فلاں روز زبردست طوفان باد و باراں آئے گا جس کی تباہی طوفان نوح کی یاد تازہ کر دے گی مگر اس کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا اور کوئی طوفان نہ آیا۔ انوری بہت خوفزدہ ہوا اور بادشاہ کے عتاب سے بچنے کے لیے بلخ چلا گیا مگر اہل بلخ نے کوئی پذیرائی نہ کی

ان کی بدسلوکی سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے ان کی ہجو کہہ ڈالی جس پر اہل بلخ اس کے اور دشمن ہو گئے۔ انہوں نے اس کے سر پر دوپٹہ ڈال کر اس کو رسوا کیا لیکن بلخ کے قاضی حمید الدین فاضل ایسے میں اس کے مددگار ثابت ہو گئے۔ اس واقعے کے بعد انوری نے اہل بلخ کو خوش کرنے کے لیے ان کی مدح میں قصیدہ بھی کہا مگر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور ایک دن ۵۸۲ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

اوتار ۔ ہندو عقیدے کے مطابق جب گناہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو پرمیشور انسانی شکل میں نمودار ہو کر دنیا میں برائیوں کے خلاف جنگ کر کے امن و امان قائم کرتا ہے۔

کتنے اوتار ہوئے کتنے پیمبر آئے
تو نہ آیا ترے پیغام برابر آئے
(کرشن بہاری نور)

اگھوری ۔ ہندو فقیروں کا یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو عام طور پر شمشان میں یا ان کے آس پاس رہتا ہے۔ گوشت شراب اور مردار کھاتا ہے۔ نیز روحانی قوتوں کے حصول کی خاطر جس کو وہ سدھی کہتا ہے بے حد مکروہ اور گھناؤنی حرکات کا ارتکاب کرتا ہے۔

اہلبیت ۔ لغوی معنی ہے گھر والے لیکن اہلبیت کا استعمال رسول خدا کے گھر والوں کے لیے کیا جاتا ہے اور ان میں پنجتن شمار کیے جاتے ہیں۔ یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ۔

یہ جس مقام پر بھی ہیں قرآن ہمیت ہیں
قرآن جس جگہ ہے وہیں اہلبیت ہیں
(عظیم امروہوی)

خلد و کوثر ہیں برائے مدح خوان اہلبیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہلبیت
(مولانا حسن رضا خاں بریلوی)

ایاز ۔ محمود غزنوی کا غلام جس کو وہ حسن صورت اور حسن سیرت کے سبب بے حد عزیز رکھتا تھا ایاز کی قابلیت پر بھروسہ کر کے محمود نے اس کو امور مملکت میں بھی شامل کر لیا تھا اور ایاز نے بھی فی الواقعی اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہونچنے دی۔ ایاز کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اکثر خاموشی کے ساتھ اس کمرے کی جانب جایا کرتا تھا جہاں زر و جواہر اور حکومت کا خزانہ محفوظ تھا۔ لوگوں نے جب متعدد مرتبہ ایاز کو مشکوک حالت میں خزانے کی جانب جاتے دیکھا تو اس امر کی شکایت محمود سے کی متعدد مرتبہ یہ شکایت سننے کے بعد بالآخر ایک دن محمود نے ایاز کا خاموشی سے تعاقب کیا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایاز نے ایک صندوق کھول کر اس میں سے ایک بوسیدہ لباس نکال کر زیب تن کر لیا اور کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا پھر اس لباس کو اتار کر بصد احتیاط اسی صندوق میں رکھ کر صندوق بند کر دیا۔ وہ جیسے ہی واپسی کے لیے مڑا اس نے محمود کو اپنے سامنے کھڑا پایا محمود نے اس سے اس عمل کا سبب پوچھا تو ایاز نے کہا کہ اللہ کی رحمت اور آپ کی مہربانی نے مجھ کو اس منصب پر پہونچایا ہے جس کا خواب دیکھنے کی بھی لوگ جسارت نہیں کر سکتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ عیش و عشرت اور جاہ و منصب میں کھو کر کہیں اپنا دور عسرت نہ بھول جاؤں چنانچہ میں یہ لباس پہن کر اپنا وہ وقت یاد کر لیتا ہوں جب میں بھی ہزاروں دوسرے انسانوں کی طرح تھا۔ میرا یہ لباس مجھ کو اپنے پرانے وقت کی یاد دلاتا رہتا ہے اس ایک جملے نے ایاز کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ کر دیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
(اقبال)

ایوب مشہور ہے کہ ایوب اموص بن خمیعس بن اسحٰق بن ابراہیم کے فرزند تھے آپ کی والدہ ماجدہ جناب لوط کی اولاد سے تھیں اور زوجہ رحمت افراہیم بن یوسف کی دختر تھیں۔ جناب ایوب کو اللہ نے بے انتہا نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا اور ہر نعمت پر وہ اللہ کا بے حد و حساب شکر ادا کرتے تھے۔ ایک بار شیطان نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ ایوب تیرا شکر اس لیے کرتے ہیں کہ تو نے ان کو نعمتوں سے سرفراز کیا ہے اگر تو ان سے یہ نعمتیں چھین لے تو وہ ہرگز تیرا شکر ادا نہیں کریں گے چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں نے تجھ کو ان کے مال اور فرزندوں پر مسلط کیا۔ اسکے بعد شیطان نے ان کے تمام فرزندوں کو ضائع کر دیا لیکن جناب ایوب کے شکر میں کمی نہیں آئی۔ ان کے مال کی تباہی آئی لیکن جناب ایوب کے شکر خداوندی میں اور اضافہ ہو گیا پھر ان کے سارے گوسفند مر گئے اور ان کی زراعت برباد ہو گئی وہ اللہ کی حمد و ثنا ہی کرتے رہے۔ شیطان نے پھر کہا کہ ایوب شکر اس لیے کرتے ہیں کہ ان کو یقین ہے کہ ساری نعمتیں ان کو واپس مل جائیں گی تو مجھ کو ان کے جسم پر بھی اختیار دے دے چنانچہ آنکھ دل اور عقل کو چھوڑ کر سارا جسم اس کے اختیار میں آ گیا۔ حضرت ایوب کے سر سے پیر تک اتنے زخم ہو گئے کہ ایک ہی زخم معلوم ہوتا تھا پھر اس میں کیڑے بھی پڑ گئے اور بے حد بدبو پھیلنے لگی۔ یہ کیڑے بھی اتنے زیادہ ہو گئے کہ گرنے لگے مگر جب بھی کوئی کیڑا گر جاتا وہ اس کو پھر اٹھا کر اپنے زخم میں اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ اسی جگہ واپس جا جہاں خدا نے تجھ کو خلق کیا ہے اور تیرے لیے رزق پیدا کیا ہے آخر

ان کے جسم سے اس درجہ بو آنے لگی کہ شہر والے پریشان ہو گئے اور انھوں نے ان کو شہر سے نکال کر ایک کثیف مقام پر ڈالدیا جہاں ان کی زوجہ انکی خدمت کرتی تھیں اور بھیک مانگ کر لاتی تھیں۔ اس عالم میں بھی جناب ایوب خدا ئے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کیا کرتے تھے اور اس کا شکر ادا کرتے تھے۔ آخر پروردگار عالم کو ان پر رحم آ گیا اور ساری نعمتیں مع فرزندوں کے ان کو واپس کر دیں۔

ہر گھڑی کہتے ہو صاحب صبر کر
بندہ اک عاشق ہے یا ایوب ہے

ب

باب ۔ مرزا محمد علی جس کا لقب باب تھا شیراز میں پیدا ہوا تھا اس نے ۱۸۴۴ء مطابق ۱۲۶۰ھ ، تہران میں یہ دعویٰ کیا کہ اس کو اللہ کی جانب سے اس امر پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو امام مہدیؑ اور مسیح موعود کو قبول کرنے پر تیار کرے جو باب کے بعد ظاہر ہوں گے ۔ اسی لیے مرزا محمد علی نے اپنا لقب باب رکھا تھا ۔ حالانکہ خود باب کا مبلغ علم یہ تھا کہ وہ صحیح عربی پڑھنے سے قاصر تھا لیکن پھر بھی محمد علی باب کا مذہب ایران میں تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا ۔ جس کی وجہ سے اسلام ، شیعیت اور خود شاہ ایران کو خطرہ پیدا ہو گیا ۔ اتفاق سے باب کے ایک مرید نے ایک دن شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۲ء میں باب اور اس کے ساتھی اس جرم میں قتل کر دیئے گئے ۔

تھی خوب حضور علما باب کی تقریر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعراب سموت

(اقبالؔ)

بابل ۔ ہندوستان میں لڑکی کے میکے کو بابل کا گھر کہا جاتا ہے اور لوک گیتوں میں لڑکی کی رخصتی کے وقت جو وداعی گیت گائے جاتے ہیں ان

کو بھی بابل کہتے ہیں ۔ ان گیتوں میں لڑکی کے بچپن سے جوانی تک کے لمحات کا احاطہ کیا جاتا ہے اور ماں باپ ، بھائی بہن رشتہ دار سکھی سہیلیاں ۔ پیڑ پودے ، گھر آنگن ، در و دیوار ، پنگھٹ اور گلیاروں سے بے پناہ وابستگی اور بچھڑنے کا ذکر اتنے دردناک انداز میں کیا جاتا ہے کہ سننے والوں کی آنکھیں بھر آتی ہیں ۔

بابل ۔ ایک قدیم شہر کا نام بھی ہے جس کے کھنڈرات اس بات کے آئینہ دار ہیں کہ کسی زمانے میں بابل کی تہذیب بے حد ترقی یافتہ تھی بابل ہی کے ایک کنوئیں میں دو فرشتے ہاروت و ماروت بھی قید ہیں ۔

باغ ابراہیم ۔ ملاحظہ ہو آتش نمرود ۔

بالاخانہ ۔ ایک زمانے میں طوائفوں اور رقاصاؤں کے علاقے مخصوص تھے ۔ جہاں صرف وہی عورتیں رہتی تھیں جو طوائفیں ، کسبیاں ، یا رقاصائیں کہلاتی تھیں ۔ ان میں کچھ جسم فروش ہوتی تھیں ، کچھ رئیس کی ماہانہ تنخواہ دار ہونے کے سبب کسی دوسرے سے کوئی جسمانی تعلق نہیں قائم کرتی تھیں اور کچھ وہ ہوتی تھیں جو صرف مجرا کرتی تھیں ۔ شام کے وقت محفلیں جمتی تھیں ۔ شہر کے روسا جمع ہوتے تھے ، گانا سنتے تھے ، رقص سے محظوظ ہوتے تھے اور انعام و اکرام سے نوازتے تھے ۔ یہ محلے عام طور پر اس طرح آباد تھے کہ مکانوں کی نچلی منزلوں میں دوکانیں ہوتی تھیں اور اوپری منزل میں ان کی رہائش گاہیں ہوتی تھیں ۔ دن ڈھلتے ہی ان بازاروں کی رونق شروع ہو جاتی اور رات گئے تک جاری رہتی ۔ کوٹھوں کے چھجوں پر سجی بنی عورتیں آنے جانے والوں کو اپنی اداؤں سے رجھانے میں مصروف رہتیں اور نیچے بازار میں تماش بینوں کی بھیڑ ہوتی ۔ ہار ۔ پھول ۔ عطر ۔ اور رنگینی ہوتی

پانوں کی گلوریاں خریداروں کو متوجہ کرتیں۔ غرض عجیب رونق کا سماں ہوتا تھا۔
چونکہ طوائفیں عموماً مکانوں کی اوپری منزل ہی پر رہتی تھیں اس لیے بالاخانہ کا
لفظ ان کی رہائش گاہ سے متعلق ہو گیا اور ان کو کوٹھے والی یا کوٹھے والیاں کہا
جانے لگا۔

اس ضمن میں یہ ذکر بھی نہ صرف دلچسپی کا سبب ہوگا بلکہ بہت سے حضرات
کے لیے سبب تحیر بھی ہوگا کہ یہ طوائفیں اس درجہ مہذب، آداب مجلس سے واقف
اور اتنی شائستہ گفتگو کرتی تھیں کہ ایک زمانہ میں لکھنؤ کے شرفا اپنے بچوں کو ان
کے یہاں تہذیب سیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ یہ طوائفیں اس درجہ با اصول ہوتی
تھیں کہ ان بچوں کو صرف نشست و برخاست کے آداب اور گفتگو کا سلیقہ ہی سکھاتی
تھیں ورنہ کیا مجال تھی کہ دوران تربیت کوئی بچہ کسی غلط راہ کی جانب متوجہ
ہو سکے۔

بالمیکی ۔ ایک رشی تھے جن کی تخلیق رامائن اہل ہنود کی مذہبی اور
مقدس کتاب مانی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ابتدائی زندگی میں رہزن تھے۔
ایک بار انھوں نے جنگل سے گزرتے ہوئے تین سادھوں کو للکارا اور ان سے
سارا مال متاع رکھ دینے کو کہا۔ سادھو رک گئے اور انہوں نے پوچھا کہ تم یہ پاپ
کیوں کرتے ہو۔ بالمیکی نے ترش روی سے کہا کہ اپنے خاندان کے لیے۔ تو ان سادھو
نے کہا کہ کیا تمہارے خاندان کے وہ لوگ جن کے لیے تم یہ سب کر رہے ہو گناہ کی
سزا میں بھی تمہارا حصہ بٹائیں گے۔ بالمیکی پھر بگڑ گئے اور ان سے سارا مال
رکھنے کو کہا تب انھوں نے کہا کہ ہم سب کچھ تم کو دے دیں گے۔ تم ایسا کرو کہ ہم
لوگوں کو ایک درخت سے باندھ دو کہ بھاگ نہ سکیں اور گھر جا کر اپنے خاندان
والوں سے پوچھو کہ کیا وہ تمہارے پاپ میں بھی اسی طرح حصہ بٹائیں گے جس

طرح تمہارے لوٹ کے مال میں حصہ بٹاتے ہیں۔ بالمیکی گھر گئے اور ایک ایک سے
وہی سوال دہرایا لیکن سب نے یہی کہا کہ ہر شخص کے اعمال اس کے ساتھ ہیں ہم
تمہارے برے اعمال کی سزا کیوں بھگتیں۔ اس جواب نے بالمیکی کی آنکھیں کھول
دیں۔ واپس آکر انھوں نے نہ صرف ان سادھوؤں کو کھول دیا بلکہ ان کی حد درجہ
تعظیم کی۔ اس کے بعد انھوں نے سادھوؤں کے بتانے پر رام رام کا جاپ شروع
کر دیا۔ اس نام کے ورد نے ان کو علمیت عطا کی ایک دن جب وہ تمسا ندی کے
کنارے نہا رہے تھے پرند کے ایک جوڑے کو کسی شکاری نے نشانہ بنایا۔ ان میں
سے ایک مر گیا اور دوسرا تھوڑی دور جا کر اپنے مرے ہوئے ساتھی کو کچھ اس
انداز سے ایک ٹک دیکھنے لگا کہ بالمیکی تڑپ گئے اور ان کے لبوں پر غیر ارادی طور
پر ایک پر درد اشلوک مچل اٹھا۔ وہ اپنی اس صلاحیت پر خود حیرت زدہ ہو گئے
اور پھر برہما نے درشن دے کر ان کو شری رامچندر جی کی زندگی کے بارے میں لکھنے
کو کہا۔ بالمیکی نے جن کو کچھ بھی لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا رامائن کی تصنیف شروع کر دی
بالمیکی جی نے رامائن کے واقعات ظہور پذیر ہونے سے پہلے ہی تحریر کر دیے تھے۔ کہا
جاتا ہے کہ رامائن میں سیتا بن باس کا واقعہ شامل نہیں تھا بلکہ جب سیتا جی کو بن باس
ہوا اور وہ بالمیکی جی کی کٹیا میں جا کر رہیں تب یہ حصہ مکمل ہوا۔

بانکے ۔ اودھ کی تہذیبی روایات آج کے دور میں قصے کہانیاں ہی معلوم
ہوتی ہیں اور بانکے بھی اس دور کی افسانوی تاریخ کا ایک جز ہیں۔ بانکے بہت ہی خودسر
اور شوریدہ پشت قسم کے لوگ ہوتے تھے جو بہادری کے ساتھ ساتھ بہت خدا ترس
خوددار اور بات کے دھنی بھی ہوتے تھے۔ ان لوگوں کا رکھ رکھاؤ بہت مہذب ہوتا تھا
شائستہ گفتگو کرتے تھے اور فن سپہ گری کے ماہر ہوتے تھے۔ بانکوں کے مزاجوں
میں بے حد جنگجوئی ہوتی تھی اور بات بے بات کے خون خرابہ کرنے پر تیار ہو جاتے

تھے مگر اس کے باوجود ان کی اس شورہ پشتی اور جنگجوئی کی بھی ایک تہذیب تھی جس کے سبب یہ لوگ باقاعدہ ایک ادارے کی سی حیثیت رکھتے تھے اور لڑائی جھگڑے کے موقع پر بھی اپنے فن، مزاج اور کردار کا جا بجا اظہار کرتے رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان سے مدد کا طلبگار ہوتا تھا تو یہ اس کی حمایت کو اپنے وقار کا سوال بنا لیتے تھے اور عام طور پر مظلوم کے ہمدرد ہو جاتے تھے۔ خود معاشرے میں بانکے کی حیثیت سے پہچانے جانے کے لیے یہ عجیب و غریب وضع اختیار کرتے تھے۔ کوئی چندیا سے گدی تک سر منڈوا کر چوٹی چھوڑ دیتا اور اس کو باقاعدہ گوندھتا تو کوئی ایک مونچھ منڈوا کر دوسری مونچھ بڑھانے لگتا۔ کوئی ایک پائنچے کا پائجامہ پہنتا تو کوئی پیر میں زنجیر باندھ کر اس کا ایک سرا ہاتھ میں لے کر بجاتا ہوا چلتا اور کوئی کڑکڑاتے جاڑے میں شربتی کا انگرکھا پہن کر اکڑتا ہوا چلتا دکھائی دیتا۔ غرض عجیب عجیب وضع بنا کر یہ لوگ گھوما کرتے تھے۔ ان لوگوں کے سر کے بال عام طور پر بڑے ہوتے تھے اس میں بھی ان کے مزاج کے بانکپن کو دخل تھا مقصد یہ تھا کہ اگر جھگڑے میں قتل ہو جائے اور قاتل سر کاٹ لے تو بال پکڑ کر سر اٹھائے، کان کی طرف ہاتھ نہ جائے۔ یہ لوگ تلوار کے بڑے دھنی ہوتے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کی شمشیر زنی میں مہارت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ جنگلی کبوتر تخت کے نیچے چھوڑ دیتے تھے اور تلوار چلاتے مجال نہیں تھی کہ کبوتر کو اتنی مہلت مل جائے کہ وہ تخت کے نیچے سے اڑ کر نکل سکے۔ اسی طرح پیالے میں کوڑیاں رکھ دی جاتی تھیں اور کسی ایک کوڑی پر نشان لگا دیا جاتا تھا۔ تلوار ہمیشہ نشان زدہ کوڑی پر ہی پڑتی تھی۔

بانکوں کی بہادری اور شورہ پشتی سے اکثر نوابین اودھ خوف زدہ رہا کرتے تھے کیونکہ ان بانکوں کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی ان کے مزاج کی ایک جھلک اس واقعے سے مل جائے گی کہ ایک وزیر کا لڑکا بانکا تھا۔ جب اسکی شورہ پشتی

کی خبر دربار تک پہونچی تو نواب نے وزیر کو بہت سخت سست کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ اپنے لڑکے کو تنبیہ کریں ورنہ میں اس کی ناک کٹوا لوں گا۔

وزیر نے گھر واپس آکر لڑکے کی ماں سے سارا حال بیان کیا اور بہت ہی افسردہ لہجے میں یہ بھی بتا دیا کہ نواب نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر اس نے شورہ پشتی ختم نہ کی تو اس کی ناک کٹوا لوں گا۔ صاحبزادے گھر پر ہی تشریف فرما تھے اور ساری گفتگو سن رہے تھے۔ یہ جملہ سنتے ہی وہ باپ کے سامنے آگئے اور اپنی ناک خود ہی کاٹ کر باپ کے قدموں میں ڈال دی کہ یہ نواب کو دے دیجئے گا اور کہہ دیجئے گا کہ میں نے وہ چیز ہی نہیں رکھی جس کا ذکر کر کے نواب ذلیل کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔

بانکے غنڈے یا بدمعاش نہیں ہوتے بلکہ صرف شورہ پشت ہوتے تھے وہ بھی ایسے شورہ پشت جو با اصول، باوضع اور خوش کردار ہوا کرتے تھے۔

خدا کے لیے اے مرے ہم نشینو
یہ بانکا جو جاتا ہے اس کو بلا لو

(میر سوز)

بحرِ ظلمات یورپ اور افریقہ کے درمیان واقع بحرِ اوقیانوس کو بحرِ ظلمات بھی کہتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ اس علاقے میں اکثر بادل چھائے رہتے ہیں جن کے سبب تاریکی رہتی ہے اور سمندر کا پانی بھی سیاہ نظر آتا ہے ظلمات اس تاریکی کا نام بھی ہے جہاں کہتے ہیں کہ آبِ حیات کا چشمہ واقع ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

(اقبال)

برادرانِ یوسف ۔ ملاحظہ فرمائیں چاہِ یوسف۔

کہاں تک ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی

بیچ میں ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں

براق ۔ شبِ معراج رسول اکرم کو عرشِ اعظم پر لے جانے کے لیے اللہ نے جو سواری بھیجی تھی اس کا نام براق تھا۔ یہ ایک بالکل سفید گھوڑا تھا جس کا سر ایک بہت ہی خوبصورت عورت کا تھا۔ یہی براق رسول مقبول کو اپنی پشت پر سوار کر کے عرش پر لے گیا۔

برزخ ۔ انسان کے اعمال کا اصل حساب کتاب اور اسی حساب سے سزا وجزا کا انحصار تو حشر کے دن پر ہے لیکن مرنے کے وقت سے روزِ حشر تک کا وقفہ جو عالمِ برزخ کہا جاتا ہے اعمال ہی کے اعتبار سے ایک ہی انداز سے گذارنا پڑے گا۔

برزخ کے عذابوں میں گرفتار رہے گا

دشمن کو محمد کے فنا ہے نہ بقا ہے

بڑا خفّش ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔ اخفش۔

بطحا ۔ لغوی اعتبار سے بطحا کے معنیٰ وسیع و عریض قطعہ آراضی کے ہیں لیکن اصطلاحاً مکہ معظمہ کو بطحا کہا جاتا ہے۔

بقراط ۔ بقراط ایک عظیم حکیم گذرا ہے جس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے فنِ طبابت کو علم سینہ بنانے کے بجائے عام کرنے کا طریق اختیار کیا اور مسائل طب کو کتابی صورت میں جمع کیا حالانکہ اس کے معاصرین نے اس کے اس طرزِ عمل کی حد درجہ مخالفت کی لیکن بقراط نے اس مخالفت کی کوئی پروا نہ کی اور اپنی اولاد سے بھی وصیت کر دی کہ اہلِ علم اور اہلِ حضرات کو اس فن کے بتانے سے ہرگز دریغ نہ کیا جائے۔

بقراط کس عہد میں گذرا ہے، اس سلسلے میں مورخین اختلاف رائے کا شکار ہیں بعضوں کے مطابق وہ بہمن و اسفندیار کے زمانے میں اور بعض نے اس کا دور سکندر رومی سے ایک صدی قبل متعین کیا ہے۔

بقراط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انتہائی کم گو، کم خواب اور کم زور تھا نیز اکثر روزہ رکھتا تھا۔ اس نے علاج کے اصولوں کو بھی بہت مختصر کر دیا تھا۔ مثلاً

۱۔ اگر سر میں فاسد مادہ ہو تو غرارہ کرائیں۔

۲۔ اگر تخم معدہ (معدے کے منہ پر) فاسد مادہ ہو تو استفراغ کرائیں۔

۳۔ اگر فاسد مادہ معدے میں ہو تو مسہل کرائیں۔

۴۔ اگر شریانوں میں ہو تو فصد کھلوائیں۔

اسی طرح اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ گرم کھانا کھانا، سر پر گرم پانی ڈالنا، سورج کو تکنا اور دشمن کی جانب دیکھنا ایسے عمل ہیں جن سے بصارت پر خراب اثر پڑتا ہے بقراط کے مطابق تین چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان دبلا ہو جاتا ہے۔

۱۔ نہار منہ پانی پینا۔ ۲۔ سخت زمین پر سونا۔ ۳۔ تیز آواز میں بولنا۔

اس کے علاوہ اس کا کہنا تھا کہ نہار منہ غسل کرنے سے، خالی یا بھرے پیٹ جماع سے، خشک گوشت کھانے سے اور نہار منہ پانی پینے سے بھی جسم پر خراب اثرات پڑتے ہیں۔ بیمار کو بے رغبت چیزیں دینے کے بجائے ایسی چیز دینا اس کے نزدیک بہتر تھا جو مریض کو پسند ہو۔

کہتے ہیں کہ بقراط کو ایک مرتبہ بہمن نے انتہائی عزت سے بلایا اور ایک ہزار اشرفیاں بھی بھیجیں مگر بقراط نے وہ اشرفیاں واپس کر دیں اور حاضری سے معذرت ظاہر کر دی۔

بقراط فطرتاً حد درجہ مستغنی اور بے نیاز واقع ہوا تھا۔

بکاؤلی ۔ اردو کے شعری ادب میں مثنوی گلزارِ نسیم کی خاص اہمیت ہے جس میں گلِ بکاؤلی کو حاصل کرنے کے لیے تاج الملوک کی طلسماتی مہم کا ذکر بہت خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے اور پنڈت دیا شنکر نسیم کے اندازِ بیان نے اس مثنوی کو اردو کا شعری شاہکار بنا دیا ہے۔ اردو میں بکاؤلی کو مرکزی کردار بنا کر اسکے پھول سے متعلق اور بھی بہت سی کہانیاں لکھی گئی ہیں۔

صاحبِ فرہنگ آصفیہ نے بکاولی کے وجود اور اس کے قلعے کو ایک حقیقت بتاتے ہوئے کسی "نہایت معتبر بلکہ محقق یگانہ" کے بیان سے اقتباس کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ بکاؤلی کا صحیح قصہ اس طرح ہے۔

کسی زمانے میں اجودھیا سورج ونشی راجاؤں کا دارالحکومت تھا۔ چنانچہ راجہ رامچندر جی سے بہت پہلے وہاں کرن جوت نام کا ایک راجہ گذرا ہے جس کے دو لڑکے تھے۔ شاستر جوگ اور مِسکل جوگ۔ راجہ بڑے لڑکے سے زیادہ خوش رہتا تھا اس لیے اس نے اپنی ریاست کا ایک حصہ جو بہت آباد اور زرخیز تھا بڑے لڑکے کو دے دیا اور وہ حصہ جو غیر آباد، پہاڑوں اور جنگلوں پر مشتمل تھا چھوٹے لڑکے کو دے دیا اور حکم دیا کہ اب دونوں اپنے اپنے علاقوں میں ہی بود و باش اختیار کریں۔ چھوٹا لڑکا بہت دل برداشتہ ہوا لیکن اس کی ماں نے سمجھایا کہ باپ کی حکم عدولی سعادتمندی کے خلاف ہے تم یہ کرو کہ بادشاہ سے ان کے وزیر باتدبیر کنڈا کھڑک کو مانگ لو۔ وہ بہت ذہین ہے اور اگر وہ تمہارے ساتھ ہوگا تو بنجر علاقے کو بھی اپنی ذہانت سے زرخیز اور غیر آباد علاقے کو آبادی سے بدل دے گا۔

چھوٹے بیٹے کی درخواست پر کافی پس و پیش کے بعد راجہ نے وزیر کو اسے دیدیا اور مِسکل جوگ وزیر کے ہمراہ اپنے علاقے میں آگیا۔

وزیر نے امر کنڈک نامی چشمے کی جگہ پسند کی اور طلسم کے زور سے دلدل کے عین وسط میں ایک عالی شان قلعہ تعمیر کرایا۔ اس قلعے کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ چاروں طرف طلسم کا حصار تھا اور اڑن کھٹولے کے ذریعے ہی قلعے کے اندر جانا ممکن ہو سکتا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد راجہ مِسکل جوگ کی رانی کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی چونکہ یہ لڑکی پیروں کے بل پیدا ہوئی تھی اس لیے پایل کہلائی اور اس کا نام زربدال رکھا گیا۔ اسی زمانے میں وزیر کے گھر میں ولادت ہوئی اور لڑکی ہی پیدا ہوئی جس کا نام ہمالہ رکھا گیا۔ یہ دونوں ہی لڑکیاں بے حد خوبصورت تھیں اور ان کی ہم عمر ان کی حجام زادی بھی بہت خوبصورت تھی جس نام جھیا تھا۔ عمر کے ساتھ ان تینوں کی دوستی بھی بڑھتی گئی۔ یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتی تھیں۔ ہم وقت کے ساتھ نے تینوں کو ایک دوسرے کا ہمراز بھی بنا دیا۔ ایک دن جب تینوں ایک ساتھ زربدال کی ماں کے سامنے جا کر کھڑی ہوئیں تو اس خوبصورت اجتماع کو دیکھ کر ان کے منھ سے بے اختیار "بکاولی" کا لفظ نکل گیا یعنی سفید بگلوں کا جھرمٹ۔ اسی دن سے زربدال کا نام بکاولی پڑ گیا۔ بکاولی مناظرِ فطرت کی دلدادہ اور خوشبو کی پرستار تھی۔ پھولوں سے اس کو عشق تھا۔ وہ بھونرے کی طرح ایک ایک پھول کو سونگھا کرتی اور تتلی کی طرح گویا ایک ایک پنکھڑی پر نثار ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک باکمال جوگی کا ادھر سے گذر ہوا۔ اس نے بکاؤلی کو دیکھا تو دل دے بیٹھا اور وہیں دھونی رما دی۔ اس کو ہمہ وقت یہ فکر رہی کہ کسی طرح بکاؤلی کو اپنی جانب متوجہ کرے۔ وہ مستقل اس فکر میں رہا کہ کسی طرح اس کا میلانِ طبع معلوم کرے۔ ایک دن اس کو بکاولی کی سہیلیوں میں سے کسی کے ذریعے یہ معلوم ہو گیا کہ بکاولی خوبصورت پھولوں اور خوشبو کی بے حد شوقین ہے۔ بس پھر کیا تھا اس نے بکاولی تک رسائی حاصل کی اور اجازت طلب کی کہ اگر بکاولی اجازت دے تو وہ

ایک ایسا پھول لادے جس کا کوئی جواب نہیں ہے اور جس کا پودا ایک جادوگر کے باغ میں لگا ہے اور وہ جادوگر ہر وقت اس کی حفاظت کیا کرتا ہے۔ حالانکہ اس پھول کو لانے میں بہت سے خطرات ہیں لیکن وہ بکاؤلی کے لیے ہر خطرے سے گذر کر اس پھول کا پودا لا سکتا ہے۔ پھول کی اس درجہ تعریف سن کر بکاؤلی کا اشتیاق بڑھ گیا اور اس نے اس جوگی کو اجازت دے دی۔

بکاؤلی کی اجازت ملتے ہی جوگی روانہ ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ پودا لے آیا۔ ایک صبح جب بکاؤلی اٹھی تو اس نے چاروں طرف ایسی خوشبو محسوس کی جو بالکل عجیب، نئی اور بے حد مسحور کن تھی۔ وہ چاروں طرف گھوم کر خوشبو کے اس مرکز کو تلاش کرنے لگی۔ آخر اس کو باغ میں وہ پودا نظر آ گیا جس میں کھلا ہوا پھول پوری فضا کو مہکا رہا تھا۔ بکاؤلی اس پودے کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔ جوگی کو بکاؤلی نے انعام دینا چاہا لیکن اس جوگی نے انعام لینے سے انکار کر دیا اور بکاؤلی سے یہ قول لے لیا کہ وہ شادی کی عمر کو پہونچنے کے بعد اسی جوگی سے شادی کرے۔

دن گذر گئے اور بکاؤلی نے اپنے اس طفلی کے وعدے کو تقریباً فراموش کر دیا۔ جوان ہونے پر بکاؤلی کے والدین نے اس کی شادی ہم مرتبہ خاندان میں طے کر دی۔ مقررہ دن دولہا بارات لے کر آیا۔ شادی کی دھوم دھام۔ باجوں کی آواز اور گرد و پیش کی رونق نے جوگی کو چونکا دیا۔ اس نے حجام زادی جھیلا سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ آج بکاؤلی کی شادی ہے۔ جوگی یہ خبر سن کر ششدر رہ گیا۔ اس کو بکاؤلی کی وعدہ فراموشی پر بہت غصہ آیا۔ اس نے جھیلا سے پوچھا کہ بکاؤلی اس وقت کہاں ہے تو اس نے بتایا کہ بکاؤلی اس وقت حوض میں نہا رہی ہے، اس کے بعد پوجا کرے گی اور پھر اسے دولہن بنایا جائے گا۔

جوگی نے آہ بھری اور دعا کی کہ اے عالم الغیب میری وعدہ خلاف منگیتر کو پانی

بنادے تاکہ وہ ہمیشہ پانی پانی رہے۔ دعا قبول ہو گئی اور بکاؤلی پانی بن گئی۔ جوگی نے دوبارہ دعا مانگی کہ اس حجام زادی نے مجھ کو روح فرسا خبر سنائی اس لیے یہ بھی پانی ہو جائے۔ چنانچہ وہ بھی پانی ہو گئی اور تب اس نے اپنے لیے بھی وہی دعا مانگی اور پانی ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ امرکنٹک کے جنگل میں نشانات حوض و باغ و مکانات نیز مندر و اصنام اب بھی موجود ہیں اور بکاؤلی کے پودے بھی۔

بلقیس۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے ایسی بادشاہت عطا فرمائی تھی جو نہ اس سے پہلے کسی کو ملی اور نہ بعد میں ملے گی۔ حضرت سلیمان کی حکمرانی نہ صرف انسانوں تک محدود تھی بلکہ جن بھی ان کے طابع تھے اور چرند پرند ان کے فرمانبردار تھے وہ جانوروں اور پرندوں کی زبان سمجھتے اور ان سے کام لیتے تھے۔ انکی حکومت میں ہر پرندے کو ایک ایک ذمہ داری سونپی گئی تھی جسکو وہ انجام دیتا تھا۔ ہدہد کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ کسی جگہ پانی ہے کیونکہ وہ بلندی سے پانی کو بہت اچھی طرح دیکھ لیتا تھا۔ ایک دن جناب سلیمان نے ہدہد کو پانی کی تلاش میں بھیجا، لشکر کو کھانا پکانے کا حکم دیا اور خود نماز میں مصروف ہو گئے۔ ہدہد نے سوچا کہ جب تک حضرت نماز میں مصروف ہیں چل کر ملک کے طول و عرض کی سیر کرے۔ اس خیال سے وہ اڑا اور ایک ایسے شہر میں پہونچ گیا جو بے حد خوبصورت تھا۔ وہیں ایک باغ میں اتر کر اس نے ایک دوسرے ہدہد سے ملاقات کی اور اس کے حاکم کے بارے میں دریافت کیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ وہ شہر جہاں وہ پہونچا تھا اس کا نام صبا ہے وہاں کی حکمراں ایک عورت ہے جس کا بلقیس نام ہے اور یہ سب کے سب آتش پرست ہیں۔ ہدہد یہ حالات معلوم کر کے واپس ہوا۔

ادھر حضرت سلیمان نے عبادت سے فارغ ہو کر ہدہد کو دریافت کیا تو سب نے اس کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت سلیمان کو بہت غصہ آیا۔ کیونکہ لشکر

پیاسا تھا اور پانی کا کھٹکا ہدہد ہی بتا سکتا تھا۔ انہوں نے عقاب کو اس کی تلاش میں روانہ کیا۔ عقاب نے ہدہد کو شہر کے باہر کی جانب سے آتے دیکھا تو پکڑ کر جناب سلیمان کے روبرو حاضر کیا۔ ہدہد نے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر فوراً ہی کہنا شروع کر دیا کہ میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو کبھی خبر نہیں ہے۔ اور پھر اس نے تمام حال جو دیکھا تھا بیان کر دیا۔ جناب سلیمان نے ہدہد کی صداقت کا امتحان لینے کے لیے ایک خط بلقیس کو لکھا جس میں اللہ کی عظمت کا تذکرہ تھا اور بلقیس کو دین حق کی جانب آنے کی دعوت تھی۔ انہوں نے وہ خط ہدہد کو ہی دے دیا کہ بلقیس تک پہونچا دے۔ بلقیس اس وقت اپنے محل میں محو خواب تھی۔ ہدہد نے روشن دان سے جا کر وہ خط بلقیس کے سینے پر رکھ دیا۔ بلقیس نے بیدار ہو کر جب اپنے سینے پر خط دیکھا تو بہت متعجب ہوئی کیونکہ دروازے سب بند تھے اور باہر سخت پہرہ تھا۔ تب اس کی نظر ہدہد پر پڑی اور خط پر مہر سلیمانی دیکھ کر وہ خوفزدہ بھی ہوئی۔

خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنے وزراء کو طلب کیا، ان کو خط کا مضمون بتایا پھر اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ سلیمان کے بارے میں تم لوگوں کو کیا معلومات ہیں سب نے کہا کہ شہرت بہت اچھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسان، دیو، پریاں، جن اور تمام چرند اور پرند اس کے طابع ہیں اور وہ سب لوگوں کو موسیٰ کے دین پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

بلقیس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اس کو تاراج کر دیتے ہیں۔ سلیمان کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں ہے۔ میں اس کو ہدیہ بھیجاتی ہوں اگر صرف بادشاہ ہے تو قبول کر لے گا اور اگر وہ پیغمبر ہے تو سوائے اسلام کے کچھ نہ مانے گا۔ چنانچہ بلقیس نے سو غلاموں کو زنانہ لباس پہنا کر اور سو لونڈیوں

کو مردانہ لباس پہنا کر، ایک یاقوت ناسفتہ ڈبہ میں پوشیدہ طور پر رکھ کے اور سونے چاندی کی ایک ایک اینٹ کا ہدیہ تیار کیا اور ایک دانشور کو نمائندہ بنا کر اسکے ہمراہ روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ سلیمان کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھی جائے اگر ان کے انداز میں تکبر اور نگاہوں میں حرص ہو تو ہرگز خوف نہ کھانا اس سے کہنا کہ وہ غلاموں میں لڑکیاں اور لڑکوں کو الگ الگ کریں، اور جو ہدیہ پوشیدہ ہے اس کی نشاندہی کریں۔

حضرت سلیمان کو اس لشکر کی آمد آمد کی خبر مل گئی اور انھوں نے ایک وسیع و عریض میدان میں جنوں کے ذریعہ سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش بچھوایا مگر ایک ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ پھر بنی آدم اور جناتوں کو دو رویہ صف بستہ کھڑا کر دیا گیا چار ہزار کرسی زرین داہنی جانب اور اتنی ہی بائیں جانب بچھوائی گئیں جن پر بنی اسرائیل کے علماء، دانشور نیز دیگر حضرات فروکش ہوئے اور اس کے بعد پرندے اپنے پروں سے پورے میدان پر سایہ فگن ہو گئے۔ جب استقبال کا اہتمام مکمل ہو گیا تو بلقیس کے نمائندوں کو بلایا گیا۔ وہ لوگ یہ آرائش و زیبائش دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان کو اپنے لائے ہوئے تحائف حقیر معلوم ہونے لگے انھوں نے شرمندگی کے ساتھ سونے اور چاندی کی اینٹیں خالی جگہوں پر رکھ دیں۔ حضرت سلیمان نے ان لوگوں کا کمال محبت سے استقبال کیا بیحد شفقت سے پیش آئے۔ انھوں نے ان سے کہا کہ وہ یاقوت ناسفتہ لائے ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ کوئی ہدیہ قبول نہیں کریں گے صرف اسلام لاؤ ورنہ میں لشکر کشی کروں گا۔

جب بلقیس کے دانشور اور وکیلوں نے شان و شوکت، جاہ و جلال اور اخلاق و مروت کا سب حال واپس جا کر بلقیس کو بتایا تو اس نے کہا کہ وہ یقیناً پیغمبر

ہیں صرف بادشاہ نہیں ہیں میں ان سے ہرگز مقابلہ نہیں کروں گی بلکہ ان سے ملاقات کروں گی۔ چنانچہ اس نے کوچ کی تیاری کی اور اپنا بیش قیمت تخت سات تہ خانوں میں پوشیدہ کرکے سارے تہ خانوں کے دروازے مقفل کرادیئے اور کثیر ہمراہیوں کے ساتھ اس جاہ و حشم سے جناب سلیمان سے ملنے روانہ ہوئی کہ چشم فلک بھی حیرت زدہ رہ گئی۔ ملک صبا شہر سلیمان سے ایک سو فرسنگ پر واقع تھا۔

حضرت سلیمان نے استقبال بلقیس کی تیاری کی اور ایک دیو کو حکم دیا کہ وہ تخت بلقیس حاضر کرے جس کو وہ ساتویں تہ خانے میں حفاظت کے ساتھ رکھ آئی تھی اور ہر تہ خانے پر سخت پہرہ مقرر کر آئی تھی۔ چشم زدن میں جب وہ تخت حاضر کردیا گیا تو مجلس آراستہ ہوئی۔ بلقیس کا بہت شاندار استقبال ہوا اور اس کے بعد اس کو اسی تخت پر عزت و احترام سے بٹھایا گیا جس پر وہ جلوس کیا کرتی تھی۔ بلقیس گوشۂ چشم سے بار بار حیرت زدہ ہوکر اپنے تخت کو دیکھ رہی تھی تب حضرت سلیمان نے بہت ہی شفقت سے پوچھا کہ کیا یہ تخت تمھارا ہے۔ اس نے کہا " بالکل میرا ہی جیسا ہے"۔

حضرت سلیمان اس جواب سے خوش ہوئے، جواب کی دانائی ان کو پسند آئی۔ انھوں نے بلقیس کو اپنی ہمشیرہ کے پاس بھیج دیا اور اس سے عقد کا ارادہ کیا۔ ان کی دیگر بیبیوں کو جب اس کی خبر ملی کہ جناب سلیمان بلقیس سے عقد کرنے والے ہیں تو ان کو بہت رشک ہوا اور انھوں نے یہ خبر اڑا دی کہ بلقیس کے ساقِ پا پر بہت بال ہیں، مقصد یہ تھا جناب سلیمان بلقیس سے بدظن ہو جائیں۔

جناب سلیمان نے اِس امر کی صداقت کے لیے تمام صحن میں ایک حوض

کھدوایا، اس میں پانی بھر کر رنگ برنگی مچھلیاں ڈلوا دیں پھر اس پر شیشے اس طرح جما دیے گئے کہ جو شخص دیکھتا تھا اس کو پانی ہی سمجھتا تھا۔ اس کے بعد تخت سلیمان ایسی جگہ رکھا گیا کہ جو کوئی بھی آئے وہ اس صحن سے گذر کر آئے۔

بلقیس کو جب طلب کیا گیا تو وہ بھی اس کو پانی ہی سمجھیں اور انھوں نے اس پر سے گذرنے کے لیے پائنچوں کو سمیٹ کر اونچا کیا تاکہ کپڑے نہ بھیگ جائیں لیکن اس طرح پنڈلیاں دکھائی دینے لگیں اور اس افواہ کی تردید ہوگئی کہ بلقیس کے ساق پا پر گھنے بال ہیں۔

حضرت سلیمان نے فرمایا کہ یہ پانی نہیں ہے اس پر قدم رکھ کر چلی آؤ۔

بلقیس، جناب سلیمان کے حسن اخلاق سے اس درجہ متاثر ہوئیں کہ ایمان لے آئیں جس کے بعد حضرت سلیمان نے ان سے عقد کر لیا۔

مغموم نہ ہو تنگ نگاہی جہاں سے
بلقیسِ ادب تیرے سلیمان بہت ہیں
(نہال رضوی)

بن باس — جنگل میں رہنا۔

یہ لفظ منسوب ہے سری رامچندر جی سے۔ اجودھیا کے راجہ دشرتھ کی تین رانیاں تھیں۔ ان کی ان تینوں رانیوں سے رام لچھمن، بھرت اور شتروگھن تھے جن میں بھرت کیکئی کے لڑکے تھے۔ راجہ دشرتھ سے کیکئی نے کسی وقت دو خواہشیں پوری کرنے کا عہد لیا تھا۔ جب راجہ دشرتھ نے ضعیفی کے سبب تختِ حکومت سے سبکدوش ہونے کا ارادہ کیا اور رام کو اپنا ولیعہد بنانا چاہا تو کیکئی نے اپنے بیٹے بھرت کو تخت حکومت پر دیکھنے کے لیے راجہ دشرتھ کو ان کو عہد یاد دلایا کیکئی نے ایک خواہش کے تحت بھرت کے لیے راج گدی مانگی اور دوسری کے

تخت رام کو چودہ برس کا بن باس۔ راجہ دشرتھ کیکئی کی یہ دونوں خواہشات
سن کر دم بخود رہ گئے، مگر چونکہ وہ قول دے چکے تھے اس لیے ان خواہشوں کو
منظور کرنا پڑا۔ چنانچہ رام نے فوراً سادھوؤں کا لباس زیب تن کیا اور جنگل
کی راہ لی ان کے ہمراہ لچھمن اور سیتا بھی ہو لیے۔ بھرت اور شتروگھن اس زمانے
میں اپنی ننھیال میں تھے۔ راج گرو وشسٹھ نے ان کو بلوایا اور گرو کی طلبی پر جب
وہ واپس آئے تو اس وقت تک رام لچھمن اور سیتا تو بن باس لے چکے اور راجہ
دشرتھ اس صدمے کی تاب نہ لا کر موت سے ہم آغوش ہو چکے تھے۔ واقعات
کا علم ہونے کے بعد بھرت نے تختِ حکومت پر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور رام
کی تلاش میں نکل گئے۔ چترکوٹ میں ان کی ملاقات ان لوگوں سے ہو گئی۔
انھوں نے رام چندر جی کو واپسی پر آمادہ کرنا چاہا لیکن بے حد اصرار کے باوجود
بھی وہ نہ مانے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے والد نے اپنا وعدہ نبھایا۔ وعدے
اور بات پر اٹل رہتے ہوئے جان دے دی اور ایسی صورت میں جب حکم کو
واپس لینے والا ہی اس دنیا میں موجود نہیں ہے میرے لیے حکم کی تکمیل کے علاوہ کوئی
چارہ نہیں ہے۔ مجھ کو اب چودہ برس جنگل ہی میں گذارنے ہیں۔ بھرت بادلِ ناخواستہ
واپس آ گئے مگر کبھی تختِ حکومت پر بیٹھے نہیں کیونکہ وہ اس تخت کا جائز وارث
رام ہی کو مانتے تھے۔

صرف لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوتا ہے
ورنہ کس دن ہمیں بن باس نہیں ہوتا ہے
(والی آسی)

بنات آشیاں۔ بنات البحر۔ بنات النعش۔ یہ نہ صرف
ایک خیالی مخلوق ہے بلکہ زمانہ قدیم کے ملاحوں کے توہمات کا نتیجہ فکر بھی

ہے جن کا عقیدہ تھا کہ سمندر میں دو یا تین کی تعداد میں ایسی پریاں موجود ہیں
جن کا آدھا جسم مچھلی کا ہے اور اوپر کا آدھا جسم انتہائی حسین و جمیل عورت کا۔
یہ جل پریاں بہت ہی دلکش نغمے سناتی ہیں جن کے سحر میں کھو کر جہاز راں راستے سے
بھٹک جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے جہاز ڈوب جاتے ہیں۔ اس سمندری
نسبت سے ان کو بنات البحر کہتے ہیں۔ ایک واہمہ یہ تھا کہ یہ جل پریاں نہیں بلکہ چڑیاں
ہوتی تھیں جن کے جسم پرندوں کے ہوتے تھے اور چہرے حسین عورتوں کے۔ کچھ کا کہنا
تھا کہ یہ انتہائی حسین و جمیل عورتیں ہوتی تھیں جن کے پر بھی ہوتے تھے لیکن پیر
چڑیوں کے جیسے ہوتے تھے۔

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آیا کہ عریاں ہو گئیں
(غالب)

بوتراب۔ حضرت علی علیہ السلام کا لقب ہے جس کے لغوی معنی مٹی کے
باپ کے ہیں۔ اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حضور سرور کائنات نے مکہ سے
مدینہ کو ہجرت فرمائی تو تمام مہاجرین اور انصار کو ان کے مزاج اور فطرت کے مطابق
ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا لیکن حضرت علی کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔ حضرت
علی اس سے کافی اداس ہو گئے اور آ کر مسجد نبوی کے فرش پر لیٹ گئے یہاں ان
کی آنکھ لگ گئی اس دوران ہوا کے تیز جھونکوں سے فرش مسجد کا غبار اڑ اڑ کر ان
کے تمام جسم اور چہرے کو گرد آلود کرتا رہا۔ حضور سرور کائنات جب مسجد میں
تشریف لائے تو حضرت علی کو اس انداز سے محو خواب دیکھ کر مسکرا دیئے۔ انھوں نے
انتہائی شفقت و محبت سے فرمایا "قم یا ابا تراب" "اے مٹی کے باپ اٹھ جا" حضرت
علی فوراً بیدار ہو گئے۔ حضور سرور کائنات کو حضرت علی کی اس اداسی کا سبب معلوم

تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے مہاجرین اور انصار میں سب کو ایک دوسرے
کا بھائی بنایا لیکن تم کو اس لیے کسی کا بھائی نہیں بنایا کہ تم میرے بھائی ہو جیسے موسیٰ
کے لیے ہارون۔ اسی دن سے آپ کی یہ کنیت ہو گئی اور حضرت علی کو یہ کنیت اس
درجہ پسند تھی کہ وہ ہمیشہ اس پر فخر کرتے تھے۔

جس دم کہ بوتراب علی کو ملا خطاب
حیراں تھے سب کہ معنی ہیں کیا اس خطاب کے
ابنِ علی نے اپنے تئیں خاک میں ملا
معنی سبھوں پہ کھول دیے بوتراب کے
(محمد ناصر خاں ناصر)

صدقے بہار عکس رخ بوتراب کے
کردار ہیں تمام رسالتمآب کے
(شمیم امروہوی)

بُور کے لڈو۔ گیہوں کی بھوسی کو بُور کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی
خوانچے والا گیہوں کی بھوسی کے لڈو بناتا تھا جو دیکھنے میں بہت ہی خوشنما اور
قیمت کے اعتبار سے بہت سستے ہوتے تھے۔ وہ آواز لگاتا تھا کہ "بور کے لڈو
ہیں جو کھائے وہ پچھتائے جو نہ کھائے وہ پچھتائے"۔ وجہ یہ تھی کہ جو لوگ بھوسی
کے یہ لڈو خرید کر کھاتے تھے وہ ان کے بدمزہ ہونے کے سبب افسوس کرتے تھے
کہ خواہ مخواہ پیسہ ضائع ہوا اور جو لوگ نہیں خریدتے تھے وہ یہ سوچ کر پچھتاتے تھے
کہ اتنے خوبصورت اور اتنے سستے لڈو تھے مگر نہیں خریدے۔

لذت فراق و وصل کی دونوں ہیں دل کو زہر
بوسے دہانِ یار کے لڈو ہیں بُور کے

بھانڈ۔ اصلاً کشمیری نسل کے تھے جو ترک وطن کر کے مختلف مقامات
پر آباد ہو گئے تھے۔ گانا بجانا اور نقلیں اتارنا ان کا پیشہ تھا۔ بذلہ سنجی، حاضر جوابی
زود گوئی اور ذو معنی جملے چست کرنے میں ان کا جواب نہ تھا۔ یہ لوگ اس درجہ
ذہین ہوتے تھے کہ اگر اتفاقاً کوئی حادثہ یا واقعہ سرزد ہو جاتا تو فوراً ہی لطیفہ گڑھ
لیتے تھے اور اسی وقت محفل میں پیش بھی کر دیتے تھے۔ بھانڈوں کا باقاعدہ طائفہ
ہوتا تھا جس میں سازندے، رقاص اور نقال شامل ہوتے تھے۔ پروگرام کی
ابتدا میں نقال گھوڑے پیش کرتے تھے۔ وہ باری باری سے گھوڑے کی طرح ہنہناتے
ہوئے محفل میں آتے اور اپنے گھوڑے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا
دیتے۔ کسی کا گھوڑا مٹھائی کا ہوتا تو سر سے پیر تک گھوڑے کے ہر ہر عضو کی مثال
مٹھائی سے دی جاتی، کوئی ترکاری کا گھوڑا پیش کرتا تو ساری تشبیہات ترکاریوں
سے متعلق، پھلوں کے گھوڑوں کے ہر عضو بدن کی مثال پھلوں اور پھولوں کے گھوڑے
کی ساری تشبیہات پھولوں سے ہی متعلق رہتی تھیں۔ ان تمثیلوں میں مزاح کی دلکشی
کے ساتھ بھرپور ادبیت بھی ہوتی تھی۔ یہ لوگ گھوڑے کی مختلف چالوں کو طبلے کی
تھاپ سے بتاتے اور شہسواروں کی اصطلاحات کو طبلے ہی کے بولوں سے
مماثل کر کے اس طرح ادا کرتے کہ سننے والا حیرت زدہ رہ جاتا۔

گانے بجانے اور رقص کے درمیان نقلیں ہوتی تھیں جن میں کچھ تو پہلے سے
تیار ہوتی تھیں اور کچھ موقع محل کے اعتبار سے فوراً ترتیب دے لی جاتی تھیں۔ ان
نقلوں میں اس درجہ برجستگی ہوتی تھی کہ سننے والا ہنستے ہنستے لوٹ جاتا تھا۔ یہ
لوگ اپنے میزبان کو بھی نہیں بخشتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ان کو بلانے والا

خود بھی سہما سہما سا رہتا تھا کہ مبادا کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ ان لوگوں کو مذاق اڑانے کا موقع فراہم ہو سکے مگر عام طور پر ہوتا یہی تھا کہ حد درجہ احتیاط کے باوجود بھی کوئی نہ کوئی بہانہ ان لوگوں کے ہاتھ آ ہی جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک رئیس نے ان کی کسی نقل پر خوش ہو کر دوشالا انعام میں دیا۔ سارے بھانڈ خوش ہو کر دعائیں دینے لگے اور سلامتی گانے لگے۔ ایسے میں ان میں سے ایک کی نظر اس دوشالے میں ایک چھوٹے سے سوراخ پر پڑ گئی جسے کیڑے نے چاٹا تھا۔ وہ بڑھ کر دوشالے کو چومنے لگا اور آنکھوں سے لگانے لگا۔ دوسرے ساتھیوں نے جب اس کا سبب پوچھا تو وہ دوشالے کو پھیلا کر اس کا باریک سا سوراخ دکھا کر کہنے لگا کہ اس پر کلمہ طیبہ لکھا ہے۔ اسی اثنا میں ایک دوسرا نقال آگے بڑھا، دوشالے کو غور سے دیکھا اور پہلے والے کے دو ہتڑ مار کر کہنے لگا کہ ابے تو بالکل جاہل ہے اس پر صرف لا الہ ___ لکھا ہے کلمہ طیبہ کہاں سے آ جائے گا یہ دوشالہ تو حضور کی ولادت سے پہلے کا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس نقل کے بعد ان لوگوں کو دوسرا نیا دوشالہ دیا گیا۔

اسی طرح محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" میں کریلا بھانڈ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ "کریلا ایک پرانا بھانڈ دلی کا رہنے والا نواب شجاع الدولہ کے ساتھ گیا تھا اور اپنے فن میں صاحب کمال تھا ایک دن کسی محفل میں اس کا طائفہ حاضر تھا۔ شیخ جرأت بھی وہاں موجود تھے جو نابینا تھے اس نے نقل کی۔ ایک ہاتھ میں لکڑی لے کر دوسرا ہاتھ اندھوں کی طرح بڑھایا، ٹٹول ٹٹول کر پھرنے لگا اور کہنے لگا۔ حضور شاعر بھی اندھا، شعر بھی اندھا، مضمون بھی اندھا۔

صنم سنتے ہیں تیرے بھی کمر ہے
کہاں ہے کس طرف کو ہے، کدھر ہے

بھانڈوں کے فن کی سرپرستی امرا و رؤسا کے ذریعہ ہو رہی تھی۔ خاتمہ زمینداری کے بعد جب بہت سے خوش حال کنگال ہو گئے تو بھانڈوں پر بھی زوال آ گیا۔ تہذیبی قدروں کے تغیر نے بھی ان کے فن پر بہت برا اثر ڈالا اور ان کے جملوں سے لطف لینے والے اور ان کی زبان کی دلکشی پر سر دھننے والے معدوم ہوتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھانڈوں نے بھی اپنا پیشہ ترک کر دیا۔ کچھ نے تجارت اختیار کر لی اور کچھ قوالی گانے لگے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اب بھی محفلوں میں کیریکچر کے نام پر لوگ ان بھانڈوں کی نقلیں پیش کرتے ہیں اور پسند کئے جاتے ہیں لیکن خود بھانڈ اور ان کا فن انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھوں ختم ہو کر صرف تذکروں تک رہ گیا ہے۔

بھانڈوں کی نقلوں پر چمن کے پھول
ہنستے ہیں مثلِ کبکِ کہساری

(منیر شکوہ آبادی)

بہائی۔ بہاء اللہ کے پیروں کو بہائی کہا جاتا ہے۔ بہاء اللہ کا اصل نام مرزا حسین علی نوری تھا جو مازندران کے مقام نور میں ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ مرزا حسین نوری باب کے مذہب کے خاص پیرو تھے اور تہران میں سب سے پہلے باب کی تصدیق بھی انھیں نے کی تھی۔ چونکہ وہ بابی مذہب کے سرگرم پیروکار تھے اس لیے ان کو بہاء اللہ کا لقب دیا گیا۔ جیسا کہ اس سے پہلے باب کے ذیل میں لکھا جا چکا ہے کہ جب باب کے ایک خادم نے شاہِ ایران پر گولی چلائی تو اچانک بابیوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ بہاء اللہ بھی اس سازش میں شرکت کے شبہ میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیئے گئے لیکن بعد میں جب سازش میں ان کی شرکت ثابت نہ ہوئی تو ان کو رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد بہاء اللہ بغداد چلے گئے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی بابی مذہب کی تبلیغ میں صرف کی اور جن لوگوں نے ان کو

"من یظہرہ اللہ" تسلیم کیا ان کو بانی کے نام سے منسوب کیا گیا۔ بہاء اللہ ۹ مئی ۱۸۹۲ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔ ان کے مقلدین جو بہائی کہلاتے ہیں دنیا کے گوشے گوشے میں پائے جاتے ہیں۔

بہرام ۔ بہرام اول ہرمز کا لڑکا اور ساسانی حکومت میں چوتھا بادشاہ تھا جو ۲۷۳ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا تھا۔ یہ انتہائی فیاض اور رحم دل تھا۔ مشہور مصور مانی جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا اور اپنی تصویروں کو منجانب اللہ بتایا تھا اسی کے دور میں قتل کیا گیا تھا۔

بھرت ۔ رام چندر جی کے سوتیلے بھائی تھے جن کو راج گدی دلانے کے لیے ان کی ماں کیکئی نے راجہ دشرتھ سے رام چندر جی کے لیے چودہ برس کا بن باس مانگا تھا۔ مگر بھرت نے راج گدی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ تخت کا جائز وارث رام چندر جی کو ہی سمجھتے تھے۔ بھرت نے رام چندر جی کی کھڑاویں تخت پر رکھ دی تھیں اور امور مملکت کی انجام دہی میں وہ انداز اختیار کیا تھا گویا وہ رام چندر جی کی نیابت کر رہے ہوں۔

بہشت شداد ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔ ارم

نمرود نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا

شداد بھی بہشت بنا کر بنا خدا

بیت العتیق ۔ اسکے لغوی معنی ہیں پرانا گھر۔ چونکہ خانہ کعبہ میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے عبادت کا سلسلہ شروع کیا تھا اس لیے اس کو بیت العتیق کہتے ہیں طوفانِ نوح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر نو فرمائی تھی کیونکہ یہ طوفانِ نوح نیز دیگر ظالموں سے بچا رہا تھا اس لیے بھی اس کو بیت العتیق کہا گیا۔

بیت الحرام ۔ یہ لفظ بھی مخصوص ہے خانہ کعبہ کے لیے۔ سبب یہ ہے وہاں قتل، غارت گری اور بعض مباحات بھی حرام ہیں۔

بیت الحزن ۔ معنی کے اعتبار سے اس گھر کو کہتے ہیں جہاں غم کیا جائے لیکن تاریخ کے اعتبار سے یہ اس کمرے کی نشان دہی کرتا ہے جہاں بیٹھ کر حضرت یعقوب اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد میں گریہ کیا کرتے تھے۔

سر سے پا تک اپنے شعلے کی طرح تھرا گئی

شمع کو جس شب مرا بیت الحزن یاد آ گیا

(ناسخ)

بیت المقدس ۔ مسجد اقصیٰ کا دوسرا نام ہے یروشلم میں واقع یہ عبادت گاہ نہ صرف اہل یہود کا قبلہ ہے بلکہ کعبے سے قبل مسلمانوں نیز دیگر انبیائے کرام کا بھی یہ قبلہ رہ چکا ہے۔ اس مقام مقدس کی تعمیر جناب داؤد نے کرائی تھی۔ اس تعمیر کا سبب یہ تھا کہ جب قوم بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب نازل ہو چکا جس میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے تھے تو حضرت داؤد نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ اس عذاب الٰہی سے نجات کا شکر ادا کرنے کے لیے فلاں مقام پر مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس کی تعمیر کرے۔ جناب داؤد کی قوم بخوشی تعمیر مسجد کے لیے تیار ہو گئی مگر وہ جگہ جہاں اس عبادت گاہ کی تعمیر کی جانا تھی وہ مشترکہ ملکیت تھی سب لوگوں نے تو اجازت دے دی لیکن ایک فقیر کسی طرح راضی نہ ہوا۔ صدہا اونٹ اور ہزاروں بکریاں اس کے معاوضے میں دینے کے لیے لوگ تیار تھے لیکن وہ اس پر بھی کسی طرح رضامند نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر تنگ آ کر کچھ لوگوں نے تجویز رکھی کہ اس سے زمین زبردستی حاصل کر لی جائے لیکن حضرت داؤد نے سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ اللہ کا گھر بھی ظلم سے حاصل کی گئی زمین پر تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔

آخر حضرت داؤد نے اس فقیر کو بلا کر خود سمجھایا تو اس نے کہا کہ حضرت آپ کے کہنے پر میں یہ زمین اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ میری مملوکہ زمین کے چاروں طرف قدِ آدم دیواریں بنوائی جائیں اور پھر اراضی محدودہ کو روپوں سے بھر دیا جائے۔ یہی اس کی قیمت ہو سکتی ہے۔ حضرت داؤد نے قوم کو اس شرط سے آگاہ کیا چنانچہ دیوار تعمیر ہو گئی اور روپیہ برسنے لگا۔ جب اس فقیر نے دیکھا کہ لوگ صدق دل سے بغیر کسی دباؤ کے اس کارِ خیر میں دل کھول کر روپیہ دے رہے ہیں تو وہ حضرت داؤد کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یا نبی اللہ میں تو فقیر ہوں، درویش ہوں مجھ کو اس روپیے سے کیا لینا دینا ہے۔ میں تو صرف قوم کا جذبہ اور عقیدہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اب یہ زمین بھی آپ کی ہے اور میں بھی آپ کا ہوں۔ مجھ کو عفوِ گناہ کے عوض کسی چیز کی تمنا نہیں ہے۔

غرض مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی اور جب اس کی دیواریں ایک آدمی کے قد کے برابر بلند ہو گئیں تو حکم خدا ہوا کہ اس کی تعمیر اسی منزل پہ روک دو کیونکہ اس کے آگے کی تعمیر تمہارے فرزند کے لیے مخصوص ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے جناب داؤد نے صرف اس کی بنیاد سنگ مرمر سے رکھی تھی اور حضرت سلیمان نے تعمیر کا آغاز کیا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں اس کے بارہ برج تھے جو سب کے سب بیش بہا جواہرات اور سونے چاندی سے آراستہ تھے۔ جناب سلیمان نے زاہدوں اور عابدوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہمہ وقت مسجد میں رہیں اور مسجد عابدوں سے کسی وقت بھی خالی نہ رہے۔

جب بابل کا حکمراں اس مسجد پر قابض ہوا تو تمام سونا چاندی اور جواہرات نکلوا کر بابل لے گیا۔ اس نے مصر اور شام کو بھی فتح کیا نیز یہودیوں کو قیدی بنا کر ان سے شہر بابل کی تعمیر کرائی بیت المقدس ایک ایسی عبادت گاہ ہے جو عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں سب کے لیے یکساں طور پر قابلِ تعظیم ہے اور قبلۂ اول ہے آجکل یہ معبد گاہ یہودیوں کے قبضے میں ہے۔

بیٹھک دینا ۔ یہ رسم نہ صرف پہلے، بلکہ آج بھی بعض جاہل عورتوں میں مروج ہے درحقیقت یہ چند فریبی عورتوں کا کھیل ہوتا ہے جس میں جاہل بھولی بھالی اور ضعیف الاعتقاد عورتیں پھنس جاتی ہیں۔

ہوتا یہ ہے کہ کسی عورت کے سر ——— کسی ولی، پیر، جن یا پری کا سایہ ہو جاتا ہے اور یہ سایہ ہر جمعرات کو پھیرا کرتا ہے۔ اس وقت جب سایہ پھیرا کرتا ہے تو اس عورت کا چہرہ متغیر ہونے لگتا ہے۔ آنکھیں لال ہو جاتی ہیں اور بال کھول کر وہ سر ہلانے اور جھومنے لگتی ہے۔ اس عالم میں وہ دیگر بے تکی باتوں کے علاوہ غیب کا حال بھی بتا دیتی ہے۔ اگر اتفاقاً اس کی بتائی ہوئی بات صحیح ثابت ہوئی تو پھر تماشے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یعنی اگلی جمعرات سے اہتمام میں اضافہ ہونے لگتا ہے خوشبو لگائی جاتی ہے شمعیں اور اگربتیاں روشن کی جاتی ہیں اور پھر جس عورت پر سایہ آنے والا ہوتا ہے وہ بن ٹھن کر پھولوں سے آراستہ ہو کر بیٹھ جاتی ہے گانے کی محفل جمتی ہے اور جب گانا عروج پر پہونچتا ہے تو اس کے کسی بول کے ساتھ وہ کھیلنا شروع کر دیتی ہے یعنی بے خودی کے سے عالم میں زور زور سے جھومتی اور ایسی حرکتیں کرنے لگتی ہے کہ نشست میں بیٹھنے والے خوفزدہ ہو جاتے۔

اسی کیفیت کے عالم میں وہ سائلوں کو ان کے سوالوں کے جواب دیتی پریشانیوں کا آزار بتاتی اور مراد بر آنے کی پیشین گوئی کرتی۔

کچھ دیر کے بعد جب وہ معمول پر آتی تو ایسا ظاہر کرتی کہ ابھی اس نے جو کچھ کہا تھا یا جو کچھ کیا تھا اس کا اسے کوئی علم نہیں ہے بلکہ وہ ایسی کیفیت تھی جو کسی غیر مرئی قوت نے طاری کی تھی۔

جن لوگوں کی مراد آتی، وہ چڑھاوے چڑھاتے اور بیٹھک کا خرچ برداشت کرتے۔

سرخ جوڑا تو رنگا لینے دو مجھ کو لوگو
یوں کبھی ہوتی ہو کہیں لال پری کی بیٹھک
(رنگین)

پاربتی ۔ شیوجی کی اہلیہ گوری کو پاربتی کہتے ہیں۔ ان کو عظیم کوہ ہمالیہ کی بیٹی مانا جاتا ہے اسی لیے گرجا اور شیلجا کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے ہمالہ کے گھر میں پیدا ہونے سے پہلے یہ پرجاپتی دکشیجہ کی لڑکی ستی کے روپ میں شیوجی کی بیوی تھیں اور اپنے باپ کے ذریعے شوہر کی بے عزتی کا صدمہ برداشت نہ کر کے یگیہ کنڈ کی آگ میں کود کر جان دے دی تھی۔ اس کے بعد سخت ریاضت کے صلے میں وہ پاربتی کے روپ میں شیو کو بیوی کی شکل میں دوبارہ ملیں۔ پاربتی ہی نے سری رام چندجی کے امتحان کی خاطر سیتا کا روپ اختیار کیا تھا۔

پاربتی استقلال اور اوصاف کی علامت نیز سیتا خود اعتمادی کی علامت کا نام ہے۔

پارس ۔ ایک ایسا پتھر ہے جو اگر لوہے سے مس کر دیا جائے تو وہ سونا ہو جاتا ہے۔ قدیم کہانیوں میں کہا گیا ہے کہ یہ پتھر نیپال کے پہاڑوں پر پایا جاتا ہے۔ حالانکہ پارس پتھر صرف ایک خیالی چیز ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

پارس وہ سنگ ہے جسے ٹھکرا کے تو چلے
اکسیر جز ہے تیرے قدم کے غبار کا
(ذوق)

پرویز ۔ ایران کے بادشاہ خسرو دوم کا لڑکا پرویز ۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا تھا جس کی ایک کنیز شیریں پر عاشق ہو کر فرہاد نے نہ صرف تاریخ محبت میں اپنا نام امر کرالیا بلکہ پرویز کے ذکر کو بھی جاوداں کر دیا۔ خسرو پرویز نے اپنے ۳۸ سالہ دورِ حکومت میں بے پناہ دولت جمع کی۔ کہتے ہیں کہ اسکے دورِ شاہی کی آخری دہائی میں اسکے خزانے میں ایک ارب ساٹھ کروڑ مثقال یعنی ایک ارب بتیس کروڑ طلائی فرانک موجود تھے۔ وہ بہت حریص اور زر پسند بادشاہ تھا یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ممکن طریقے سے دولت جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ روم کے بادشاہ ہرکولیس نے اس کو شکست دے کر نہ صرف اس کا سارا خزانہ لوٹ لیا بلکہ اسکے محلات بھی برباد کر دیئے جس کے بعد رعایا کے علاوہ خود اس کا لڑکا بھی اس سے بدظن ہو گیا تھا۔ پرویز نے ۶۲۸ء میں وفات پائی۔

فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

پری ۔ اردو کے اساطیری ادب کی ایک تصوراتی مخلوق ہے۔ یہ ایک ایسی عورت کا تصور ہے جس کا حسن لاثانی ہوتا ہے۔ جسم انتہائی لطیف اور نرم و نازک ہوتا ہے۔ فرشتوں کے جیسے پر ہوتے ہیں۔ کوہ قاف پر واقع پرستان میں رہتی ہے۔ ہواؤں میں اڑتی ہے، سبک اتنی کہ پھولوں کی پنکھڑیوں پہ بیٹھ جاتی ہے اور عجیب و غریب قوتوں کی مالک ہوتی ہے عام نظروں کو دکھائی نہیں دیتی۔ جب کبھی آدم زاد پر عاشق ہو جاتی ہے تو داستان میں دلچسپی کا رنگ بھر دیتی ہے۔ محبوب کو پرستان کی سیر کرا دیتی ہے۔

اپنی جنوں گری سے اب ہم تو ہار بیٹھے
بادِ صبا یہ کہنا اس دلربا پری سے
تصور میں ان کے سحر ہو رہی ہے
پری کا تو رستا گرین منہ دھو رہی ہے
(اثر لکھنوی)

پطرس ۔ پطرس کا اصلی نام S. Peter تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری اور ان کا مقرب خاص تھا۔ پطرس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اس کی ذات پر بے حد اعتبار کرتے تھے۔ پطرس پیشے کے اعتبار سے ماہی گیر تھا۔

کلیسا سبحۂ پطرس شمارد
کہ او با حاکمے کار نہ دارد

پنجۂ مریم ۔ یہ ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جس کی شکل انسانی پنجے سے مشابہ ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم نے وضع حمل کے وقت اس گھاس پر ہاتھ رکھ دیا تھا جس کے سبب اس کی شکل انسانی ہاتھ کی جیسی ہو گئی اور اس میں تاثیر پیدا ہو گئی کہ اس گھاس کو پانی میں ڈال کر حاملہ کے سامنے رکھ دینے سے ہی بچہ آسانی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو بخورِ مریم بھی کہتے ہیں۔

اس زلفِ فتنہ زا کے لیے ہے مسیح دم
کچھ دستِ شانہ پنجۂ مریم سے کم نہیں
(ذوق)

پھندیت ۔ یہ لفظ بٹیر بازوں کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے۔ بٹیر کا شکار کرنے کے لیے کھیتوں پر جال تان دیا جاتا ہے اور اس میں ایک بٹیر رکھ دیا جاتا ہے۔ رات میں جب یہ بٹیر زور زور سے بولتا ہے تو اس کی آواز پر بٹیر گرنے لگتے ہیں چنانچہ اس بٹیر کو جو اپنی آواز سے اڑنے والے بٹیروں کو کھیت میں گرنے پر آمادہ کرتا ہے پھندیت کہتے ہیں۔

بحرِ صریرِ قلم ہے بھنڈیت کی آواز
بیٹر او ج مضامیں کے بے حساب کرے

(بحر)

پھول والوں کی سیر۔ ویسے گلفروشاں، دلی سے سات کوس دور مہرولی میں حضرت خواجہ بختیار کاکی ؒ کے مزار پر یہ میلہ بڑی ہی دھوم دھام سے لگتا ہے اس میلے کا آغاز اس طرح ہوا کہ جب مرزا جہانگیر اکبر شاہ کے بیٹے کو انگریز والوں نے نظر بند کر کے الہ آباد بھیج دیا تو ان کی والدہ نواب ممتاز محل نے یہ منت مانی کہ مرزا جہانگیر چھوٹ کر آجائیں تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر پھولوں کا چھپر کھٹ اور غلاف بڑی دھوم سے چڑھاؤں گی۔ مرزا جہانگیر چھوٹ کر آگئے تو ان کی والدہ نے منت پوری کی۔ پھولوں کا غلاف اور پھولوں کا چھپر کھٹ بنوایا پھول والوں نے اس میں اپنی طرف سے بھی ایک اضافہ کر دیا اور چھپر کھٹ میں ایک پنکھا بنا کر لگا دیا۔ اس چڑھاوے کے علاوہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا بھی کھلایا گیا۔ بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قلعے اور شہر کے لوگ بھی شامل ہو گئے اور اس موقعے پر میلے کا سا سماں بندھ گیا۔ اکبر شاہ بادشاہ کو یہ میلہ بہت پسند آیا اور ہر ساون میں ان کی خواہش پر یہ میلہ لگنے لگا۔

رفتہ رفتہ یہ میلہ قومی یک جہتی کی علامت بن گیا۔ غیر مسلم حضرات کی جانب سے بدھ کے دن دھوم دھام سے پنکھا چڑھنا شروع ہو گیا۔ سات سات اور نو نو پنکھے لگے پیچھے ہوتے تھے دور سے آیا پنکھے کے آگے روشن چوکی ہوتی تھی کبھی کبھی ایسے میں اگر ساون کی پھوار پڑنے لگتی تو عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی۔
دلی کی شاہی ختم ہونے کے ساتھ ہی اس میلے پر بھی زوال آگیا لیکن آزادی کے بعد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے جو پھولوں کے پرستار اور

قومی یک جہتی کے علمبردار تھے اس میلے کی نفاست، شائستگی اور اس کی تہذیبی یک رنگی کے پیش نظر نہ صرف اس کو دوبارہ بڑے پیمانے پر شروع کرایا بلکہ اس میلے کو سرکاری سرپرستی بھی عطا کی۔
یہ میلہ آج بھی مہرولی میں پوری شان سے لگتا ہے۔

آج ہندی کا دل بھی رکھ لیجئے
پھول والوں کی سیر کو چلیے

پھولوں کی چھڑیاں۔ ہلکی اور کمزور پتلی پتلی لکڑی کی چھڑیوں پر ہار لپیٹ دیے جاتے ہیں یہ چھڑیاں دولہن کے پھولوں کے گہنے اور سہرے کے ساتھ دولہن کے گھر بھیجی جاتی ہیں۔ جب دولہا والے برات لے کر جاتے ہیں تو دولہن کے گھر میں سمدھنوں کے داخل ہوتے ہی انہی پھولوں کی چھڑیوں سے ان کی تواضع کی جاتی ہے۔

نوعروسانِ چمن کا دیکھیے گا اختلاط
چل رہی ہیں خوب سی پھولوں کی چھڑیاں باغ میں

(انشاء)

پیرِ کنعاں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔
واقعات جناب یعقوب ؑ

پیرانِ پیر۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کا لقب ہے جن کا پدری اور مادری دونوں ہی جانب سے سلسلۂ نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ پدری اعتبار سے آپ کا سلسلۂ نسب درج ذیل ہے۔ سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی ابن ابی صالح ابنِ سید عبداللہ ابن سید عمر زاہد ابن سید محمد روحی ابن سید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ ثانی بن سید داؤد بن حسن مثنیٰ ابنِ سید امام حسنؓ ابن مولائے کائنات

حضرت علی ابن ابی طالب۔ اس طرح آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسن علیہ السلام سے ہو کر حضرت علیؓ تک پہونچتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی سیدانی تھیں جن کا نسبی سلسلہ اس طرح ہے۔ کہ فاطمہ بنت حضرت عبد اللہ صومعی بن سید ابو الجمال بن سید محمد بن سید ابو محمود طاہر بن ابو العطا عبد اللہ بن سید ابو الکمال عیسیٰ بن سید علاؤ الدین سید علی العریضی بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدینؑ بن امام حسینؑ بن حضرت علیؑ۔

شیخ عبد القادرؒ ۴۷۰ھ میں یکم رمضان المبارک کو جیلان میں پیدا ہوئے حصولِ علم کے لیے بغداد گئے اور کم عمری ہی میں علوم ظاہری و باطنی پر عبور حاصل کیا۔ نسبت و اجازت حضرت شیخ قاضی ابو سعید مبارک مخزومی سے حاصل تھی اور مسند رشد پر بیٹھنے کا تذکرہ خزینۃ الاصفیا میں یوں درج ہے۔

"در سال پانصد و یک ہجری بہ ارشاد باطنی نبوی در تقوی بر منبر آمدہ در ہدایت خلق مصروف شد و اکثر آنجناب در وعظ فرمودی کہ اے اہل آسمان و زمین بیائید و سخناں مرا بشنوید کہ من وارث و نائب رسول اللہ صلعم ہستم۔"

شیخ عبد القادر جیلانی نے عہد طفولیت ہی سے عملی ہدایت کا آغاز کر دیا تھا چنانچہ ان کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ کم عمری کے زمانے میں جب وہ بغداد جا رہے تھے تو رہزنوں نے قافلے پر حملہ کر کے لوٹ مار شروع کر دی ایک ڈاکو نے جب ان سے پوچھا کہ ان کے پاس کیا ہے۔ تو انھوں نے چالیس اشرفیوں کا اقرار کیا جو ان کی صدری کے استر میں چھپا کر سی گئی تھیں۔ وہ ڈاکو ان کو سردار کے پاس لے گیا۔ سردار کے سامنے بھی انھوں نے یہی کہا ساتھ ہی صدری کا استر ادھیڑ کر اشرفیاں بھی نکال کر ڈاکوؤں کے حوالے کر دیں۔ ڈاکو حیران رہ گئے۔ اور پوچھا کہ جب یہ اشرفیاں اتنی حفاظت کے ساتھ رکھی تھیں تو ان کا اقرار کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اشرفیاں

میری ماں نے حفاظت کی خاطر صدری کے استر میں سی دی تھیں اور چلتے وقت یہ تاکید بھی کی تھی کہ مصیبت میں کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ بھلا میں کیسے جھوٹ بول سکتا کم عمری اور ایسے دہشت ناک ماحول میں راست گوئی وہ صفت تھی جس نے ان تمام ڈاکوؤں کو متاثر کر دیا اور انہوں نے آئندہ سے حلال روزی پیدا کرنے کا عہد کر لیا۔

پیک۔ لغوی معنی قاصد کے ہیں لیکن عشرۂ محرم کی سات تاریخ اور دس تاریخ کے درمیان کچھ لوگ جو منتی ہوتے ہیں اسی طرح پیک بنتے ہیں جس طرح سقہ یا فقیر بنائے جاتے ہیں۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی حضرات ہوتے ہیں جن میں کچھ کی مراد پوری ہو چکی ہوتی ہے اور کچھ وہ ہوتے ہیں جن کی یہ خاندانی روایت ہوتی ہے۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایک صاحبزادی جناب صغرا علالت کے سبب وطن ہی میں رہ گئی تھیں۔ انہوں نے ایک قاصد کے ذریعہ اپنے والد ماجد کو خط بھیجا تھا جو کربلا سے ہو کر اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ قاصد یہ خط لے کر جب کربلا پہونچا تو عاشور کا دن تھا۔ امام حسینؑ کے سارے انصار و اقربا شہید ہو چکے تھے اور وہ اس وقت یکہ و تنہا رہ گئے تھے۔

اسی قاصد کی شبیہہ بن کر یہ پیک سبز لباس پہنتے ہیں، سر پر سبز رومال باندھتے ہیں اور ماتمی نعرے لگاتے ہوئے ایک امام باڑے سے دوسرے امام باڑے تک مسلسل تیز رفتار کے ساتھ دوڑتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اگر کھڑے بھی ہوتے ہیں تو پیروں کو مسلسل حرکت دیتے رہتے ہیں۔ یہ پیک گروہ کی شکل میں ہوتے ہیں اور پیروں میں گھنگرو باندھتے رہتے ہیں تاکہ گھنگرو کی جھنکار اور نعروں کی آواز سے لوگ ان کے گروہ کو راستہ دیدیں اور ان کو اپنی رفتار کم نہ کرنا پڑے۔

ت

تارے دکھانا - یہ رسم بچے کی ولادت کے بعد چھٹی کے دن منائی جاتی ہے۔ چھٹی کی شام کو جب آسمان پر تارے جھلکنے لگتے تو اس رسم کا آغاز ہوتا زچہ اور بچے کا بناؤ سنگھار ہوتا۔ دونوں کے سروں کو کارچوبی کے کپڑوں سے ڈھانک دیا جاتا۔ آنگن میں ایک چوکی بچھائی جاتی اور زچہ اس شان سے چوکی کی جانب آتی کہ اسکی گود میں نوزائیدہ بچہ ہوتا۔ آگے آگے دائی آٹے کی چومک لیے ہوتی جو دیسی گھی سے روشن کی جاتی زچہ کے دونوں پہلوؤں میں دو عورتیں ننگی تلواریں لے کر ساتھ چلتیں زچہ بچے کو گود میں لے کر اور سروں پر قرآن رکھ کر چوکی پر کھڑی ہوتی اور آسمان کی جانب سر اٹھا کر سات ستارے گنتی۔ ایسے موقع پر تلوار بردار عورتیں زچہ کے سر پر اس طرح تلواروں کا سایہ کرتیں کہ تلواروں کی نوک سے نوک مل جاتی اور کمان سی بن جاتی۔ مقصد غالباً یہ ہوتا تھا کہ اوپر سے گذرنے والے کسی جن یا پری کا سایہ نہ پڑے یا پھر یہ یقین ہو جاتا ہوگا کہ اب کسی جن یا پری کا سایہ نہ پڑے گا۔

عین اسی وقت جب زچہ تارے گن رہی ہوتی ایک دوسری رسم کی ادائیگی بچے کے باپ کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ باپ زچہ کے پلنگ پر کھڑا ہو جاتا اور بسم اللہ کہہ کر چھت کی طرف کسی غیر مرئی قوت کو تیر کا نشانہ بناتا۔ تیر چھت کی کڑیوں

میں پیوست ہو جاتا اور اس طرح گویا کسی برے سایے کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ اس کارنامے پر ساس کی جانب سے داماد صاحب کو نیگ مرحمت کیا جاتا۔

اس کے بعد دسترخوان بچھتا۔ چوبہ لگایا جاتا۔ سات سہاگنیں زچہ کے ساتھ مل کر چوبہ چکھتی۔ رسم کا اختتام ہوتا اور رت جگا شروع ہو جاتا یعنی شب بھر گانے بجانے کی تقریب۔

جاجب دیکھنے کو آئی لما سے
تارے چرخ گردوں نے آمارے

تاج محل - سرزمین آگرہ پر دریائے جمنا کے کنارے واقع یہ خوبصورت عمارت جو ایک وسیع و عریض چبوترے پر بنائی گئی ہے فن تعمیر کا ایسا نادر و نایاب شاہکار ہے جس کا شمار عجائبات عالم میں کیا جاتا ہے۔ تاج محل محبت کی ایک ایسی حسین و جمیل یادگار ہے جس نے شعراء کی تخلیقی صلاحیتوں کو مہمیز کیا اور جس سے متاثر ہو کر ہزارہا اشعار اور نظمیں کہی گئیں۔ اس عمارت کی مسحور کن دلکشی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اکثر خاتون سیاحوں نے اپنے تاثرات کے ضمن میں کہا ہے کہ اگر ان کو یقین ہو جائے کہ ان کی قبر بھی اتنا ہی خوبصورت مقبرہ بنایا جائے گا۔ تو وہ اسی وقت مرنے کو تیار ہیں۔

تاج محل مغل شہنشاہ، شاہجہاں کی اپنی بیگم ارجمند بانو سے بے پناہ محبت کی یادگار ہے۔ شاہ جہاں ارجمند بانو سے، جس کا خطاب ممتاز محل تھا، عشق کی حد تک محبت کرتا تھا اور جب شادی کے کل اٹھارہ سال بعد ہی ممتاز محل نے شاہ جہاں کی رفاقت سے منہ موڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا تو اس کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ ممتاز محل کے انتقال نے مغل شہنشاہ کو جیسے توڑ کر رکھ دیا۔ وہ مسلسل ایک ہفتے تک امور سلطنت کی جانب توجہ دینے کے قابل ہی نہ رہا اور جب فرائض شہنشاہی

انجام بھی دیئے تو اس طرح کہ تقریباً دو سال تک دربار شاہی ملکہ کے غم میں سوگوار رہا اور مسرت کی کوئی بھی تقریب منعقد نہیں کی گئی۔

مادہ سال کے فاصلے بھی شاہجہاں کے دل سے ممتاز محل کی محبت کے نقوش کو مٹا نہ سکے۔ وہ ہمہ وقت اپنی ملکہ کی فرقت کے غم میں کھویا رہتا تھا اور آخرکار انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی محبت کی یادگار کے بطور ملکہ کی قبر پر ایک ایسا عظیم الشان مقبرہ تیار کرائے گا جو صناعی کا شاہکار اور حسن و خوبصورتی میں بے مثل و بے نظیر ہو۔

اس نے اپنے خواب کی تعبیر کو حقیقت سے بدلنے کے لیے عمارت کا ایک حسب نشا نقشہ بنوایا۔ ہندوستان نیز بیرون ملک کے ممتاز ماہرین فن تعمیر اور کاریگر بلائے، عمارت میں استعمال کرنے کے لیے سنگ مرمر، سنگ سرخ، فیروزہ، مونگا نیز دوسرے بیش بہا پتھر اور دیگر سامان ملک اور بیرون ملک سے فراہم کرایا۔ اور جب تقریباً بائیس برس کی شب و روز کی محنت اور کروڑوں روپیوں کے صرف سے شاہجہاں کی آرزو تاج محل کے روپ میں عالم وجود میں آئی تو ساری دنیا اس کی خوبصورتی دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔

اس عمارت کے نقش و نگار جو پتھروں کو تراش کر بنائے گئے ہیں اس درجہ نفیس اور فن کاری کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہیں جن کی کوئی مثال نہیں ہے۔

کچھ نہیں اہل ہوس تاج محل کو لیکن
نقش ہے عشق کی اعجاز گری کا لکھا

(نہال رضوی)

تانا شاہ ۔ دکن کا ایک بادشاہ گزرا ہے جس کا پورا نام صلاح الدین تانا شاہ تھا۔ یہ بادشاہ بہت ضدی اور نازک مزاج بلکہ تنک مزاج تھا۔ کوئی بھی بات جو اس کے مزاج کے خلاف ہوتی تھی قطعی برداشت نہیں کرتا تھا۔ اس کے مزاج

کی یہ کیفیت اس درجہ مشہور ہو گئی کہ آمریت، من مانی اور ہٹ دھرمی کے معنی میں تانا شاہی کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

تثلیث ۔ تثلیث عیسائیت کے وہ تین اصول جن پر ایمان رکھنا ہر عیسائی کا فرض ہے یعنی باپ۔ بیٹا اور روح القدس۔ اس کی تفصیل اس طرح ہو کہ خداوند عالم، حضرت عیسیٰ، جناب جبرئیل یا پھر وہ پاک روح جو حضرت مریم کے بطن میں حکم خدا سے داخل کی گئی تھی۔

تختِ طاؤس ۔ مغل بادشاہ شاہجہاں کا بنوایا ہوا وہ طلائی تخت جس کی شکل ناچتے ہوئے مور کی تھی اور جس کی رنگ آمیزی کے لیے بیش بہا جواہرات کا استعمال کیا گیا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں پانی پت کی لڑائی کے وقت جب دہلی میں نادر شاہ نے لوٹ کا بازار گرم کیا تو یہ تخت بھی وہ اپنے ہمراہ ایران لے گیا تھا۔

تلسی ۔ ایک حسین و جمیل عورت تھی جس کو شری رام چندر جی نگاہ لطف سے دیکھتے تھے اور اسی لطف بے پایاں کے سبب اس کو ایک پودے میں بدل کر اس طرح جاوداں بنا دیا کہ آج تلسی کا پودا ہر ہندو کے گھر میں برکت و شادمانی کی علامت کے بطور لگایا جاتا ہے اور اس کی پتی کا استعمال مختلف بیماریوں میں شفا عطا کرتا ہے۔

تلسی داس ۔ ایک بہت بڑے سنت گزرے ہیں جن کی تصنیف کردہ رامائن ہر ہندو کے گھر میں پڑھی جاتی ہے۔ مشہور ہے کہ تلسی داس اپنی بیوی رتناوتی سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک بار جب وہ میکے میں تھیں تلسی داس کو بیوی کی یاد ستانے لگی۔ وہ رات، برسات کی ایک تاریک رات تھی جس میں بارش ہو رہی تھی، بجلی چمک رہی تھی اور ندی باڑھ پر تھی لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے سسرال جانے کا تہیہ کر لیا اور آفات سماوی کی پرواہ کیے بغیر نکل کھڑے ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ندی کے کنارے

ان کو لکڑی کا لٹھا سا نظر پڑا اور انہوں نے وہ چڑھی ہوئی ندی اس پر بیٹھ کر پار کرلی لیکن دوسرے کنارے پر پہونچ کر جب انھوں نے اس کی جانب توجہ کی تو ان کے ہوش اڑ گئے کیونکہ وہ ایک لاش تھی اور محبت نے ان کی آنکھیں ایسی بند کر دی تھیں کہ دریا پار کرنے کی دھن میں وہ یہ بھی بھول گئے تھے کہ وہ جس کو لکڑی کا کندہ سمجھ رہے تھے وہ لاش تھی۔ اسی طرح سسرال پہونچنے کے لیے انھوں نے ایک رسّی کا سہارا لیا مگر اس مرتبہ بھی محبت کا جوش، ہوش پہ غالب آچکا تھا اور وہ جس کو رسّی سمجھ تھے وہ سانپ تھا۔

غرضیکہ تلسی داس جب بیوی کے پاس پہونچے تو وہ حیرت زدہ رہ گئیں اور جب تفصیل سفر معلوم ہوئی تو اور زیادہ مشکور ہوئیں۔ انہوں نے شوہر کی اس بے پناہ محبت کی پذیرائی تو کی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ جتنی محبت اور تپسیا تم نے میرے لیے کی اگر یہی بھگوان کے لیے ہوتی تو کتنا اچھا تھا۔ بیوی کا یہ جملہ ان کے دل کو چھو گیا اور اسی ایک جملے نے ان کی پوری زندگی بدل دی۔ وہ دنیا کو تیاگ کر رام کے سچے بھگت بن گئے، اور آج رام، راماین اور تلسی داس لازم و ملزوم ہو چکے ہیں۔

تیرہ تیزی: صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخوں کو تیرہ تیزی کہا جاتا ہے اور ان تاریخوں کو انتہائی منحوس سمجھا جاتا ہے۔ ان دنوں میں نہ تو نیا کپڑا پہنا جاتا ہے اور نہ کوئی خوشی کا کام کیا جاتا ہے کیونکہ ان تیرہ دنوں میں مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمدؐ شدید طور پر بیمار رہے تھے۔ شاہانِ مغلیہ میں ماہِ صفر میں تیرہ تیزی کا خاص اہتمام ہوتا تھا اور حضور سرورِ کائنات کے غسلِ صحت کی تقریب بہت شان سے منائی جاتی تھی جس کے لیے ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ مقرر تھا۔ قلعہ معلےٰ کی اس تقریب کی منظر کشی صاحبِ فرہنگِ آصفیہ کے لفظوں میں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"صفر جسے تیرہ تیزی کا مہینہ کہتے ہیں، اسی مہینے کی تیرہ تاریخ ہوئی، دیکھو! چنے کی سلونی گھنگھنیاں، نون مرچ ڈال کے اور گیہوں کی پھیکی گھنگھنیاں ابال کے اوپر خشخاش اور کھانڈ چھڑک کے قابوں میں نکال کر نیاز دی۔ پھر بانٹ دی۔ اسی مہینے کے آخری بدھ کو بادشاہ نے صبح دربار کیا۔ جواہر خانے کا داروغہ سونے چاندی کے چھلے چاندی کی کشتی میں لگا کر لایا۔ چار چھلے، ان میں سے دو سونے کے دو چاندی کے بادشاہ نے آپ پہنے دو ولی عہد کو پہنائے۔ ایک ایک دو دو شاہزادوں کو اپنے ہاتھ سے دیئے۔ باقی امیر امراء کو تقسیم کیے۔ سب نے مجرا کیا۔ نذریں دیں۔ دربار برخواست ہوا۔

اب بادشاہ اپنی بیٹھک میں آئے۔ وہ چاروں چھلے جو آپ پہنے ہوئے تھے ملکہ زمانی کو دیے۔

تیسرا پہر ہوا۔ کوری کوری ٹھلیاں آئیں۔ پہلے ایک ٹھلیا میں تھوڑا سا پانی اور ایک اشرفی کپڑے میں لپیٹ کر اس میں ڈالی گئی۔ بادشاہ نے آگے کھڑے ہو کر سر پر سے پیچھے پھینک دی۔ ٹھلیا ٹوٹ گئی۔ اشرفی حلال خوری اٹھا لے گئی۔ اب تھوڑا سا بھوسہ لا کر جلایا گیا۔ بادشاہ نے اس کو لانگا۔ اب بیگمات اور شاہزادوں میں ٹھلیاں تقسیم ہونے لگیں۔ کسی ٹھلیا میں پانچ کسی میں چار کسی میں دو اور کسی میں ایک ہی روپیہ ڈالا گیا۔ کہاریوں کے سروں پر رکھ کر مختلف جگہوں پر بھیجی گئیں۔ کہاریوں کو انعام دیا گیا اور ٹھلیاں توڑ دی گئیں۔ جو کچھ ٹھلیوں میں تھا وہ حلال خوریاں لے گئیں کیونکہ یہ ان کا حق تھا۔

تیسرے پہر، سبزہ روندنے باغ میں گئے۔ شہزادوں کے استاد آخری چہار شنبہ کی عیدیاں سنہری روپہلی کاغذ پر لکھ کر لائے۔ شہزادوں کو عیدیاں اور چھٹی دے کر وہ اپنی عیدی لے کر رخصت ہوئے۔

آخری چہار شنبہ ماہِ صفر   جانب باغ سیر کن بنگر
ہر کہ امروز میکند شادی   غم نہ بیند بقول پیغمبر

چہارشنبہ، آخری ماہِ صفر   درجہاں باخرمیؐ شد جلوہ گر
مصطفےٰ را خرمی امروز شد   زاں سبب شد سیرِ گلشن نیک تر

ٹ

ٹھگ۔ فی زمانہ لفظ ٹھگ فریبی یا جعلساز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن تقریباً ڈیڑھ صدی قبل اودھ کے علاقے میں ٹھگوں کا خاصا زور تھا جن میں مختلف مذاہب اور عقیدے کے لوگ شامل تھے۔ ٹھگوں کے اپنے الگ عقائد ہوتے تھے جن پر گروہ کا ہر آدمی سختی سے عمل پیرا رہتا تھا۔ اس طرح ٹھگوں کا فرقہ ایک ایسا فرقہ تھا جس میں یوں تو مختلف مذاہب کے ماننے والے شامل ہوتے تھے لیکن ٹھگی کے سلسلے میں ان سب کے عقائد مشترک تھے۔ عام حالات میں یہ لوگ اپنے اپنے مذہبی رسوم کی ادائیگی میں اس درجہ مخلص ہوتے تھے کہ کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ متعلقہ مذہب کے علاوہ بھی ان کا کوئی اور عقیدہ ہو سکتا ہے۔

یہ لوگ سال بھر تک مختلف پیشوں سے متعلق رہتے تھے اور ان کے رہن سہن، رکھ رکھاؤ نیز آداب و اخلاق کے اعتبار سے ان کا شمار شرفاء میں ہوتا تھا سال کے مخصوص دنوں میں یہ لوگ اپنے ٹھگی کے مشن پر نکل کر ایک مقررہ جگہ پر جمع ہو جاتے تھے۔ جہاں پہلے کالی کی پوجا ہوتی، قربانی دی جاتی اور پھر اپنے طریقۂ کار کے مطابق ان کا پورا گروہ ایک مہذب اور متمول سوداگر کے قافلے کی شکل اختیار کر کے اپنا سفر شروع کر دیتا، اگر آغاز سفر میں الّو کے بولنے کی آواز

سنائی دے جاتی تو اس کو بہت ہی نیک شگون مانا جاتا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے یہ لوگ قیام کرتے تھے اور اگر اس دوران کوئی گانٹھ کا پورا مسافر یا تاجر مل جاتا تو اس کو سفر کے خطرات سے اس طرح آگاہ کرتے کہ وہ ان کی پناہ میں آجاتا اور ان کے قافلے کے ہمراہ سفر کرنے کو ہی عافیت سمجھتا۔ ایسے میں جب قافلہ کہیں قیام پذیر ہوتا تو محفل رقص و سرود آراستہ کی جاتی۔ شراب و کباب کا اہتمام ہوتا اور اسی کے ساتھ اشاروں اور اصطلاحوں میں احکامات بھی صادر ہو جاتے۔ گڈھے کھودنے والے گڈھے کھودنے لگتے، پاٹنے والے اپنی خدمت کے لیے تیار رہتے اور ملک الموت کے فرائض انجام دینے والے اپنی جگہ مستعد ہو جاتے۔ جلسے کے دوران ہی اچانک سردار کا اشارہ ہوتا اور مہمان مسافر ہمیشہ کے لیے گوشۂ عافیت میں پہونچا دیا جاتا۔ لاش پہلے سے کھودے ہوئے گڈھے میں ڈالی جاتی اور فوراً ہی گڈھا پاٹ دیا جاتا اس کے بعد یہ قافلہ کسی دوسرے مسافر کی تلاش میں آگے بڑھ جاتا۔ ٹھگوں میں امیر علی ٹھگ کا نام بہت مشہور ہوا ہے جو بظاہر کپڑے کا سوداگر تھا اور معززین میں شمار کیا جاتا تھا۔

اودھ میں انگریزوں کے تسلط کے بعد اس فرقے کا قلع قمع کر دیا گیا اور اب ٹھگ صرف دھوکے باز کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔

جامۂ تن ہو گیا راہِ عدم میں نذرِ گور
بوجھ اٹھایا تھا مگر ٹھگ کے لیے اسباب کا
(آتش)

ج

جادو کا پتلا۔ جادو ٹونا کرنے والے عامل جب کسی کو نقصان پہونچانے کے لیے کوئی عمل شروع کرتے ہی تو پہلے وہ ایک پتلا بنا کر سامنے رکھ لیتے ہیں اور اس پتلے کی شکل کو اس شخص کی صورت کے مطابق فرض کر لیتے ہیں جس پر جادو چلانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ عمل شروع کرتے ہیں اور ساتھ ہی پتلے کو مختلف طریقوں سے اذیت دیتے جاتے ہیں۔ گویا جو کچھ سلوک اس پتلے کے ساتھ کیا جا رہا ہے بعینہٖ اسی تکلیف میں وہ شخص بھی مبتلا ہو رہا ہوگا جس پر جادو کیا جا رہا ہے۔
اس پتلے کو جادو کا پتلا کہتے ہیں۔

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا
(حکیم مومن خاں مومن)

جالینوس۔ جالینوس یونان کا ایک بہت بڑا حکیم گذرا ہے جس کا اصل نام کلاڈیس گلیلین تھا لیکن جو حکیم جالینوس کے نام سے طبی دنیا میں مشہور رہا۔ غیاث اللغات و فرہنگ آصفیہ میں اس کا نام گالی نوس بھی تحریر کیا گیا ہے۔
جالینوس نے کافی سیاحت کی اور یونان و مصر کے جنگلات میں جڑی بوٹیاں تلاش کرتا رہا اس کے بعد وہ روم میں جا کر مقیم ہو گیا اور وہاں اس نے طبابت

شروع کردی۔ اس دوران اس نے ایسے ایسے مریض صحتیاب کیے کہ لوگوں کو اس پر جادوگر ہونے کا گمان ہونے لگا۔ اس کے ان اوصاف سے بادشاہ وقت حد درجہ متاثر تھا اور جب تک مارشیش ارلیس بادشاہ روم زندہ رہا جالینوس بھی روم ہی میں رہا لیکن اس کے بعد اس نے روم چھوڑ دیا۔

یہ بھی قدرت کی عجب ستم ظریفی ہے کہ جالینوس کا انتقال مرض اسہال سے ہوا جس کا علاج وہ دعوے سے کیا کرتا تھا۔

جالینوس کے بنائے ہوئے طبی قوانین آج بھی مروج ہیں اور مستند مانے جاتے ہیں۔ جالینوس کی اکثر تصانیف کا آتش زدگی کی نذر ہو جانا بتایا جاتا ہے جن کی تعداد مغربی مورخین تین سو اور ایشیائی مورخین چار سو جلدیں بتلاتے ہیں۔

جالینوس کس عہد میں گزرا ہے اس کے بارے میں بھی مورخین میں اختلاف ہے صاحب تاریخ الحکما، اسکندر رومی کے پچاس برس بعد اور صاحب روضۃ الصفا بعثت حضرت عیسیٰ کے بعد اس کا پیدا ہونا بتلاتے ہیں۔

جام جم ۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ جمشید کو فارس کے حکما نے ایک ایسا پیالہ بنا کر دیا تھا جس میں حال، مستقبل اور افلاک کا حال دکھائی دیتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو جام جہاں نما یا جام جہاں بین بھی کہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کیخسرو نے اس میں کچھ ایسے اضافے مزید کر دیئے تھے جن کے سبب اس کی جہاں بینی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا جہاں تک اس پیالے کے ذریعے جہاں بینی یا مستقبل کے حالات معلوم کرنے کا تعلق ہے یہ بات قرین قیاس ہے کہ اس میں کچھ ایسے اشارے کندہ ہوں جن کے ذریعے تاروں کی چال اور ان کے سعد یا نحس اثرات کا علم ہو جاتا ہوگا۔

جام جم کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب جمشید نے شراب ایجاد کی تو اس کے استعمال کے لیے ایک مخصوص پیالے کی بھی ضرورت پیش آئی چنانچہ اس مقصد

کے لیے ایک جام مے نوشی بنایا گیا جس میں شاہانہ تکلف کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف اثرات اور اوصاف کو بھی شامل کیا گیا۔ کیوں کہ جمشید کا اصل نام جم تھا (ملاحظہ ہو جمشید) اس لیے نام کی مناسبت سے اس کو جام جم کہا گیا۔

اور بازار سے لے آئیں گے گر ٹوٹ گیا
جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے
(غالب)

تمہاری آنکھوں میں ہے ایک جہاں کا منظر
سنے ہیں ہم نے بہت جام جم کے افسانے
(نسیم نکہت)

جام جمشید ۔ جام جہاں نما ۔ جام جہاں بیں

ملاحظہ ہو جام جم

جبریل ۔ ان فرشتوں میں ہیں جن کو تقرب بارگاہ الٰہی کا شرف حاصل ہے آپ کے ذمہ یہ اہم فریضہ تھا کہ پیغمبروں کے پاس پیغام خداوندی لے کر آتے تھے حضور سرور کائنات کی خدمت میں بھی آپ ہی وحی لے کر حاضر ہوتے تھے اس لیے آپ کو امین وحی بھی کہتے ہیں۔

کیا بھیجئے قاصد کو وہاں کوچے میں جس کے
جبریل کو مقدور نہیں نامہ بری کا
(مصحفی)

جذب ۔ یہ لفظ اردو شاعری میں کشش کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن صوفی فقیروں کی اصطلاح میں جذب اس کیفیت کو کہتے ہیں جب کوئی درویش مشاہدۂ تجلیات میں گم ہو کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ ایسے شخص کو جو اپنے حواس خمسہ

سے عاری ہو گیا ہو مجذوب کہا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں بات کی وضاحت کے لیے یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ صوفیوں کو حصول معرفت حق سے پہلے تین ابتدائی منازل طے کرنا پڑتی ہیں جن میں پہلی منزل عالم ناسوت دوسری منزل عالم جبروت اور تیسری منزل عالم ملکوت کہلاتی ہے ان تین منازل کو طے کرنے کے بعد عالم لاہوت کی منزل آتی ہے جہاں سے تجلیات اور انوار الٰہی کا انکشاف شروع ہوتا ہے۔ یہ منزل انتہائی جذب اور تحمل کی منزل ہوتی ہے اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اس منزل کو ایک دلدل سے تشبیہ دی جاتی ہے اور صرف واقف کار تجربہ کار ہی اس سے جان بچا سکتا ہے۔

جو سالک عالم لاہوت کی دلدل سے نکل جاتا ہے وہ گوہر مقصود کو پا کر اعلیٰ درجے کا صوفی ہو جاتا ہے اور خلق کی رہنمائی کرتا ہے لیکن جو تجلیات اور انوار کی دلدل میں پھنس جاتا ہے وہ تحیر میں مبتلا ہو کر نہ صرف موجودات بلکہ اپنے وجود تک سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اس کے حواس خمسہ معطل ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص مجذوب کہلاتا ہے۔ مجذوب چونکہ ہوش و حواس سے بیگانہ اور حواس خمسہ سے عاری ہوتا ہے اس لیے اس پر نہ احکام شریعت کا نفاذ ہوتا ہے اور نہ اس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔

اتنا تو جذب عشق نے بارے اثر کیا
میری طرح سے ان کو مری چاہ ہو گئی
(امیر)

جمشید - ایران کا ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے جس کا عہد حضرت عیسیٰؑ سے آٹھ سو برس قبل کا بتایا جاتا ہے۔ جام جم اسی بادشاہ کے لیے بنایا گیا اور

جشنِ نوروز کی اسی نے ابتدا کی جو آج بھی مختلف انداز میں منایا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جمشید کا اصل نام جم تھا لیکن ایک مرتبہ جب وہ دوران سفر آذربائیجان کے مقام پر پہونچا تو حسنِ اتفاق سے اسی دن آفتاب کو برجِ حمل میں آنا تھا۔ چنانچہ اس نے وہیں قیام کیا۔ ایک مرصع تخت بلند جگہ پر رکھا گیا اور تاج مرصع سر پر رکھ کر اس تختِ شاہی پر جلوس فرمایا۔ جب صبح دم آفتاب عالمتاب نے گوشۂ مشرق سے سر بلند کیا تو اس کی روشنی سے تاج اور تخت جگمگانے لگے جن کی چھوٹ پڑنے سے خود جم کا چہرہ بھی روشن نظر آنے لگا۔ کیونکہ پہلوی زبان میں شعاعِ آفتاب کو شید کہتے تھے اس لیے بادشاہ کے چہرۂ پُر نور کو دیکھ کر لوگوں نے اس کے نام میں شید کا لفظ شامل کر کے جم سے جمشید کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ جمشید نے تخت جمشید نامی ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائی، اور آغاز بہار کے دن جس روز دن اور رات برابر ہوئے تو اس عمارت میں ایک عظیم الشان جشن منایا جس میں لوگوں کو مالا مال کیا گیا اور ارکان سلطنت کو عہدوں سے نوازا گیا۔ اس جشن جمشیدی کو لوگوں نے نوروز کا نام دیا اور ہر سال یہ جشن منایا جانے لگا۔ ایران میں تو آج بھی بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔

جمشید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا ہی نیک دل، نیک طینت اور نیک نہاد بادشاہ تھا اور مختلف فنون کی سرپرستی کرتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ہم عصر ایک نامور حکیم فیثاغورس نے اس کے لیے ساز اور راگ بھی ایجاد کیے۔ اسی کے زمانے میں شراب کشید کی گئی۔ چوبی ہتھیاروں کے بجائے آہنی ہتھیاروں کو رواج دیا گیا۔ کاشتکاری اور پارچہ بافی کی ایجاد ہوئی، پیراکی کی ابتدا ہوئی اور غوطہ خوری کا طریقہ ایجاد کیا گیا جس کے نتیجے میں پانی کی تہ سے موتی نکالے گئے۔

جمشید، آتش پرست تھا چنانچہ اس نے آتش پرستوں میں تنظیم پیدا کرنے کے لیے

ان کو چار فرقوں میں تقسیم کیا ایک فرقہ دینی و شرعی امور سے متعلق تھا دوسرا فرقہ ملکی و مالی معاملات کو دیکھتا تھا تیسرے فرقے کے سپرد سپہ گری اور جنگ سازی تھی تو چوتھا فرقہ صنعت و حرفت نیز تجارت سے متعلق تھا۔

جمشید کے عروج اور اس کی ہر دلعزیزی کا منفی اثر اس کی شخصیت پر پڑا جس کے سبب آخر میں اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

پارسی حضرات اس کو پیغمبر مانتے ہیں ان کے مطابق جمشید کا دور حکومت سات سو برس تک قائم رہا تھا۔

جمہوریت ۔ اس نظام حکومت کو کہتے ہیں جس میں عوام اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں اور وہی منتخب نمائندے حکومت کا نظام چلاتے ہیں۔ جمہوریت عوامی حکومت ہے جس میں ہر شہری کو مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور تقریر و تحریر کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ پوری دنیا میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں جمہوریت ابھی تک اپنے تمام تر اصولوں کے ساتھ قائم ہے۔

جنت البقیع کیونکہ اس جگہ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا حضرت امام حسن[ؑ] حضرت امام زین العابدین[ؑ] حضرت امام محمد باقر[ؑ] حضرت امام جعفر صادق[ؑ] رسول اکرم کے چچا جناب عباس ابن عبد المطلب اور حضرت عثمان غنی وغیرہ کے مزار مبارک ہیں اسلیے اس کو جنت البقیع کہتے ہیں۔

بقیع مبارک میں باچشم گریاں
شکستہ مزاروں کو دیکھا کریں گے
(زائر حرم حمید صدیقی)

جنت شداد ۔ ملاحظہ ہو بہشت شداد

جنتِ عدن ۔ بہشت کا ایک باغ جہاں وہ شجر ممنوعہ تھا جس کا پھل کھانے کے لیے حضرت آدم کو منع کیا گیا تھا۔ حضرت آدم اور حوا کو جنت میں مکمل

آزادی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرط لگا دی گئی تھی کہ وہ باغ عدن میں شجر ممنوعہ کے قریب نہ جائیں اور نہ اس کا پھل کھائیں۔ ابلیس یعنی شیطان جو تخلیق آدم ہی کے وقت سے آدم کا دشمن ہو گیا تھا۔ اس نے پروردگار عالم کی اس تنبیہ کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے سازگار پایا اور حضرت آدم کو بہکانے کا حیلہ ہاتھ آگیا۔ شیطان نے سانپ کی شکل میں حضرت آدم سے گفتگو کی اور ان کو سمجھایا کہ خدا نے تم دونوں کو اس درخت سے صرف اس لیے دور رہنے کو کہا ہے کہ اگر تم اس کا پھل کھاؤ گے تو فرشتہ بن جاؤ گے اور غیب کی باتوں پر قادر ہو جاؤ گے لیکن حضرت آدم نے مشورہ رد کر دیا اور کہا کہ جس سے میرے پروردگار نے مجھے منع کیا ہے میں بغیر حکم خدا اس کا مرتکب نہیں ہوگا۔ آدم کی جانب سے مایوس ہو کر شیطان نے جناب حوا کی جانب رخ کیا اور ان کو سمجھایا کہ جس درخت کو خدا نے تم پر حرام کیا تھا اسے تم پر حلال کر دیا ہے کیونکہ اس نے سمجھ لیا ہے کہ تم نے اس کی اچھی طرح اطاعت اور تعظیم کی۔ شیطان نے یہ بھی سمجھایا کہ اگر تم اس درخت کا پھل آدم سے پہلے کھا لو گی تو تم ان پر حاوی اور مسلط ہو جاؤ گی۔ چنانچہ جناب حوا نے اس درخت کا پھل کھا لیا اور جب اپنی ذات میں کوئی تغیر نہ پایا تو پوری کیفیت بیان کر کے حضرت آدم کو بھی آمادہ کر لیا اور ان کو پھل کھلا دیا۔ پھل کھاتے ہی دونوں کو سب سے پہلے اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔ دونوں گھبرا گھبرا کر بہشت کے درختوں کی پتیوں سے ستر پوشی کرنے لگے۔ اسی وقت ان کے پروردگار نے آواز دی کہ کیا میں نے تم کو اس درخت سے دور رہنے کا حکم نہیں دیا تھا مگر تم شیطان کے بہکانے میں آگئے۔ اللہ کی حکم عدولی، آدم کا پہلا گناہ تھا جس کی سزا یہ ملی کہ دونوں کو جنت سے نکال کر زمین پر پھینک دیا گیا اور اب موت یا قیامت تک زمین پر ہی قیام ہے۔

جوہر ۔ ہندوستان میں راجپوت بہادر، غیرت دار اور راسخ القول ہوتے

کے معاملے میں اپنی مثال آپ تھے۔ راجپوت عورتیں بھی ان اوصاف میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں۔ قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی غنیم حملہ آور ہوتا تھا اور یقین ہو جاتا تھا کہ جنگ میں راجپوتوں کو شکست ہو جائے گی تو راجپوت عورتیں خود کو آگ میں زندہ جلا دیتی تھیں تاکہ شکست کے بعد وہ غنیم کے ہاتھوں میں نہ پہنچیں اس رسم کو جوہر کہتے تھے۔

جانِ شیریں کب گئی ہے کوہکن کی رائیگاں
کہتے ہیں شیریں نے آخر آپ کو جوہر کیا
(ناسخ)

جوئے شیر۔ دودھ کی نہر جو فرہاد نے کوہ بے ستوں کو کاٹ کر قصرِ شیریں تک اس لیے بنائی تھی۔ شیریں کو روزانہ دودھ مل سکے (ملاحظہ ہو تیشہ)

کاؤ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
(غالب)

سینۂ چاکی بن گئی ہو ماجرائے جوئے شیر
مجھ کو جوشِ خونِ قلبِ بے ستوں یاد آئے ہو
(جوہر صدیقی)

جہاں آنچل کی خوشبو سے کبھی دل کا خون رستا ہو
وہاں اے دوست کیا حاصل ہو جوئے شیر لانے سے
(بشیر فاروقی)

جہاد۔ وہ جنگ جو کافروں سے دین کی بقا کے لیے لڑی جائے اس کو

جہاد کہتے ہیں۔ اس جنگ میں فتحیاب ہونے والا غازی اور مرنے والا شہید ہوتا ہے۔

جہنم۔ وہ جگہ جو آسمان پر واقع ہے۔ جہاں مستقل آگ دہک رہی ہے جہاں کی تکالیف دنیاوی تکلیفوں کے مقابلے میں لاکھوں گنا زیادہ ہیں اور جہاں گناہ گاروں اور بدکرداروں کو اپنے اعمالِ بد کی پاداش میں ڈالا جائے گا۔

ضرور حشر کے دن عاصیوں کی ہوگی تلاش
نہ ہوں گے ہم تو جہنم جلائے گا پھر کیا
(رند)

چ

چار پیر ۔ وہ بزرگ حضرات جن کے پیرو زہد، عبادت الٰہی اور تزکیہ نفس میں زندگی گزارتے ہیں۔ چار پیران حضرات کو مانا گیا ہے جن کو حضرت علیؓ سے علم معنی میں حقیقت اور معرفت حاصل ہوئی۔ ان میں امام حسنؓ، امام حسینؓ، حسن بصری قدس سرہٗ اور کمیل بن زیاد کے اسمائے گرامی سے چودہ خانوادے چلے ہیں۔

چار یار ۔ حضور رسالتمآبؐ کے چار اصحاب یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔

چار طوفان ۔ وہ چار طوفان جو چار مختلف پیغمبروں کے عہد میں ان کی بددعاؤں سے نافرمان امت پر نازل ہوئے تھے۔

۱۔ طوفان نوح۔ پانی کا طوفان جو حضرت نوح کی امت پر نازل ہوا۔

۲۔ طوفان باد۔ ہوا کا وہ طوفان جس نے قوم ہود کو تباہ کیا۔

۳۔ طوفان آتش۔ وہ طوفان جو قوم لوط پر نازل ہوا۔

۴۔ طوفان خاک۔ وہ طوفان جو حضرت صالح کی امت پر نازل ہوا۔

چالا ۔ یہ رسم شادی کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ جب چوتھی ہو چکتی ہے تو اس کے بعد لڑکی کے میکے والے چالوں کی ابتدا کرتے ہیں۔ عام طور پر چار چالے ہوتے ہیں جس میں لڑکی کی ماں، خالہ، پھوپھی وغیرہ یعنی بہت ہی قریبی رشتہ رکھنے والے

لڑکی کو مدعو کرتے ہیں۔ اس ضیافت میں دولہا کے قریبی رشتے دار بھی شامل ہوتے ہیں۔ مقصد عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ دولہا اور دولہن کو جوڑے، نقدی یا حسب حیثیت کچھ نذر کیا جائے۔

نوعروسِ باغ کی شادی مجھے ماتم ہوئی
پاؤں پھیرا باغ میں گلچیں کے گھر چالا ہوا
(بحر)

چاہِ بابل ۔ بابل میں واقع اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس میں ہاروت اور ماروت دو فرشتے قید ہیں۔ مشہور ہے کہ یہ دونوں فرشتے زہرہ نامی ایک عورت پر اس حد تک فریفتہ ہو گئے تھے کہ اس کو اسم اعظم بھی سکھا دیا اور اس کے ہمراہ جسمانی تعلق قائم کرنے کے بھی مرتکب ہو گئے۔ چنانچہ ان کو یہ سزا ملی کہ چاہ بابل میں الٹا لٹکا دیئے گئے، جس کے بعد سارا دھواں اسی کنوئیں میں جانے لگا۔ اب یہ دونوں فرشتے قیامت تک اسی طرح الٹے لٹکے رہیں گے اور دھوئیں میں گھٹا کریں گے۔

زہرہ نے چونکہ ان سے اسم اعظم سیکھ لیا تھا اس لیے وہ اس کی برکت سے آسمان کی جانب پرواز کر گئی لیکن اس کا چہرہ مسخ کر دیا گیا اور اسے ستارے کی شکل دے دی گئی۔

چاہِ رستم ۔ رستم کا نام شجاعت اور جواں مردی کی علامت کے طور لیا جاتا ہے لیکن اسی رستم کی موت جس بے بسی کے عالم میں ہوئی وہ بھی عبرت ناک ہے۔ کہتے ہیں کہ رستم کے بھائی شغاد نے رستم کو جان سے مارنے کے لیے ایک پرفریب منصوبہ تیار کیا۔ اس نے گہرا گڑھا کھدوا کر اس میں بھالے اور برچھیاں جیسے دھاردار ہتھیار ترتیب کے ساتھ لگا دیئے۔ اس کے بعد اس گڑھے کو گھاس پھوس سے اس طرح پاٹ دیا کہ بادی النظر میں ہموار زمین ہی معلوم ہوتا تھا۔

جب رستم اپنے رہوار پر سوار ہو کر اس گڈھے پر سے گذرا تو مع فرس کے اس میں گر گیا اور کافی کوشش کے باوجود بھی باہر نہ نکل سکا۔ نتیجے میں رستم اور اسکے گھوڑے دونوں ہی کے لیے وہ گڈھا موت کا پیغام بن گیا۔

چو رستم کہ پایان روزے بخورد
شغاد از بنا دش برآورد گرد

(سعدی)

چاہِ نخشب ۔ ترکستان میں واقع ایک مقام کا نام نخشب ہے جہاں کے ایک حکیم نے جس کا نام ابن عطا تھا اور جو مقنع کے نام سے مشہور تھا ایک چاند بنایا تھا۔ یہ چاند ایک کنوئیں سے طلوع ہوتا تھا اور اس کی روشنی چار فرسنگ تمام کے علاقے کو منور کر دیتی تھی۔ یہ چاند بعد میں اسی کنوئیں میں غروب ہو جاتا تھا۔ وہ کنواں جو حکیم مقنع کے مصنوعی چاند کے طلوع و غروب کا مرکز تھا چاہِ نخشب کہا جاتا ہے۔

چاہِ یوسف ۔ حضرت یوسف، حضرت یعقوب کے سب سے چھوٹے فرزند تھے جو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں ہی میں بے مثال تھے اسی سبب سے ان کو جناب یعقوب بے حد عزیز رکھتے تھے اور ان کے سوتیلے بھائی ان سے جلتے تھے۔ جناب یوسف کو قتل کرنے کی ان کے بھائیوں نے سازش رچی اور ایک دن جناب یعقوب سے اجازت لیکر اپنے ہمراہ لے گئے۔ جب بڑے بھائی کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ یوسف کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو اس نے مشورہ دیا کہ قتل نہ کرو بلکہ کنوئیں میں ڈھکیل دو وہیں ان کا کام خود بخود تمام ہو جائے گا۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے طرابیہ کے مقام پر واقع ایک کنوئیں میں جناب یوسف کو ڈھکیل دیا گیا اور یہ اطمینان کر لینے

کے بعد کہ وہ مر گئے ہوں گے برادران یوسف ان کا کرتا لے کر روتے ہوئے گھر واپس آئے اور جناب یعقوب کو یہ خبر سنائی کہ یوسف کو بھیڑیا اٹھالے گیا۔ حضرت یعقوب کو اپنے چہیتے بیٹے کی جدائی کا بے حد غم ہوا اور مستقل گریہ کرتے رہے۔

دوسرے دن صبح کو برادران یوسف نے یہ طے کیا کہ کم از کم چل کر دیکھیں تو کہ آخر اس کنوئیں میں یوسف کا حشر کیا ہوا۔ چنانچہ وہ جناب یوسف کی موت کی تصدیق کے لیے پھر اس کنوئیں پر پہونچے۔ جہاں انھوں نے کافی لوگوں کا مجمع دیکھا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک قافلہ اس کنوئیں کے قریب ٹھہرا تھا اور قافلہ والوں میں سے ایک شخص اس کنوئیں سے جب پانی نکالنے لگا تو اس نے جناب یوسف کو کنوئیں میں دیکھا اور پھر قافلے والوں نے ڈول ڈال کر ان کو کنوئیں سے نکال لیا۔ اسی اثنا میں ان کے سوتیلے بھائی بھی وہیں پہونچ گئے اور انھوں نے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو کنوئیں میں گر گیا تھا ہم اس کو نکالنے آئے ہیں اب ہمارا غلام ہم کو دے دو۔ قافلے والوں نے جناب یوسف کو ان کے حوالے کر دیا لیکن ان کے بھائی ان کو ہمراہ لے کر جاتے کہاں انھوں نے یوسف کو الگ لے جاکر دھمکایا کہ تم ہماری غلامی سے انکار نہ کرنا ورنہ اب کی مرتبہ ہم قتل ہی کر دیں گے۔ جناب یوسف غلامی کا اقرار کرنے پر راضی ہو گئے تو ان لوگوں نے پھر اسی قافلے کے ایک شخص سے یوسف کو خریدنے کی بات کی اور جب وہ شخص ۲۰ درہم دینے پر آمادہ ہو گیا تو اس کے ہاتھ بیس درہم میں جناب یوسف کو فروخت کر دیا اور خود شاداں و کامراں واپس ہو گئے کیونکہ جناب یوسف کو اب انھوں نے اطمینان بخش طور پر راہ سے ہٹا دیا تھا۔

جس شخص نے جناب یوسف کو خریدا تھا وہ ان کو مصر لے گیا اور وہاں اس نے عزیز مصر یعنی مصر کے بادشاہ کے ہاتھ اچھی خاصی قیمت پر فروخت کر دیا۔ عزیز مصر جناب یوسف کے حسن اور ان کے اخلاق سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بیوی

زلیخا کو یہ تاکید کی کہ ان کو عزیز رکھنا کیونکہ ہم لوگ لاولد ہیں اس لیے یہی ہوسکتا ہے کہ یہ بچہ ہمارے کام آئے اور ہم اس کو اپنا فرزند بنا لیں۔ اس وقت جناب یوسف کی عمر کل سات یا بارہ سال کی تھی۔

یوں ہوا دل سے ہمارے نورِ رحمت جلوہ گر
جیسے یوسف چاہ سے محبوبِ یزداں غار سے
(سید احمد حسن خاں ملیح سنبھلی)

چتا۔ ہندؤں میں مردے کو جلانے کا رواج ہے اور لکڑی کا وہ چبوترہ جس پر مردے کو لٹا کر آگ لگائی جاتی ہے چتا کہلاتا ہے۔
اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ خشک لکڑیوں کا ڈھیر لگا کر ایک چبوترہ سا بنایا جاتا ہے امراء اور رؤسا کے لیے صندل کی لکڑی کا استعمال ہوتا ہے پھر اس پر مردے کو لٹا دیا جاتا ہے اور دیسی گھی یا حسبِ حیثیت جو روغن دستیاب ہوتا ہے وہ اس چتا پر ڈال کر قریب ترین رشتہ دار عموماً اولاد چتا میں آگ لگا دیتی ہے۔

کہیں سے گزرو گے دامن بچا نہ پاؤ گے
تمام شہر کا ماحول ہے چتا کی طرح
(بشیر فاروقی)

چشمۂ حیات۔ چشمۂ حیواں۔ چشمۂ خضر۔
ملاحظہ فرمائیں آبِ بقا نیز سکندر۔

چنگیز۔ چینی تاتار کے وسیع و عریض میدان منگولیا کے نام سے مشہور تھے ان میدانوں میں کچھ خانہ بدوش قومیں آباد تھیں جن کے مورثِ اعلیٰ تو ایک ہی تھے لیکن بعد میں وہ لوگ مختلف قبیلوں میں تقسیم ہو گئے تھے جن میں ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا تھا انھیں خانہ بدوشوں میں ۱۱۶۲ء میں چنگیز خاں پیدا ہوا تھا جو

۱۳ سال کی مختصر سی عمر ہی میں اپنے باپ کا جانشین بنا اپنی خداداد صلاحیت سے پہلا کارنامہ یہ انجام دیا کہ تمام قبیلوں کو متحد کرکے متفقہ طور پر ۱۲۰۶ء میں ان کا بادشاہ بن گیا اور خاقان کا لقب اختیار کیا۔ ۱۲۱۸ء اس کی قسمت کا بہترین سال ثابت ہوا جب اس نے پورے تاتار اور چین کو اپنے زیرنگیں کرنے کے علاوہ بخارا، سمرقند، بلخ، نیشاپور، ہرات اور ادلاے وغیرہ کو بھی فتح کرکے اپنی بہادری کا دنیا سے لوہا منوا لیا۔

از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے، ہنگامۂ چنگیزے
(اقبال)

چوتھی۔ چوتھی کھیلنا۔ چوتھی کی دلہن۔ یہ شادی کی ایک ہنگامہ خیز رسم ہوتی ہے جس میں عقد کے چوتھے دن دولہا کی طرف سے لڑکی کے گھر جوڑا، مٹھائی، پھل نیز میووں کا گہنا وغیرہ بھیجا جاتا ہے اور عموماً شام تک لڑکے کے عزیز دوست اور رشتے دار لڑکے لڑکیاں دولہن کے گھر جاتے ہیں جہاں کسی نہ کسی بہانے چھیڑ چھاڑ کا ایسا موقع نکال لیا جاتا ہے کہ ایک دوسرے پر پھل، پھول اور میوے پھینکے جانے لگتے ہیں۔ اسی ہنگامے میں دلہن کی کوئی بہن دولہا کا جوتا غائب کر دیتی ہے جو مطالبے کی رقم ادا کرنے کے بعد ملتا ہے اس رقم کو نیگ کہتے ہیں۔ یہ رقم دولہن کی بہنوں میں مساوی تقسیم ہو جاتی ہے۔ اسی دن دولہا صاحب بھی کھانے سے قبل عموماً اپنے خسر سے کوئی فرمائش کرتے ہیں جو پوری ہونے کے بعد وہ کھانا نوش فرمانا شروع کرتے ہیں۔ چوتھی کے روز دلہن کو خاص طریقے سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ اس کو پھولوں کا گہنا پہنایا جاتا ہے، خصوصی جوڑا جس کو چوتھی کا جوڑا ہی کہا جاتا ہے زیب تن کرایا جاتا ہے اور

دولہن کو خوشبوؤں سے بسایا جاتا ہے۔ اس روز کی سیج دھج اتنی رنگین اور نکھرا ہوتی ہے کہ دولہن کے حسن کو اس درجہ چار چاند لگا دیتی ہے کہ خوبصورتی اور سیج دھج کے لیے چوتھی کی دولہن کی مثال دی جاتی ہے۔

کوئی جو رہیاں کھیلنے چوتھی آئی
بوئے گل لے کے جو پھولوں کی چھڑی تجھ پر لڑی

(انشا)

چور کی داڑھی میں تنکا — کہتے ہیں کہ ایک قاضی چند مشکوک لوگوں سے چوری کا اعتراف کرانے کے سلسلے میں کافی پریشان رہا لیکن کسی نے بھی اقبال جرم نہ کیا۔ بالآخر اس کو نفسیاتی نکتہ سوجھ گیا۔ اس نے تمام مشتبہ آدمیوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا اور کہنے لگا کہ تم لوگوں میں چور وہی ہے جس کی داڑھی میں تنکا پھنسا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی اصل چور کا ہاتھ فطری طور پر اس کی داڑھی تک پہونچ گیا اور اس طرح چور کی شناخت ہو گئی۔

چھلاوہ — اس آسیب کو کہتے ہیں جو قبرستانوں یا شمشانوں میں آگ کے شعلے کی طرح اچانک نظر آتا ہے اور اس کے بعد نظروں سے غائب ہو کر پھر کسی دوسری جگہ نمودار ہو جاتا ہے۔ اس کو اگیا بیتال بھی کہتے ہیں۔ یہ آسیبی شعلہ اسی طرح جلتا بجھتا کبھی کبھی کچھ دور تک ساتھ بھی چلتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شمشان اور قبرستان میں مردوں کی ہڈیوں سے پیدا ہونے والے فاسفورس سے شعلہ پیدا ہوتا ہے جس کو کمزور دل کے لوگ آسیب سمجھ لیتے ہیں۔

جھوٹ نہیں سچے ہو اس دیر میں اسے یارو
مجھ کو بھی چھلاوا سا اک بار نظر آیا

(مصحفی)

ح

حاتم طائی — یمن کے ایک بہت ہی مقتدر اور نامور قبیلۂ طے کا یہ ایک انتہائی بہادر اور دولت مند شخص تھا جو اپنے قبیلے کی نسبت سے حاتم طائی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ شخص شاعر بھی تھا اور سخن فہم بھی لیکن حاتم کی شہرت اس کی دریا دلی اور سخاوت کے سبب اس درجہ پھیلی کہ زبان زد خاص و عام ہو گئی۔ حاتم حد درجہ مہمان نواز واقع ہوا تھا۔ اس کا پیشہ تجارت تھا، بالخصوص گھوڑوں کی تجارت۔ اس کی مہمان نوازی اس درجہ عروج پہ تھی کہ ایک مرتبہ اس نے اپنا ایک ایسا گھوڑا مہمان مسافر کو ذبح کر کے کھلا دیا جس کے لیے بڑے بڑے شہسوار خواستگار تھے اور خود حاتم کو وہ گھوڑا بے حد عزیز تھا۔ جب حاتم اپنے مہمان کی تواضع کر چکا تو معلوم ہوا کہ وہ مسافر بادشاہ کا فرستادہ تھا اور اسی گھوڑے کی شہرت سن کر اس کی تلاش میں آیا تھا۔

حاتم کی دریا دلی اور سخاوت نے اس کی مقبولیت میں اس درجہ اضافہ کر دیا تھا کہ نوفل بادشاہِ عرب کو اس کا وجود کھٹکنے لگا۔ وہ اس کی جان کا دشمن ہو گیا اور اس نے حاتم کی گرفتاری پر انعام مقرر کر دیا۔ نتیجے میں حاتم روپوش ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ جس جنگل میں حاتم روپوش تھا وہاں ایک غریب لکڑہارا جو ضعیف ہو چکا تھا اپنی بیوی کے ساتھ لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ محنت و مشقت اور

گرمی کی شدت سے دونوں بے حد پریشان تھے۔ بیوی نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش حاتم ہمارے ہاتھ آجائے تو اس کو پکڑ کے بادشاہ کے روبرو پیش کردیں اور جو انعام ملے اس سے سارا بوڑھاپا آرام سے کٹ جائے۔ شوہر نے بھی اسی حسرت سے کہا کہ ہماری ایسی قسمت کہاں اگر اتنے ہی خوش نصیب ہوتے تو کسی اچھے گھر میں نہ پیدا ہوتے۔ حاتم، دونوں کی باتیں سن کر ان کے سامنے آگیا اور کہا کہ میں حاتم ہوں۔ اگر میری گرفتاری سے تم خوش حال ہوسکتے ہو تو مجھے پکڑ کر بادشاہ کے روبرو لے چلو۔

اسی طرح حاتم کے بارے میں نہ جانے کتنی ہی حکایتیں موجود ہیں۔ حاتم کا انتقال سنہ ۵۷۸ھ میں ہوا۔

حاتم طائی مذہباً عیسائی تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا نیز دیگر سرداران قبیلۂ طے بھی عیسائی ہوئے۔ ان لوگوں کو بھی دیگر سلاطین عرب ہی کی طرح آمدنی کا چوتھا حصہ ملا کرتا تھا جب اسلامی افواج یمن میں داخل ہوئیں تو حاتم کا بیٹا اور دیگر سرداران قبیلۂ طے بھاگ کر شام چلے گئے لیکن حاتم کی لڑکی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں اور مدینے لائی گئیں۔ ان کو جب حضور سرور کائنات کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اپنے والد حاتم طائی کی سخاوت، شرافت اور دریا دلی کا واسطہ دے کر حضور اکرم سے رہائی کی درخواست کی اور حاتم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ رحمت اللعالمین نے حاتم کی منزلت کا خیال کرتے ہوئے اس کی لڑکی کے ساتھ انتہائی عزت و احترام کا برتاؤ کیا اور اس کو رہا کردیا۔

بھلا حاتم کو تیری بخشش و ہمت سے کیا نسبت
کہ تو ہے شاہِ شاہاں، حاتم طے مردِ دہقانی (سید علی حسن شاہ تمیز)

بچی جو تجھ سے سخاوت ملی وہ حاتم کو
کہ وہ بھی ہاتھ اٹھائے تھا ساعتِ تعظیم
(حلیم اللہ خاں حفا)

حاضرات ۔ وہ عمل جس کے ذریعے کھوئے ہوئے یا چوری گئے سامان نیز لاپتہ شخص کا پتہ چلایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حاضرات کا عامل نخب کے بارہ بجے چالیس روز تک دریا میں کھڑا ہو کر چلہ کھینچتا ہے اور جب عمل کامیاب ہوجاتا ہے تو ایک کاجل تیار کیا جاتا ہے جو حاضرات کے کام آتا ہے۔ جب عمل کا وقت آتا ہے تو کسی جگہ کو خوب پاک صاف کرکے ایک کم عمر بچے کو پاک صاف کپڑے پہنا کر بٹھاتے ہیں۔ خوشبوئیں لگائی جاتی ہیں۔ اگربتیاں روشن کی جاتی ہیں نذر دی جاتی ہے اور بچے کے داہنے ہاتھ کے ناخن پر کاجل لگایا جاتا ہے اور بچے سے کہا جاتا ہے کہ وہ عامل کے کہے ہوئے الفاظ کو دہراتا رہے اور اس ناخن کی جانب دیکھتا رہے۔ عامل کہتا ہے فراش کو بلاؤ، فرش لگاؤ، تخت بچھاؤ، جناتوں کے بادشاہ کو بلاؤ وغیرہ وغیرہ اور جب بچہ بتاتا ہے کہ وہ سب کچھ فراہم ہوگیا جس کا حکم دیا گیا تھا تو مقصد بتایا جاتا ہے کہتے ہیں کہ بچے کو کھویا ہوا یا مسروقہ سامان مع چور کے نظر آجاتا ہے یا لاپتہ شخص جس حالت میں ہوتا ہے دکھائی دے جاتا ہے۔ یہ سارے مناظر کاجل لگے ہوئے انگوٹھے میں سنیما کے کسی سین کی طرح نظر آتے ہیں حاضرات کا عمل چراغ کی لو یا انگوٹھی کے نگینے کے ذریعے بھی کیا جاتا ہے مگر معمول ہمیشہ بہت ہی کم عمر اور معصوم بچہ ہوتا ہے۔

حدی ۔ عرب کے شتربان دوران سفر جو نغمہ گاتے تھے وہ حدی کہلاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان نغموں سے اونٹ بہت محظوظ ہوتے تھے، ان کی تکان دور ہوتی تھی اور وہ چست رہتے تھے۔

حر ۔ یزیدی لشکر کا ایک اعلیٰ مرتبت افسر تھا۔ حضرت امام حسین کے قافلے نے دوران سفر ایک مرتبہ حر کے لشکر کو سیراب کیا تھا جو پیاس سے پریشان تھا لیکن جب امام حسینؑ کا قافلہ کربلا کے بے آب وگیاہ میدان میں پہونچا تو حر نے راستہ روک لیا اور اسی بے آب وگیاہ میدان پر ٹھہر جانے کا یزیدی حکم سنایا جب شب عاشور حر نے یہ محسوس کیا کہ یزیدی لشکر کے تیور خراب ہیں اور وہ کسی قسم کی صلح وآشتی کی بات کرنے کے بجائے نواسہ رسولؐ کے قتل کے در پے ہیں تو حر کو نہ صرف اپنے طرز عمل پر بے حد تاسف ہوا بلکہ وہ صبح ہوتے ہی اپنے فرزند کے ہمراہ احساس گناہ اور شرمندگی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس نے اپنے طرز عمل کے لیے معافی مانگی اور اس کے بعد امام حسینؑ کی جانب سے شہید ہونے والوں میں سب سے پہلے منصب شہادت پر فائز ہوا۔

حرم ۔ خانہ کعبہ کی چار دیواری کو حرم کہتے ہیں جس کے احاطہ میں کسی جاندار کو مارنا حرام ہے۔

وقت رخصت دم بدم دیکھا کئے
جانب باب حرم دیکھا کئے
(نائر حرم حمید صدیقی)

حرم ۔ بادشاہوں، راجاؤں، نوابوں نیز شرفا کی بیبیوں کو حرم کہا جاتا تھا۔ ان میں وہ کنیزیں بھی شامل ہوتی تھیں جن سے جسمانی تعلقات قائم ہو جاتے تھے۔ بعض بادشاہوں اور نوابین میں ان کی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔

گھر کر و لونڈی کے دل میں حج کی کیا حاجت تھیں
ہے حرم گھر میں میاں کعبے نہ جانا چاہیے
(رمانزمین)

پھرے کیوں کر نہ البیلی کھلی بانکی
دوگانا ہے حرم ننھے میاں کی
(رنگین)

حسنِ یوسف ۔ جناب یوسف کی عمر اس وقت سات یا گیارہ سال کی تھی جب ان کو عزیز مصر نے خرید کر اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کا خیال رکھنا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ بچہ ہمارے کام آئے اور ہم اس کو اپنا فرزند بنالیں لیکن جب جناب یوسف بلوغ کی سرحد پر پہونچے تو ان کی وجاہت اور ان کا حسن ایسا نکھرا کہ زلیخا خود ہی ان پر ہزار جان سے فریفتہ ہو گئی۔ عمر کے فرق کے باوجود عزیز مصر کی بیوی ہمہ وقت یوسف کو حاصل کرنے کے لیے بیتاب رہتی تھی اور ایک دن جب تاب صبر نہ رہی تو اس نے جناب یوسف کو ایک کمرے میں بلا کر سارے دروازے بند کر دیئے اور ان کو زبردستی پکڑ لیا۔ جناب یوسف خود کو اس کی گرفت سے چھڑا کر بھاگے تو اس نے ان کا دامن پکڑ کر گھسیٹا جو پھٹ گیا اور وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گئے۔ اسی وقت وہاں عزیز مصر آگیا اور اس نے جب ان دونوں کو اس حال میں دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے فوراً اپنی بے گناہی بیان کرنا شروع کر دی اور جناب یوسف پر ساری تہمت رکھ کر یہ بھی مشورہ دے دیا کہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے اور بہت ہی عبرت ناک سزا دی جائے۔ اس وقت ماحول اور حالات جناب یوسف کے سراسر خلاف تھے چنانچہ انہوں نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ایک

ایسے بچے کو منتخب کیا جس کو بولنا بھی نہیں آتا تھا لیکن وہ بچہ گویا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اگر دامنِ یوسف آگے سے چاک ہے تو یقیناً خطا یوسف کی ہے اور اگر دامن پشت سے پھٹا ہے تو زلیخا خطا وار ہیں۔ بہر حال بات آئی گئی ہو گئی اور عزیز مصر نے بھی کوشش کی کہ بات چھپ جائے لیکن دھیرے دھیرے اس واقعے کی شہرت ہونے لگی اور ہر طرف عورتوں میں تذکرہ شروع ہو گیا کہ عزیز مصر کی بیوی کو اپنے غلام سے عشق ہو گیا ہے اور وہ اس کو اپنی جانب مائل کرنا چاہتی ہے۔

یہ اطلاع جب زلیخا تک آئی تو اس نے ایک محفل آراستہ کی اور ان تمام عورتوں کو بلا کر ان کی ضیافت کا سامان کیا جو زلیخا پر طعنہ زن رہتی تھیں پھر اس نے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک تیز دھار دار چاقو اور ایک پھل دے کر کہا کہ جب یوسف اس بزم میں آئیں تو اسی وقت اس پھل کو کاٹ دینا۔ جناب یوسف کو حکم دیا گیا کہ وہ اس بزم سے ہو کر گزر جائیں۔ جناب یوسف نے حکم کی تعمیل کی تمام عورتوں کی نظر جیسے ہی جمالِ یوسف پر پڑی تو وہ ان کی زیبائی اور حسن سے اس درجہ متاثر ہوئیں کہ پھلوں کے عوض اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا۔ عزیز مصر کی بیوی نے ان سے کہا کہ اب کیا کہتی ہو۔ تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں لیکن تم لوگ خود ہی ہوش کھو بیٹھیں۔ تمام زنانِ مصر، محفل سے چلی تو گئیں لیکن مسلسل قاصدوں کے ذریعہ جناب یوسف سے ملاقات کی ملتجی ہیں جناب یوسف سے زلیخا کے عشق کا شہرہ جب بہت زیادہ ہو گیا تو عزیز مصر نے ان کو زندان میں قید کرا دیا باوجودیکہ اس کو معلوم تھا کہ یوسف بے خطا ہیں۔

پہونچا ہے اب تو حسن کا رتبہ یہاں تلک
انگشت بول اٹھتے ہیں یوسف کے نام پر

(اسیر)

"حسینؑ۔ اسم گرامی حسین و شبیر، کنیت ابو عبد اللہ، لقب ریحانۃ النبی رسول کریمؐ کے نواسے اور حضرت علی کے فرزند اصغر تھے۔ ولادت جنوری ۶۲۶ء میں مدینے میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ کے بعد جب ان کا لڑکا یزید تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت امام حسین سے اپنی بیعت چاہی۔ آپ نے انکار کیا کیونکہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ حضرت امام حسین سنہ ۶۰ھ (۶۸۰ء) میں مع اہل و عیال کے مکہ تشریف لائے۔ یہاں اہل کوفہ کی جانب سے متعدد خطوط پہونچے کہ آپ یہاں آکر ہمیں یزید کے مظالم سے نجات دلائیے اور اپنی بیعت سے مشرف کیجیے امام حسینؑ کو قبول کی دعوت پر مع اپنے جاں نثاروں اور اہل و عیال کے جو بہتر نفوس پر مشتمل تھے کوفے روانہ ہو گئے۔ مگر راستے میں ہی جناب مسلم کی شہادت کی خبر ملی جن کو انہوں نے اپنا ایلچی بنا کر پہلے روانہ کیا تھا۔ اہل کوفہ کی نیت ظاہر ہو چکی تھی کہ راستے میں ہی کربلا کے میدان میں ان کا راستہ روک لیا گیا اور اس بے آب و گیاہ سرزمین پر خیمہ زن ہونا پڑا جہاں یزید کی فوج کے ساتھ معرکہ کرب و بلا پیش آیا۔ آپ نے حق کے لیے جنگ کی اور اپنے اعزا کی، انصار کی اور اپنی قربانی دے کر حق کو سربلند کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ (۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء) بروز جمعہ پیش آیا تھا۔"

تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ج ۲، صفحہ ۴۵/۵۹۔
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ صفحہ ۲۲۹ تلمیحات و اشاراتِ اقبال۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

(جوشؔ)

حوا ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اہلیہ اور تمام بنی نوع انسانوں کی ماں جن کو شیطان نے بہکا کر شجر ممنوعہ کا پھل کھانے پر مجبور کر دیا تھا اور اسکے بعد انہوں نے حضرت آدم کو بھی وہی پھل کھلایا جس کے سبب عذاب الہیٰ نازل ہوا اور دونوں کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو جنت عدن)

حور ۔ وہ انتہائی حسین و جمیل کم عمر لڑکیاں جو بہشت میں ہوں گی۔ گوری رنگت، سیاہ بال اور سیاہ پتلیوں والی، بے مثال دلکشی و زیبائی کی مالک۔ یہ لڑکیاں ان لوگوں کی خدمت پر مامور ہوں گی جن کو ان کے نیک اعمال کے سبب بہشت میں بھیجا جائے گا۔

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں
(غالب)

خ

خاتم الانبیا ۔ مسلمانوں کے آخری نبی۔ سرور کائنات حضرت محمدؐ کا لقب ہے کیونکہ وہ سب نبیوں کے سردار ہیں۔ ختم المرسلین ہیں اور اب ان کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آپ کا نور اس وقت بھی تھا جب لوح و قلم، عرش و کرسی، سورج چاند، زمین آسمان کچھ بھی نہ تھے اور آپ کا نور اس وقت بھی رہے گا جب سب کچھ فنا ہو جائے گا۔

قریش کے قبیلے بنو ہاشم میں حضرت محمدؐ پیر کے دن ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو مطابق ۱۲/ یا ۹، ربیع الاول صبح صادق کے وقت مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبداللہ تھا اور والدہ ماجدہ کا نام نامی آمنہ تھا آپ بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد کا مدینے کی راہ میں انتقال ہو گیا اور بہت کم عمری ہی کے زمانے میں والدہ مطہرہ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی پرورش آپ کے چچا جناب ابوطالب نے فرمائی اور حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔

حضور سرور کائنات عہد طفلی ہی سے انتہائی امین، راست گو اور امین تھے یہی سبب تھا کہ اہل قریش ان کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔

چالیس سال کے سن مبارک میں حضور اکرم نے رسالت کا اعلان فرمایا اور غار حرا کی بلندی سے دنیا کو ایک خدا کی بندگی کا پیغام دیتے ہوئے بت پرستی

سے منع کیا۔

خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایمان لائیں جن کے ساتھ رسول مقبولؐ کا عقد ہوا اور آپ کی صاحبزادی جناب فاطمہ زہرا سے سادات کی نسل چلی۔

حضرت رسالتمآبؐ کے پاس جبرئیل امین، خدائے بزرگ و برتر کے جو پیغامات لے کر آتے تھے انھیں کا مجموعہ قرآن شریف ہے جو مسلمانوں کی سب سے متبرک اور محترم کتاب بھی ہے اور صحیفۂ قانون بھی ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضرت محمدؐ کے احکامات پر چلنے والے، ان کے بتلائے ہوئے اصولوں کو ماننے والے، ان کی کتاب قرآن حکیم پر ایمان رکھنے والے اور حضور کو خاتم النبیین ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں اور حضور اکرمؐ کے بتلائے ہوئے اصولِ حیات کو اسلام کہتے ہیں۔

خاتمِ سلیماں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر گذرے ہیں۔ جن کو اللہ نے ایسی حکومت عطا فرمائی تھی جو نہ تو اس سے قبل کسی کو ملی تھی اور نہ اس کے بعد ملے گی۔ جن ان کے طابع تھے، ہوا پیمان کی حکمرانی تھی، چرند پرند ان سے گفتگو کرتے تھے، ہوا ان کے احکامات پر چلتی تھی اور اپنے دوش پر ان کے تخت کو پرواز کراتی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ جو انگوٹھی پہنتے تھے اس پر اسم اعظم کندہ تھا جس کے سبب یہ برکتیں حاصل تھیں۔

اعتبار اصلا نہیں گرچہ جہاں زیرِ نگیں
اٹھ گیا دنیا سے خاتم کو سلیماں چھوڑ کر

(ناسخ)

خاتونِ جنت۔ حضرت فاطمہ علیہ السلام کا لقب ہے جو حضرت

خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے رسول اکرمؐ کی صاحبزادی تھیں۔ حضور نے آپ کا عقد حضرت علیؑ سے فرمایا تھا جن سے سادات کی نسل چلی۔ سرورِ کائناتؐ حضرت فاطمہ کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ آپ جنت میں تمام خواتین کی سردار ہوں گی۔

خاکِ پاک، خاکِ شفا۔ مکہ معظمہ، خانہ کعبہ اور کربلائے معلیٰ کی خاک کو خاکِ شفا یا خاکِ پاک کہتے ہیں۔

آسکتے ہیں لحد میں فرشتے عذاب کے!
دیکھیں گے جب کفن میں ہے خاکِ شفا لگی

(رند)

رکھ دو خاکِ درِ شبیر کفن میں میرے
عرش والے بھی اسے خاکِ شفا کہتے ہیں

خالی کا مہینہ۔ عورتوں کی اصطلاح میں ذیقعدہ کے مہینے کو خالی کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے نور جہاں کو اس نام کا موجد بتایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذیقعدہ کے معنے صاحب قیام کے ہیں اس لیے اہلِ عرب اس مہینے کو جنگ و جدل سے خالی رکھ کر اپنے گھروں میں بیٹھ جایا کرتے تھے اس مناسبت سے نور جہاں نے اس کا نام خالی رکھ دیا اور یہاں تک اس لفظ کا اثر ہوا کہ اس مہینے میں شادی کی رسمیں بھی ادا ہونی موقوف ہو گئیں اور اسے منحوس خیال کرنے لگے۔

کر گیا ہے مری آغوش کو جاناں خالی
اس مہینے کو بجا کہتے ہیں انساں خالی

(ناسخ)

میری آغوش کو کرتا ہے وہ خالی ہر سال
کبھی جاتا نہیں خالی کا مہینہ خالی
(ناسخ)

خرِ عیسیٰ — وہ گدھا جس پر حضرت عیسیٰ سواری کرتے تھے
(ملاحظہ ہو عیسیٰ)

خسرو پرویز — ایران کا بادشاہ، ہرمز کا بیٹا اور نوشیروان کا پوتا تھا جس کا نام حسن شیریں اور مرگ فرہاد کے سبب افسانوی اہمیت حاصل کر گیا۔ ایران کا یہ بادشاہ حسن تدبر اور شجاعت و جوانمردی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے اپنے صرف ۳۸ سالہ دورِ حکومت میں مختلف کارہائے نمایاں انجام دیے لیکن بعد میں اس کی عیش پرستی اس کے زوال کا سبب بن گئی اور ۶۲۸ء میں اس کے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں اس کا قتل ہو گیا۔

پرویز کے عہد حکومت میں جو مشہور چیزیں موجود تھیں ان میں فریدوں سے ورثے میں ملا ہوا تخت طاقدیس قابل ذکر تھا۔ اس تخت کی لمبائی ۱۸۰ گز اور چوڑائی ۱۲۰ گز تھی۔ یہ تخت مختلف قسم کے بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھا۔ اس تخت کو اس حکمت عملی سے تیار کیا گیا تھا کہ بارہ برجوں اور ساتوں سیاروں کے حالات اس سے معلوم ہوتے رہتے تھے۔ اس کے پاس سو خزانے اور حرم میں دس ہزار خوبصورت عورتیں تھیں پچاس ہزار سواری کے لاجواب گھوڑے اور ایک سفید ہاتھی تھا۔

اس زمانے میں ملک ارمن میں مہین بانو حکمراں تھی جس کا دار الحکومت بردع تھا۔ مہین بانو کی بھتیجی شیریں اپنی خوبصورتی میں لاجواب تھی اور اس کے حسن کا دور دور تک شہرہ تھا۔ خسرو کے ایک مصاحب خاص اور باکمال مصور شاپور نے، خسرو پرویز کی مختلف تصاویر بنائیں اور ان کو کمال دانشمندی سے شیریں کی نگاہوں تک پہنچا دیا۔

شیریں ان تصاویر پر فریفتہ ہو گئی اور بالآخر شاپور نے اس کی ملاقات خسرو پرویز سے کرا دی۔ شیریں کو مہین بانو نے اونچ نیچ بتائی اور سمجھایا کہ خسرو کے محل میں اس وقت بھی دس ہزار حسینائیں موجود ہیں۔ چند دن کے بعد اس کا دل تم سے بھر جائے گا۔

غرضیکہ حالات — تغیر و تبدل نے معاملات کو کچھ دن کے لیے معطل کر دیا مگر خسرو کی بیوی مریم کے انتقال کے بعد اس نے شیریں سے شادی کر لی۔ شیریں کے حسن کے شیدائیوں میں فرہاد کا نام تو سرِ فہرست ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ پرویز کے بیٹے شیرویہ نے باپ کو شیریں ہی کے حصول کی خاطر قتل کیا تھا لیکن شیریں نے یہ گوارا نہ کیا وہ خسرو پرویز کے بیٹے کی کنیز بن کر رہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ وہ پرویز کی قبر پر پہنچی اور وہیں اپنے سینے میں خنجر گھونپ کر جان دے دی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ——

خضر — حضرت خضر ایک مشہور پیغمبر گذرے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حیاتِ ابدی حاصل کر چکے ہیں اور ویرانوں میں بھی راہ گم کردہ مسافروں کو راستہ بتاتے ہیں۔ جناب خضر کے بارے میں یہ بھی روایت ہے کہ وہ پیغمبر مرسل تھے اور خداوند تعالےٰ نے ان کو ایک قوم کی جانب مبعوث کیا تھا۔ وہ قوم کو یگانہ پرستی کی جانب متوجہ کرتے تھے اور کتابہائے خدا کی جانب بلاتے تھے۔

ابن بابویہ نے بیان کیا ہے کہ خضر کا نام خضرویہ تھا اور وہ قابیل بن آدم کے فرزند تھے۔ بعض کا قول ہے کہ ان کا نام خضرون اور بعض نے خلیعا بیان کیا ہے۔ ان کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ جہاں بیٹھ جاتے تھے۔ وہ زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی تھی۔ جناب خضر کی عمر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ ہے۔ ویسے خضر کا نام تالیا بن ملکان بن عابر بن ارفخشد بن سام بن نوح بھی ہے۔ جناب خضر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قیامت تک زندہ رہیں

گے۔ روایت ہے کہ جناب موسیٰ حکم خداوندی کی تعمیل میں جناب خضر سے ملے
تھے اور وہ ان کو چشمۂ حیات تک لے گئے تھے۔ جناب خضر نے ذوالقرنین کو بھی بحر ظلمات
کی سیر کرائی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سکندر کی ملاقات بھی جناب خضر سے ہوئی
تھی اور وہ اس کو بھی چشمۂ حیوان تک لے گئے تھے۔

چلے جو آگے بتانے تری گلی کی راہ
میں آج خضر سے بھی سخت بدگمان ہوا
(امیر مینائی)

حضرت خضر جب شہید نہ ہوں
لطف عمر دراز کیا جانیں
(داغ)

خلیل اللہ۔ حضرت ابراہیم کا لقب ہے (ملاحظہ ہوں واقعات حضرت ابراہیم)

خیام۔ خیام کا نام عمر تھا اور اصلاً خیمہ دوز تھا اس اعتبار سے عمر
خیام کہلایا۔ کنیت ابوالفتح اور ابوحفص لقب غیاث الدین اور باپ کا نام
ابراہیم تھا۔ عمر خیام ۱۰۵۰ء میں نیشاپور میں پیدا ہوا تھا اور حسن بن صباح کا
ہم عصر تھا وہ ایک بہت اعلیٰ پائے کا حکیم، ہیئت داں اور علوم فلسفہ میں مستند
حیثیت کا مالک تھا۔ حکمت و ہندسہ سے متعلق علوم سے متعلق اس کی کئی تصانیف
موجود ہیں لیکن عمر خیام کی شہرت بحیثیت شاعر کے ہوئی۔ اس کی رباعیات اپنے خاص
رنگ اور انداز فکر کے اعتبار سے حد درجہ مقبول ہوئیں اور تقریباً دنیا کی ہر زبان میں
ان کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ۱۱۲۳ء یا ۱۱۲۱ء میں عمر خیام نے انتقال کیا۔

د

دارا۔ فارس کا ایک نامور بادشاہ گذرا ہے جس کے تزک و احتشام
اور مال و دولت کی مثال دی جاتی ہے۔ دارا کیانی سلسلے کا نواں بادشاہ
تھا۔ ۳۳۱ ق۔م میں جب سکندر اعظم نے فوج کشی کی تو باوجودیکہ دارا کے
پاس کثیر تعداد میں فوج موجود تھی مگر پھر بھی اس کو شکست ہوئی اور قتل
کر دیا گیا جس کے بعد اس کی حکومت نیز مال و دولت سکندر کے ہاتھ آئی۔

عاشق عزلت ہے دل، نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں
خندہ زن ہوں مسند دارا و اسکندر پہ میں

داؤد۔ جناب داؤد پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آپ کا دور حکومت
۱۰۱۳ ق م تا ۹۷۳ ق م بتایا جاتا ہے۔ جناب داؤد پر زبور نازل ہوئی
تھی اس کے علاوہ قدرت نے آپ کو دو معجزے عطا فرمائے تھے ایک تو خوش الحانی
اور دوسرا معجزہ یہ تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر موم کی طرح نرم ہو جاتا
تھا۔ جناب داؤد جب زبور کی تلاوت کرتے تھے تو ان کے لحن کی دلکشی
نہ صرف انسانوں کو مسحور کر دیتی تھی بلکہ چرند و پرند بھی ان کے قریب آکر
تلاوت سننے لگتے تھے۔

جناب داؤد اپنی مملکت میں رعایا کا حد درجہ خیال رکھتے تھے اور

راتوں کو گلیوں کوچوں میں گشت کرکے حالات معلوم کیا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے ایسے ہی موقع پر کسی نے کہا کہ داؤد میں ساری باتیں اچھی ہیں مگر ایک خرابی ضرور ہے کہ وہ اپنا ذاتی خرچ بھی بیت المال سے چلاتے ہیں۔ رعایا کے ایک عام آدمی سے یہ تنقید سن کر جناب داؤد سناٹے میں آگئے۔ ان پر اس بات کا بے حد اثر ہوا اور خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو کوئی ایسا ہنر عطا کر دے جس سے وہ اپنا خرچ چلا سکیں اور بیت المال سے کچھ نہ لیں۔ اللہ کو جناب داؤد کی یہ ادا پسند آگئی اور اس نے ان کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں آکر موم کے مانند نرم ہونے لگا۔ چنانچہ جناب داؤد نے زرہ بنا کر اپنا خرچ چلانا شروع کر دیا اور اسکے بعد بیت المال سے کبھی کچھ نہ لیا۔

جناب داؤد نے اپنی معروفیت کو بھی اس طرح تقسیم کیا تھا کہ ایک روز پند و نصائح فرماتے، ایک روز گوشہ عافیت میں اعتکاف فرماتے، ایک روز امور خانہ داری میں گذارتے اور باقی ایام انتظام حکومت اور لوگوں کی داد رسی میں صرف کرتے۔

جناب داؤد پر ایک دھبہ بھی بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اُوریا کو شہید کرا کے اس کی بیوی سے عقد کر لیا تھا۔ مگر اس امر کو بھی امر ربی کہتے ہیں تاکہ ان کی پارسائی کا غرور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ جب جناب داؤد کو اپنی لغزش کا احساس ہوا تو اس درجہ روئے کہ جس زمین پر ان کے آنسو گرتے رہے وہاں گھاس اگ آئی۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ قوم بنی اسرائیل کو گمراہی نے گھیر لیا اور انکی سرکشی حد سے بڑھ گئی۔ جب یہ لوگ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے تو جناب داؤد کی بد دعا سے اللہ نے اس نافرمان قوم کو حکم دیا کہ اپنی سزا کے لیے تین عذابوں میں سے ایک

عذاب ——— منتخب کرلیں چنانچہ ان لوگوں نے اپنے لیے طاعون کے عذاب کو منتخب کیا اور اس وبا سے پانچ پہر میں ایک لاکھ ستر ہزار بنی اسرائیل فوت ہو گئے۔ جب وبا کی شکل میں نازل ہونے والا یہ عذاب ختم ہوا تو جناب داؤد نے شکر خداوندی کے بطور مسجد اقصےٰ کی بنیاد ڈالی۔

موم کی طرح پگھل جائے گا شب کا آہن
دستِ داؤد کی تاثیر خدا سے مانگو

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد

دجال۔ اہل اسلام کے عقیدے کے مطابق یہ شخص قیامت سے کچھ قبل دریائے دجلہ سے پیدا ہو کر اصفہان سے ظہور کرے گا۔ یہ بہت بڑا کافر اور یک چشم ہوگا اسکے کفر کا یہ عالم ہوگا کہ پیشانی پر بھی کافر لکھا ہوگا جو اہل ایمان حضرات کو بوجہ بصیرت ایمانی صاف نظر آئے گا یہ شخص الوہیت کا مدعی ہوگا اور بہت سے مافوق الفطرت شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی الوہیت کا مدعی کرے گا اور صرف تین ہی دن میں سارے عالم پر قابض ہو کر گمراہی پھیلائے گا۔

اس کی یہ کیفیت دیکھ کر آسمان سے حضرت عیسیٰ زمین پر تشریف لائیں گے اور سر من رائے، غار سے حضرت امام مہدی آخرالزماںؑ تشریف لاکر ظہور فرمائیں گے اور اس فتنے کو ہلاک کریں گے۔

درِ خیبر۔ ۷ھ (۶۲۸ء) میں خیبر پر لشکر کشی ہوئی جہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا فتح کرنا آسان کام نہیں تھا۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد حضرت عمر اس مہم پر روانہ ہوئے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر حضرت علی نے اس قلعہ کو فتح کیا۔"

(حاجی معین الدین ندوی۔ خلفائے راشدین) صفحہ ۲۷۹-۲۸۰

خیبر سے الاماں کی صدا اب بھی ہے بلند
روداد زور بازوے حیدر نہ پوچھیے

درفش کاویانی۔ ایرانی پرچم کو درفش کاویانی کہتے تھے۔ اس پرچم کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ضحاک نامی ظالم و جابر بادشاہ کے مظالم کی حد جب ہو چکی اور اس کی سلطنت کے ایک ہزار سال گذر چکے تو ایک لوہار نے جس کا نام کاوہ تھا، اپنے چمڑے کا پیش بند ایک نیزے پر بلند کر کے اس کو پرچم کی شکل دی جو فریدوں کے لشکر کا پرچم قرار پایا۔ اور بالآخر فریدوں نے ضحاک کو شکست دے کر اس کی ظالم حکومت کا خاتمہ کیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ضحاک) یہ پرچم ایرانی افواج اپنے لیے فالِ نیک سمجھتی تھیں اور اس کی اس درجہ قدر و منزلت کی جاتی تھی کہ ہر بادشاہ نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں اس پر جواہرات لگائے جن کی تعداد اتنی ہو گئی تھی کہ یہ پرچم بجائے خود عجوبہ روزگار بن گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی پرچم میں کچھ ایسی شکلیں یا بند سے بنے ہوئے تھے جو فتح یابی کے طلسم کے بطور بنا ئے۔

جب ۶۳۶ء میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں عربوں نے قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں کو شکست دی تو یہ پرچم درفش کاویانی ان کے ہاتھ آیا تھا۔

چوں درفش کاویانی چاک شد
آتشِ اولادِ ساساں خاک شد

دقیانوس۔ اس بادشاہ کا نام تھا جس کے مظالم سے پریشان ہو کر اصحاب کہف غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ ابتدا میں صرف فارس تک اس کی حکمرانی تھی لیکن بعد میں روم مداین اور بابل وغیرہ پر بھی اس کا قبضہ

ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ حضرت عیسٰی اور جالینوس کا ہمعصر تھا۔

دلدل۔ وہ تاریخی سیاہی مائل گھوڑا جو اسکندریہ کے بادشاہ نے حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں بطور تحفہ ارسال کیا تھا اور حضور نے حضرت علی کو مرحمت فرما دیا تھا۔ یہی گھوڑا روزِ عاشور کربلا میں امام حسینؑ کی سواری تھا اسکو ذوالجناح بھی کہتے ہیں عاشور کو یہ گھوڑا بھی حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ تیروں اور تلواروں سے زخمی ہوا تھا۔ محرم کے ماتمی جلوسوں میں اسکی بھی شبیہہ نکالی جاتی ہے۔

وصفِ دلدل ہے مرے مطلعِ ثانی کی بہار
جنت نقشِ قدم سے ہوں میں اسکے گل چیں
(غالب)

دوزخ۔ عذاب کے وہ ساتوں طبقے جو گنہگاروں کی سزا کے لیے مخصوص ہیں۔ جہاں مستقل آگ دہک رہی ہے۔

ہمارا دل ہے گلشن داغہائے سوزِ ہجراں کا
ہمیں دوزخ سے حاصل ہو تماشا باغِ رضواں کا
(میر عیوض علی عادل)

ہوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ دیں واعظ کو سن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذابِ ہجرِ صنم نہ ہوتا
(مومن)

دیوارِ چین۔ ایک مشہور دیوار ہے جو تاتار اور ختا کی سرحد پر واقع ہے اس کی لمبائی کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ کسی نے اس کی لمبائی آٹھ سو کوس اور کسی نے تین ہزار میل اور کسی نے ساڑھے بارہ سو میل بتائی ہے۔ اسکی

تعمیر کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ جب تاتاریوں نے ختائیوں پر بار بار حملے کرکے ان کو عاجز اور پریشان کر دیا تو فغفور چینگ وانگ نے اس کی بنیاد ڈالی اور پانچ سال میں یہ مکمل ہو گئی۔

یہ دیوار اونچے اونچے پہاڑوں پر بنتی چلی گئی ہے اور بعض جگہ دریاؤں پر اس کے لیے بڑے بڑے پل باندھے گئے ہیں جو بہت ہی حیرت انگیز ہیں آٹھ سو کوس تک یہ دیوار تیس گز بلند ہے۔ اور اتنی چوڑی ہے کہ چھ گھوڑسوار آسانی سے برابر اس پر دوڑ سکتے ہیں۔ سو سو قدم پر دو منزلہ اور سہ منزلہ برج بنے ہیں۔ تاتاری حکومت سے قبل ان بروج پر توپیں رکھی رہتی تھیں لیکن جب یہ لوگ خود تاتار پر قابض ہو گئے تو فوجیں اور توپیں ہٹا لی گئیں نیز اس کی مرمت بھی موقوف ہو گئی یہ دیوار جس پر ختائیوں کی حکمتِ عملی اور مستقل مزاجی ختم ہے صناعی کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کا شمار عجائبات میں کیا جاتا ہے۔

دیوارِ قہقہہ۔ روایت ہے کہ یہ دیوار سکندر ذوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لیے بنوائی تھی چنانچہ اس دیوار کے بن جانے سے ان مفسدوں کی راہ مسدود ہو گئی کہتے ہیں کہ اب بھی وہ قوم برابر اس دیوار کو کھودا کرتی ہے اور جب قریب انہدام یہ دیوار پہونچتی ہے تو خدا ان قوموں پر نیند غالب کر دیتا ہے وہ سو جاتی ہیں اور دیوار بحکم خدا پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ اس دیوار کے اس پار کا حال کوئی نہیں جان سکتا اگر کوئی شخص اوپر چڑھ کر اس پار دیکھنے کی کوشش کرتا بھی ہے تو وہ ایسی حالت میں ہو جاتا ہے کہ ہنستے ہنستے مر جاتا ہے اور وہاں کی کیفیت نہیں بتا سکتا۔

دیوداسی۔ قدیم زمانے میں بعض ہندو قبیلوں میں یہ رسم تھی کہ اپنی

اولادوں میں سے کسی ایک لڑکی کو بھگوان کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے ایسی لڑکیوں کی شادی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ مندروں کو دے دی جاتی تھیں اور وہیں وہ اپنی بقیہ زندگی گذارتی تھیں۔ مندروں اور پجاریوں کی خدمت ہی ان کا نصب العین ہوتا تھا۔ ان دیوداسیوں سے اولادیں بھی ہوتی تھیں۔ آج بھی ہندوستان کے بعض پس ماندہ قبیلوں میں یہ رسم کسی نہ کسی شکل میں پائی جاتی ہے۔

ذ

ذبیح اللہ یہ حضرت اسمٰعیل کا لقب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت ہی چہیتے فرزند تھے۔

حضرت ابراہیم کا لقب خلیل اللہ ہے۔ آپ بہت ہی عظیم المرتبت پیغمبر گذرے ہیں اور رسول اکرمؐ کے بعد سب سے بلند آپ کا مرتبہ ہے کیونکہ آپ نے کعبے کی بنا ڈالی اور آپ کے بعد جتنے نبی پیدا ہوئے تھے وہ آپ کی ہی اولاد میں تھے اسی لیے جناب ابراہیم کو ابوالانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی فرزند نہ تھا اس لیے وہ بارگاہ ایزدی میں بار بار ایک صالح، نیک، درد مند اور وفا شعار فرزند حلیم عطا فرمانے کیلیے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم کی دعا قبول ہوئی اور ضعیفی کی عمر میں آپ کی دوسری بیوی جناب ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی۔

جناب ابراہیم حضرت اسماعیل سے بے حد محبت کرتے تھے اور اسی محبت کے سایے میں جناب اسماعیل اتنے بڑے ہو گئے کہ وہ اپنے والد کے ہمراہ چلنے پھرنے لگے اور ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ جناب ابراہیم کی بیٹے سے بے پناہ محبت دیکھ کر فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ پروردگار عالم، تیرا خلیل

تو وہی ہو سکتا ہے جس کے دل میں تیری محبت کے علاوہ کسی دوسرے کی محبت نہ ہو لیکن ابراہیمؑ کے دل میں بیٹے کی محبت جاگزیں ہو چکی ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کے اس استفسار کا جواب فراہم کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۸ ذی الحجہ کی شب میں خواب دیکھا کہ کوئی فرشتہ ان سے راہِ خدا میں قربانی کرنے کے لیے اللہ کا حکم سنا رہا ہے۔ چنانچہ صبح کو جناب ابراہیم نے سو اونٹ راہ خدا میں قربان کر دیے۔ دوسری شب پھر یہی خواب نظر آیا، آپ نے صبح اٹھتے ہی دو سو اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کر دیئے۔ تیسری شب پھر یہی خواب نظر آیا جس میں واضح طور پر ارشاد رب العزت ہو رہا تھا کہ ابراہیم تم میری راہ میں اس چیز کو قربان کرو جو تم کو سب سے زیادہ پیاری ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس حکم کا کیا مقصد ہے۔ چنانچہ آپ نے جناب اسماعیل علیہ السلام کو اپنے خواب سے آگاہ فرمایا جناب اسمٰعیل نے فوراً عرض کی کہ آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل میں تاخیر مناسب نہیں ہے انشاءاللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں پائیں گے۔

حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو صاف کپڑے پہنائے اور خوب سا سجا کر اپنے ہمراہ مردہ کی جانب روانہ ہو گئے جس کو توریت میں مورہ یا موریہ بھی کہا گیا ہے۔ منیٰ کی گھاٹی میں پہونچ کر جناب ابراہیم نے دراز گوش کا فرش بچھا کر حضرت اسمٰعیل کو اس پر لٹا دیا۔ اس وقت جناب اسمٰعیل نے فرمایا کہ آپ آنکھوں پر پٹی باندھ لیں، مبادا باپ کا دل ہے کہیں تڑپ نہ جائے اس کے علاوہ آپ میرے ہاتھ پاؤں بھی باندھ دیں تاکہ میرے تڑپنے سے آپ کو تکلیف نہ ہو۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کے ہاتھ پیر رسی سے

باندھ دیئے اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر فرزند کے گلے پر چھری چلا دی مگر چھری نہ چلی۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ آخر حکم خدا سے حضرت جبرئیلؑ نے اسمعیلؑ کی جگہ ایک گوسفند کو لٹا دیا اور جناب ابراہیمؑ کو آواز سنائی دی کہ تمہارا ہدیہ قبول ہوا۔ جناب ابراہیم نے جب آنکھوں سے پٹی کھولی تو دیکھا کہ حضرت اسمعیل صحیح سلامت ہیں اور ان کی جگہ ایک گوسفند ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔

جناب ہاجرہ کو جب اس واقع کی اطلاع ہوئی اور انہوں نے حضرت اسمعیل کے گلے پر چھری کی خراش دیکھی تو اس درجہ پریشان ہوئیں کہ بیمار پڑ گئیں اور بالآخر عالم بالا کی جانب رحلت فرما گئیں۔

مسلمانان عالم اسی واقع کی یاد میں ہر سال عید الاضحیٰ یا بقر عید مناتے ہیں۔

ذوالجناح — حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے گھوڑے کا نام تھا جو معرکہ کربلا میں ان کے ہمراہ تھا۔ (ملاحظہ ہو دلدل)

ذوالفقار — عام طور پر اس تلوار کو کہا جاتا ہے جس کی دو زبانیں ہوں لیکن یہ لفظ مخصوص ہو گیا ہے صرف اس تلوار کے لیے جو حضرت علیؑ کے پاس تھی۔

مشہور ہے کہ یہ تلوار حضرت رسولِ خداؐ کو معرکہ بدر میں ملی تھی اور آپ نے یہ تلوار حضرت علیؑ کو مرحمت فرمائی تھی جو سردار دلاوران صف شکن تھے۔

شاہِ مرداں، شیرِ یزداں، قوتِ پروردگار
لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار

ذوالقرنین — اسم گرامی عیاش تھا۔ جناب نوحؑ کے بعد سب سے پہلے بادشاہ ہوئے ہیں۔ کلام پاک میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔ علماء کی

رائے ہے کہ ذوالقرنین پیغمبر نہیں تھے بلکہ خدا کے ایک شائستہ بندے تھے جو خدا کی جانب سے مؤید تھے۔ ذوالقرنین نے ایک سدّ بھی تعمیر کرائی تھی جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ وہ سد آرمینیہ اور آذربائیجان کے پہاڑ تھے یا وہ پہاڑ تھے جو شمال کے آخر میں ترکستان کا آخری حصہ ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب خضر ذوالقرنین کو چشمۂ حیواں تک لے گئے تھے اور ظلمات کی سیر کرائی تھی۔

ر

راجہ اندر کا اکھاڑا۔ جیسا کہ اندر کے تحت عرض کیا جا چکا ہے ہندو عقائد کے اعتبار سے اندر وہ دیوتا ہیں جن کا ہوا۔ بادل۔ بارش اور آسمان پر اختیار رہے۔

راجہ اندر، امانت کی مشہور مثنوی اندر سبھا کا کردار ہے جو عیش و عشرت کا حامل ہے۔ پریوں اور دیوں پر حکمرانی کرتا ہے اور اس کی اس محفل کو جس میں رقص و سرور ہوتا ہے اور پریوں کے جمگھٹ لگتے ہیں۔ راجہ اندر کا اکھاڑہ کہا جاتا ہے۔

کرتے ہیں پریوں سے کشتی پہلوانِ عشق ہیں
ہم کو ناسخ راجہ اندر کا اکھاڑا چاہیے
(ناسخ)

راکھی ۔ سوت کا ایک دھاگا ہوتا ہے جس کو رکھشا بندھن کے تیوہار کے موقع پر بہنیں اپنے بھائیوں کی کلائی پر باندھتی ہیں۔

ساون کی پورنماسی کو سلونو یا رکھشا بندھن کہا جاتا ہے۔ سلونو کا مطلب ہے سہانا، اور برسات کی رت میں ساون کا مہینہ سب سے زیادہ سہانا اور خوشگوار ہوتا ہے جب آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھائی ہیں، ہواؤں میں سوندھی سوندھی خوشبو

ہوتی ہے اور زمین پر چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔

سلونو یا ساون کی پورنماسی کے ایک دن قبل گھروں میں عورتیں اور لڑکیاں ہاتھوں میں مہندی رچاتی ہیں اور بھائی ان کے لیے مٹھائی کی سوغات لاتے ہیں اگلے دن رکھشا بندھن کے تیوہار کا آغاز گھروں میں کڑھائی چڑھا کر کیا جاتا ہے اس دن بہترین کھانے پکانے کے علاوہ عورتیں خصوصیت کے ساتھ سبز کپڑے زیب تن کرکے خود بھی سرسبز و شاداب موسم کا جوبن جاتی ہیں۔ جگہ جگہ جھولے پڑتے ہیں۔ اور فضاؤں میں رنگینیاں بکھر جاتی ہیں۔

اس دن عورتیں اپنے بھائیوں کی کلائی پر رنگین سوت کا دھاگا باندھتی ہیں جس کو راکھی کہا جاتا ہے اور اس عمل کو رکھشا بندھن کہتے ہیں۔ یہ راکھی دراصل اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بہن کی عزت اور ناموس کی حفاظت بھائی پر فرض ہے اور وہ بہن کی حفاظت کے لیے اس راکھی کی لاج کو زندگی کی آخری سانس تک نبھائے گا۔

یہ تیوہار، عورتیں اپنے مائکے آکر مناتی ہیں جہاں بھائی راکھی باندھنے کے صلے میں بہن کو نقد رقم اور جوڑا وغیرہ دے کر رخصت کرتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں ایسے سیکڑوں واقعات ملیں گے جب راکھی قومی یک جہتی کی علامت بن گئی ہے اور مذہبوں کی خلیج کے درمیان بہن اور بھائی کا رشتہ روشن حقیقت بنکر تاریخ کے صفحات کو جگمگاتا رہا ہے۔

اس سلسلے میں مغل شہنشاہ ہمایوں کا نام بطور مثال لیا جا سکتا ہے جب راجپوت رانی کرن وتی نے یہ محسوس کیا کہ دشمن کے مقابلے میں وہ بہت کمزور ہے تو اس نے مغل بادشاہ ہمایوں کو راکھی بھیج کر مدد طلب کی تھی اور ہمایوں پر اس کا اتنا اثر ہوا تھا کہ اس نے راکھی کی لاج رکھتے ہوئے اپنی نادیدہ راجپوت بہن کی

مدد کے لیے لشکر کشی کی اور غنیم کو شکست سے ہمکنار کیا۔

میں تو راکھی لیے پہونچی تھی مگر لوٹ آئی
کیونکہ اس شخص کی آنکھوں میں شرافت ہی نہ تھی

(نسیم نکہت)

رام ۔ راجہ دشرتھ کے صاحبزادے کا نام تھا جنھوں نے راون کو شکست دی تھی۔ (ملاحظہ ہو بن باس)

رخ ۔ طویل داستانوں کا ایک ایسا خیالی پرندہ جو بہت بڑا ہوتا ہے اور نہ صرف انسان بلکہ بڑے بڑے جانوروں کو بھی پنجوں میں دبا کر اڑ جاتا ہے الف لیلے کی داستانوں میں اس کا ذکر بہت دلچسپ انداز ملتا ہے۔

رستم ۔ فارس کا ایک مشہور پہلوان تھا جس کا ذکر فارسی ادب میں کثرت سے آیا ہے اور خصوصی طور پر فردوسی نے شاہنامہ میں رستم اور اس کے کارناموں کا ذکر کر کے اسے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ رستم کو رستم دستاں اور رستم زابلی بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ زابلستان کا حکمراں تھا۔ رستم کے باپ کا نام زال اور دادا کا نریمان تھا۔

رستم کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ معرکوں میں شرکت کی غرض سے اکثر باہر رہا کرتا تھا چنانچہ اس نے ایک مرتبہ گھر سے رخصت ہوتے وقت اپنی بیوی تہمینہ کو ایک مہر دی تھی کہ اس کی غیر موجودگی میں اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کے بازو پر یہ مہر باندھ دی جائے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو اسکے گلے میں ڈال دی جائے۔ جب رستم رخصت ہوا تو تہمینہ امید سے تھی اور اس کے یہاں لڑکے کی ولادت ہوئی تہمینہ نے لڑکے کا نام سہراب رکھا اور رستم کی دی ہوئی مہر اس کے بازو پر باندھ دی۔

رستم کا بیٹا سہراب بڑا ہوتا رہا اور اپنے باپ ہی کی طرح بہادری میں لاجواب

ہوا۔ رستم ایک کے بعد دوسری جنگ میں کچھ ایسا مصروف رہا کہ گھر واپس نہ آسکا۔ سہراب اپنے باپ کی بہادری کے قصے سن سن کر رستم کی اولاد ہونے پر بہت فخر محسوس کرتا تھا اور باپ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے تڑپ رہا تھا اس زمانے میں اہل فارس اور تاتاری ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور دونوں ہی میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ رستم اہل فارس کی جانب سے جنگ میں مصروف تھا اس لیے سہراب نے سوچا کہ وہ تاتاریوں کے لشکر میں شامل ہو جائے اس طرح رستم کی طاقت کا اس کو اندازہ بھی ہوگا اور ملاقات کے بعد رستم اس کی بہادری سے خوش بھی ہوگا۔ اسی خیال سے وہ تاتاری لشکر میں شامل ہو گیا۔

سہراب ہر پہلوان پر رستم ہونے کا شک کرتا تھا اور تاتاری بھی اسکو مغالطے میں رکھے ہوئے تھے کہ لشکر میں رستم نہیں ہے۔ سہراب تاتاری فوج کی طرف سے انتہائی بہادری کے ساتھ لڑ رہا تھا اور اپنی بہادری کا سکہ فارسی لشکر پر جمائے ہوئے تھا۔ مجبوراً رستم کو مقابلے پر آنا پڑا۔ سہراب نے اس سے استفسار کیا کہ کیا تم رستم ہو مگر رستم کو ایک بچے کے مقابلے میں اپنا نام بتاتے ہوئے شرم محسوس ہوئی اس نے کہا کہ رستم بچوں سے مقابلہ نہیں کرتا ہے۔ سہراب مایوس ہو کر جنگ کرنے لگا اور آخر کار رستم کی تلوار سہراب کے سینے میں اتر گئی۔ اس وقت اس نے پھر کہا کہ اگر رستم کو یہ معلوم ہوگا کہ تم نے اس کے بیٹے سہراب کو قتل کیا ہے تو وہ تم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ رستم کو اچانک دھچکا سا لگا۔ اس نے کہا کہ رستم کے کوئی لڑکا نہیں ہے تم اس کے لڑکے کیسے ہو۔ تب سہراب نے بازو کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ مہر میرے باپ رستم نے میری ماں کو دی تھی کہ اگر لڑکا ہو تو اس کے بازو پر باندھ دینا۔ مہر دیکھتے ہی رستم تڑپ گیا اور عام آدمیوں کی طرح رو کر بتایا کہ میں ہی وہ بدنصیب باپ رستم ہوں جس نے اپنے بہادر بیٹے کو قتل کیا ہے۔ آخر

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیرؔ کا
روح القدس ہے نام مرے ہم صفیر کا
(ناسخؔ)

رونمائی ۔ رونمائی یا منھ دکھائی کی رسم اس وقت ادا کی جاتی ہے جب لڑکی رخصت ہو کر سسرال جاتی ہے اور وہاں دولہا کے رشتے دار، اقربا، جب دولہن کا چہرہ پہلی مرتبہ دیکھتے ہیں تو حسبِ حیثیت نذر گذارتے ہیں جس میں نقدی بھی ہوتی ہے اور تحائف بھی اس تقریب کو رونمائی کہتے ہیں۔
ذوقؔ نے اپنے مشہور سہرے میں اس رسم کو برعکس نظم کیا ہے۔

رونمائی میں تجھے دے مہ و خورشید فلک
کھول دے منھ کو جو تو رخ سے ہٹا کر سہرا
(ذوقؔ)

روزِ جزا ۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن جب تمام مردے زندہ کیے جائیں گے تو میزان عدل پر ان کے نیک و بد اعمال کا دفتر پیش کیا جائے گا۔ بندوں کے انھیں نیک و بد اعمال کے اعتبار سے ان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا جو اپنے برے اعمال کے سبب جہنم کے سزاوار ہوں گے ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور جن کے اعمال نیک ہوں گے ان کو جنت میں بھیجا جائے گا۔

ریختی ۔ وہ اشعار جو عورتوں کی زبان میں اور انھیں کی طرف سے کہے جائیں ان کو ریختی کہتے ہیں۔ اب تو یہ رسم تقریباً معدوم ہو چکی ہے لیکن کچھ دن قبل تک شعری نشستوں میں اختتام پر ریختی گو شعرا اپنا کلام پیش کرتے تھے اور اس وقت ان کے سر پر گوٹے کا رنگین دوپٹہ ڈال دیا جاتا

رستم کے زانو پر سہراب نے دم توڑ دیا۔

رقصِ بسمل ۔ زخمی کے تڑپنے کو کہتے ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ رسم تھی کہ کسی خطرناک مجرم کو جب سزائے موت دی جاتی تھی تو مجمع عام میں اس کا سر قلم کر کے شانوں پر گرم توا رکھ دیا جاتا تھا جب تک وہ توا ٹھنڈا ہو کر گر نہیں جاتا تھا مقتول تڑپتا رہتا تھا اور خلقت اس کے انجام کو دیکھنے کے لیے جمع رہتی تھی۔

دم عیش جز رقص بسمل نہ بود
بہ اندازۂ خواہش دل نہ بود
(غالبؔ)

روح اللہ ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

روح الامین ۔ حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ آپ وحی الٰہی کی امانت کو حضرت رسالتمآبؐ تک پہونچاتے تھے۔ اسی لیے ان کو روح الامین کہا جاتا ہے۔

جہاں روح الامیں آتے تھے زبان خدا لیکر
زمیں پر آمنہ کے لال کا دربار ایسا تھا
(بشیر فاروقی)

روح القدس ۔ یہ لقب بھی حضرت جبریل علیہ السلام کا ہے اس کے علاوہ روح القدس اس پاک روح کو بھی کہا جاتا ہے جو حضرت مریم کے بطنِ مبارک میں پھونکی گئی تھی اور جس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔

تھا۔ ریختی گو شعراء شعر سنانے میں بالکل عورتوں ہی کی سی حرکات و سکنات ادا کرتے تھے۔

چوڑیاں پیس کے کھاؤں گی کہے دیتی ہوں
مردوے آپ کی جو اس زور سے مارا مجھ کو

ستاہر وہ جو مجھ کو گھورتا تھا
نگوڑے کی ہے صبح و شام باجی

یہ وطیرہ نہیں بھاتا ہے دل آرا مجھ کو
کیوں خصم گھورتا رہتا ہے تمہارا مجھ کو

حسرت لکھنوی

ز

زال۔ سام بن نریمان کا بیٹا جو رستم کا باپ تھا۔ چونکہ پیدائش کے وقت اس کے بال سفید تھے اس لیے زال نام پڑا اور باپ نے اسی سبب سے منحوس سمجھ کر اس کو کوہ البرز کے دامن میں ڈلوا دیا جہاں کہتے ہیں کہ سیمرغ نے اسکی پرورش کی۔ سام کو ایک شب خواب دکھائی دیا کہ اس کا بیٹا بہت خوش و خرم اور زندہ ہے۔ اور کوئی کہہ رہا ہے کہ تو نے اس کو سفید بالوں کے سبب منحوس سمجھ کر جنگل میں ڈلوا دیا لیکن پروردگار عالم نے ایک جانور سے اس کی پرورش کرا دی۔ سام یہ خواب دیکھنے کے بعد البرز گیا جہاں سیمرغ نے زال کو اس کے حوالے کر دیا۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ کوئی پرندہ نہ تھا بلکہ بزرگ کامل تھا جس نے زال کی پرورش کی۔

زبور۔ وہ صحیفۂ آسمانی جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوا۔

ہو کسی شے سے ان کی گرمیٔ بزم
داستاں ہو وہ یا کہ درس زبور

(حالی)

زرتشت۔ قدیم ایران کا ایک مشہور فلسفی تھا جس کو آتش پرست

پیغمبر مانتے ہیں۔ زرتشت نے گشتاسپ کے دور میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور
آتش پرستی رائج کی۔ اس کی کتاب ژند کو اسکے پیروکار آسمانی صحیفہ مانتے
تھے۔

زرتشت آزاد فقیروں کے مانند زندگی گذارتا تھا۔ اس کا کہنا تھا
کہ اپنی بڑائی یا خود پرستی اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ سب سے بہتر
چیز بنی نوع انسان کی بھلائی چاہتا ہے مال و دولت جمع کرنا بہت بری بات
ہے۔ وہ کہتا تھا کہ آگ اور آفتاب میں چونکہ پروردگار کا نور جلالی جلوہ نما
ہے اس لیے ان کی تعظیم اور عبادت خدا کی عبادت ہے۔

کہتے ہیں کہ زرتشت نے جب پیغمبری کا دعویٰ کیا تو گشتاسپ کے پاس
پہونچا اور بتایا کہ پروردگار عالم نے مجھ پر تمام اسرار فلکی ظاہر کردیئے ہیں اور
دنیا میں مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں اس نے گشتاسپ
کے محل کے سامنے اپنے کمال سے ایک عظیم الشان ہرا بھرا درخت پیدا کردیا جس
کے پتے اور پھل کھانے سے اسرار الافلاک ظاہر ہوجاتے تھے گشتاسپ اس
معجزے کے بعد اس کا معتقد ہوگیا اور آتش پرستی کا مذہب پھیلتا رہا۔ اس نے
سینکڑوں آتش کدے تعمیر کرائے جن میں فارس اور آذربائیجان کے آتش کدے
بہت مشہور تھے۔

زکریا۔ ایک مشہور پیغمبر بن اذان کا اسم گرامی ہے جو عمران بن ماثان
پدر مریم اولاد سلیمان بن داؤد علیہ السلام سے تھے۔

کتب سیر میں درج ہے کہ حضرت زکریا یہودیوں کے شر سے بچنے کے لیے
روانہ ہوئے تو یہودیوں نے بھی خبر لگا کر ان کا پیچھا کیا۔ آپ آبادی سے نکل
کر جب جنگل میں پہونچے تو ایک درخت سے آواز آئی کہ اے زکریا تو میرے پاس

آجا۔ جناب زکریا اس آواز سے فکر مند ہوئے لیکن درخت نے مکرر آواز دی
تو اس کے قریب پہونچ گئے۔ جناب زکریا کے پہونچتے ہی وہ درخت شق ہوگیا اور
آپ اس میں داخل ہوگئے۔ اس وقت شیطان بھی بشکل انسان وہاں موجود تھا
اس نے جب جناب زکریا کو درخت میں داخل ہوتے دیکھا تو ان کا دامن پکڑ کر کھینچنے
لگا لیکن جناب زکریا درخت میں داخل ہو چکے تھے۔ درخت پہلے کی طرح ہو چکا
تھا اور جناب زکریا کا دامن پھٹ کر شیطان کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔

جب یہودی ان کی تلاش میں اس مقام پر پہونچے تو انہوں نے وہاں
شیطان کو دیکھا اور اس سے جناب زکریا کے بارے میں معلوم کیا شیطان نے
کہا کہ وہ تو کوئی جادوگر تھا جو اس درخت میں سما گیا ہے۔ میں نے اس کو پکڑنا
چاہا مگر یہ دامن میرے ہاتھ میں رہ گیا۔

تب شرپسندوں نے صلاح کی کہ اس درخت ہی کو جلا دیا جائے جس میں
جناب زکریا پوشیدہ ہیں لیکن شیطان نے مشورہ دیا کہ درخت جلانے میں بہت
زحمت ہوگی بہتر ہے کہ اسے آرے سے چیر ڈالو چنانچہ شیطان کے مشورے پر درخت
کو دو حصوں میں چیرا گیا اور جناب زکریا بھی اس کے ساتھ سر سے پیر تک دو حصوں
میں تقسیم ہوگئے۔

یہاں بھی کی مرے دامن نے دشمنی اے ہوش
وگرنہ میں تو حفاظت سے اس شجر میں تھا
(ہوش نعمانی)

زلیخا۔ عزیز مصر کی بیوی کا نام تھا جو حضرت یوسف پر دل و جان سے
فریفتہ ہوگئی تھیں اور ان کے عشق کا اس درجہ شہرہ ہوگیا تھا کہ مصر کی عورتیں
طعنہ زن رہتی تھیں کہ زلیخا جیسی عورت اپنے غلام پر عاشق ہے حالانکہ زلیخا

اور جناب یوسف کی عمروں میں بے حد فرق تھا جب مصر میں قحط پڑا تھا تو اس زمانے میں عزیزِ مصر کا انتقال ہو چکا تھا اور امور مملکت پوری طرح جناب یوسف کے ہاتھ میں تھے اور وہ غلے کی تقسیم کا کام اپنی نگرانی میں کراتے تھے۔ روایت ہے کہ اس وقت زلیخا بہت ضعیف ہو چکی تھیں اور اس حد تک محتاج تھیں کہ لوگوں سے سوال کیا کرتی تھیں۔ ایسے میں کسی نے ان کو مشورہ دیا کہ تم یوسف سے ملو وہ اپنے گذشتہ برتاؤ سے بے حد شرمندہ تھیں لیکن اس کے باوجود بھی ہچکچاہٹ کے ساتھ جناب یوسف کے پاس پہونچیں ایک روایت یہ ہے کہ جناب یوسف اپنے لشکر کے ساتھ گذر رہے تھے کہ راستے میں سڑک کے کنارے جناب زلیخا سوالی کی طرح نظر آئیں اور کہا کہ میں محتاج ہو گئی ہوں میری مدد کیجیے۔

جناب یوسف نے ان کو پہچانا اور ان کو واپس لائے ان کے لیے دعا کی اور خدا نے جناب زلیخا کی جوانی واپس کر دی جس کے بعد جناب یوسف نے ان سے عقد کر لیا۔

ویسے مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں تحریر کیا ہے کہ جناب زلیخا سے جناب یوسف کی شادی کی تصدیق نہ تو توریت سے ہوتی ہے اور نہ قرآن سے۔

چاک دامانیٔ یوسف کا جب آیا ہے خیال
پہروں دیکھا ہے زلیخا نے گریباں اپنا

(کاظم حسین گردوں)

زمانۂ جہالت ۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب کا یہ دور دورِ جہالت یا زمانۂ جہالت کہا جاتا تھا۔ یہ دور وہ تھا جب قبیلوں کی دشمنی نسلاً بعد نسلاً جاری

رہتی تھی اور لوگ اپنے مرنے سے قبل اپنی اولادوں کو دشمن قبیلے سے بدلہ لینے کی وصیت کر کے مرتے تھے۔ اسکے علاوہ اس دور میں لڑکی کی ولادت کو عرب سبب توہین سمجھتے تھے اور اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

زمزم ۔ اس کے معنی ہیں روک کے رکھنا۔ جب حضرت اسمٰعیل کے ایڑیاں رگڑنے سے چشمۂ آب پیدا ہوا تھا تو جناب ہاجرہ نے چاروں طرف مٹی لگا کر اس کو روک دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو آبِ زمزم)

زنار ۔ اس کو جنیو بھی کہتے ہیں۔ یہ کچے دھاگا کا بنا ہوتا ہے جس کو ہندو حضرات گردن میں ڈال کر بغل کے نیچے کر لیتے ہیں اسکے علاوہ زنار اس زنجیر یا دھاگے کو بھی کہتے ہیں جو مجوسی یا عیسائی حضرات اپنی کمر کے گرد باندھتے ہیں۔

ہم بالیدن سنگ و گل صحرا یہ چاہے ہے
کہ تارِ جادہ بھی کہسار کو زنارِ مینا ہو

(غالب)

کافر ہوا ہوں پی کے مے عشق بت وزیر
زنار مجھ کو چاہیے موجِ شراب کا

(خواجہ وزیر)

زنبیل عمرو عیار ۔ عمرو عیار طلسم ہوشربا کا ایک بہت ہی چالاک کردار ہے جو اپنی عیاریوں سے بڑے بڑے جادوگروں کو زیر کر لیتا ہے۔ عمرو عیار کے پاس ایک کراماتی زنبیل تھی جس میں دنیا کی ہر چیز داخل ہو سکتی تھی اور پھر نکالی جا سکتی تھی۔ ساز و سامان، زر و جواہر اور حد یہ ہو کہ جادوگر اور جادوگرنیاں تک گرفتار ہو کر اس زنبیل میں پہونچ جاتے تھے۔

زنجیر عدل ۔ مشہور ہے کہ مغل بادشاہ جہاں گیر نے قصرِ شاہی کے دروازے پر ایک آہنی زنجیر لگوائی تھی جب کوئی مصیبت زدہ بادشاہ کے حضور میں فریاد لے کر آتا تھا تو زنجیر کھینچتا تھا اور اس زنجیر سے متعلق گھنٹیاں بج کر بادشاہ کو فریادی کی آمد کی خبر دیتی تھیں چنانچہ بادشاہ دادرسی کو پہونچتا اور فریاد سن کر انصاف کرتا۔

کوئی انصاف کی زنجیر کی جانب نہ بڑھا
لوگ یوں مجھ کو مرے ظلم گنانے آئے

(نسیم نکہت)

زہرا ۔ جناب خدیجہ کے بطن سے رسول مقبول کی صاحبزادی تھیں۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کا حضرت علی علیہ السلام سے عقد ہوا تھا۔ آپ ہی کی اولادوں میں سے سادات کی نسل چلی۔ جناب فاطمہ زہرا کی پانچ اولادیں تھیں (امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت زینبؑ، حضرت ام کلثوم اور جناب محسن جن کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کو خاتونِ جنت اور سیدۃ النساء العالمین بھی کہتے ہیں۔

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز

(اقبال)

رہے گی تا قیامت آیۂ تطہیر تابندہ
ہے قرآں میں خود ترجمانِ فاطمہ زہرا

(حیات وارثی)

زہرہ ۔ ایک ستارے کا نام ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ

ایک حسین عورت تھی جس پر ہاروت ماروت نامی دو فرشتے عاشق ہو گئے۔

(ملاحظہ ہو چاہِ بابل)

زہرہ کی جو آئی کفِ ہاروت میں انگلی
کی رشک نے تب دیدہ ماروت میں انگلی

(مصحفی)

بندہ پہن کے یوں نہ پھرو زہرآسماں
ایسا نہ ہو کہ زہرۂ گردوں ٹپک پڑے

(انشاء)

س

ساحر الموط ۔ حسن بن صباح کو ساحر الموط کہتے ہیں کیونکہ اس نے قلعہ الموط پر جنت ارضی بنائی تھی۔ حسن بن صباح چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں طوس میں پیدا ہوا تھا۔ وہ دربار سلجوقی کے مقرب وزیر خواجہ حسن نظام الملک کا ہم مکتب اور دوست تھا اسی سبب سے اسے الپ ارسلان سلجوقی کے دربار میں میر نقیب کا عہدہ مل گیا۔ بعد میں حسن بن صباح اپنے محسن نظام الملک ہی کا دشمن ہو گیا اور انجام کار دربار سے نکال دیا گیا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ شام پہونچا اور فرقہ اسماعیلیہ کے پیشوا کی ملازمت اختیار کی اور اس فرقے کے عقائد کی تلقین و تبلیغ کرنے لگا۔

حسن بن صباح نے کوہ البرز پر دس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ایک سرسبز و شاداب علاقے پر قلعہ الموط میں ایک جنت بنائی تھی جس میں تجارچیا اور کوہ قاف کی حسین ترین عورتیں جمع کی گئی تھیں۔ اس کے عقیدت مند جب دور دراز سے اس کے پاس آتے تھے تو وہ ——— ان کو بھنگ کے نشے میں سرشار کر کے اس جنت کی سیر کراتا تھا۔ جب اس کے عقیدتمندوں اور پیروں کی تعداد کئی لاکھ ہو گئی تو اس نے اپنی نبوت کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اس کے مریدین فدائی یا باطنی کہلاتے تھے جن میں ایک گروہ ایسا بھی ہوتا تھا جو

بھیس بدل کر مخالفین کو قتل کر دیتا تھا۔

ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات
(اقبال)

سامری ۔ مولانا ابو الکلام آزاد اپنی کتاب ترجمان القرآن میں رقمطراز ہیں کہ سامری قبیلہ سمیری کا ایک فرد تھا جس کا اصل وطن تو عراق تھا مگر یہ قبیلہ دور دور تک پھیل گیا تھا اور مصر سے ان کی دوستی کا سراغ ایک ہزار قبل مسیح تک دمشق میں آچکا تھا۔ اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا معتقد ہو گیا تھا اور جب بنی اسرائیل رود نیل کو پار کر کے نکلے ہیں تو یہ بھی ان کے ہمراہ نکل آیا اس کو قرآن میں السامری کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ گائے۔ بچھڑے اور بیل کے تقدس کا خیال مصریوں اور سمیریوں میں مشترک تھا۔

مندرجہ بالا سے قطع نظر ادبی، شعری اور دیگر مذہبی حوالوں میں سامری کا ذکر ایک بہت بڑے جادوگر کے بطور کیا جاتا ہے۔ سامری نے موسیٰ کی قوم کو گمراہ کیا تھا اور سونے کا ایک بچھڑا بنایا تھا جس میں اس نے حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک رکھ دی تھی جس کے سبب وہ حرکت بھی کرنے لگا تھا اور بولنے بھی لگا تھا۔ سامری نے قوم موسیٰ سے کہا کہ یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے چنانچہ ان لوگوں نے اس کی پرستش شروع کر دی۔

ایں تماشا گاہ سحر سامری است
علم بے روح القدس جادوگری است

سحر میں سامری کے کیا قدرت
تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا

ساوتری ۔ ساوتری کا نام پاکبازی، شوہر پرستی اور وفاداری کی علامت کے بطور لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں ایک لاولد راجہ کے یہاں آخری عمر میں ساوتری کی پوجا سے بڑی مرادوں کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام بھی ساوتری رکھا گیا۔ یہ لڑکی اپنے حسن صورت وسیرت کے سبب بے مثال تھی۔ جب بڑی ہوئی تو والدین کو شادی کی فکر نے پریشان کیا لیکن کوئی لڑکا اسکے جوڑ کا نہ مل سکا۔ آخر راجہ نے اسے تیرتھ یاترا کے لیے بھیج دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کوئی لڑکا اچھا نظر آئے تو وہ اپنے لیے منتخب کر سکتی ہے۔

ساوتری کا رتھ ایک دن ایک باغ سے گذر رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت لڑکا ایک گھوڑے کے بچے سے کھیل رہا ہے۔ ساوتری نے رتھ رکوایا اور لڑکا اپنے باغ میں ایک اجنبی کو دیکھ کر قریب آگیا اس نے اپنا تعارف کرایا اور ساوتری کو اپنے والدین کے پاس لے گیا جو نابینا تھے۔ اس نے بتایا کہ اس کے والدین بھی راجہ تھے جو اب تپسیا کر رہے ہیں اور اس کا نام ستیہ وان ہے۔ ساوتری دوسرے دن واپس ہوگئی اور راجہ کو بتایا کہ اس کو ور مل گیا ہے۔

راجہ نے خوش ہو کر بات طے کی لیکن جوتشیوں نے بتایا کہ ستیہ وان کی عمر ختم ہو چکی ہے اور اب اس کی زندگی کا کل ایک سال باقی رہ گیا ہے۔ راجہ نے ایسی صورت میں ساوتری سے باز رہنے کو کہا لیکن وہ نہ مانی اور اس نے کہا کہ صرف دل میں پتی مان لینے سے ہی پتی ہو جاتا ہے اس لیے وہ اپنا ارادہ نہیں بدل سکتی۔ آخر ساوتری کی شادی ستیہ وان سے ہوگئی اور پھر وہ دن بھی آگیا جس کی جیوتشیوں نے پیشین گوئی کی تھی۔ ستیہ وان اس دن جب درخت سے لکڑی کاٹ کر اترا تو اس کی طبیعت خراب ہوگئی اور دیکھتے دیکھتے اس کی روح قفص عنصری سے

پرواز کر گئی۔ اسی وقت ساوتری کو اپنے سامنے روشنی سی نظر آئی ساوتری کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ یم دوت (ملک الموت) ہیں اور ستیہ وان کی روح قبض کرنے آئے ہیں۔ جب وہ ستیہ وان کی روح کو لے کر چلے تو ساوتری بھی پیچھے ہوگئی کچھ دور جا کر یم دوت نے مڑ کر دیکھا تو ساوتری کو پیچھے آتے پایا انھوں نے اس سے واپس جانے کو کہا اور اس کے لیے کوئی وردان مانگنے کی اجازت دی ساوتری نے ساس سسر کی بینائی مانگی۔ اس کے بعد پھر وہ پیچھے چلی اس مرتبہ بھی یم دوت نے واپس جانے کو کہا اور اس کے صلے میں وردان مانگنے کی اجازت دی۔ ساوتری نے اپنے باپ کے یہاں لڑکا پیدا ہونے کا وردان مانگا اس طرح تیسری مرتبہ اس نے اپنے یہاں لڑکا ہونے کا وردان مانگا۔ چوتھی مرتبہ جب پھر یم دوت نے اس کو آتے دیکھا تو بگڑ گئے۔ تب ساوتری نے بہت لجاجت سے کہا کہ میرے پتی کی روح کو تو آپ لیے جا رہے ہیں میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ یم دوت لاجواب ہو گئے اور ستیہ وان کی روح واپس کر دی۔

سبا ۔ یمن میں ایک شہر تھا جہاں کی ملکہ بلقیس حسن وخوبصورتی میں لاثانی تھیں۔ ہدہد پرندے نے حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر بلقیس کے حسن وجمال کی اس انداز سے تعریف کی کہ ان کے دل میں اشتیاق دید مچل اٹھا انھوں نے بلقیس کو اپنے محل میں بہت عزت اور احترام کے ساتھ مدعو کیا اور ذہانت اور حسن سے متاثر ہو کر عقد کر لیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں بلقیس)۔

سبزہ روندنا ۔ دہلی کے قلعہ معلیٰ کی ایک رسم تھی جو ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو منائی جاتی تھی۔ اس رسم کا تعلق حضور سرور کائناتؐ کی علالت کے بعد صحت یابی سے تھا جس میں شام کو سبزہ روندنا یعنی سبزے پر چہل قدمی بھی

شامل تھا۔

آخری چار شنبہ کو سب لوگ
روند کر سبزہ عید کرتے ہیں
ہم جو عاشق مزاج ہیں تو آج
سبزہ رنگوں کی دید کرتے ہیں

ستی ۔ ستی کی رسم ہندوؤں میں بہت پرانی رسم تھی جس کی ابتدا کہتے ہیں کہ ساوتری جی سے ہوئی تھی جو مہادیو کی بیوی اور راجہ دکش کی بیٹی تھیں ایک مرتبہ باپ کے ذریعہ شوہر کی بے قدری کا ان پر اتنا زبردست اثر ہوا کہ انھوں نے اگنی کنڈ میں گر کر خود کو جلا کر فنا کر دیا تھا۔

ہندوؤں میں یہ رسم عام تھی اور مرد کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کو دلہن کی طرح سجا بنا کر شوہر کی لاش کے ساتھ چتا میں بٹھا کر جلا دیتے تھے انگریزوں کے زمانے میں اس رسم کو قانوناً جرم قرار دیا گیا تھا اور رفتہ رفتہ یہ رسم ختم ہو گئی۔

اے شمع نقل تو نے یاں اصل کر دکھائی
کیا خوب رنگ لائی اس بزم میں ستی کا
(محمد امان نثار)

سٹھنی ۔ وہ گالیاں جو سمدھنیں ایک دوسرے کو بیاہ کے موقعوں پر گیتوں کے توسل سے دیتی ہیں یا وہ فحش گیت جو ڈومنیاں سمدھنوں کی طرف سے گاتی ہیں۔ بہرحال سمدھن کو دی جانے والی گالیوں کے گیت سٹھنی کہلاتے ہیں۔

سن مصحفی زشت و بد اطوار کی گالی
کہتا ہوں یہ گالی نہیں کچھ عار کی گالی

سٹھنی کے عوض تو نے جو تیار کی گالی
گالی ہے وہ کچھ اور ہی اسرار کی گالی
(انشا)

سحر سامری ۔ (ملاحظہ فرمائیں سامری)

سداما ۔ سری کرشن جی کے ہم مکتب اور بچپن کے دوست تھے سداما بے حد غریب تھے اور پریشاں حال رہا کرتے تھے۔ جب سری کرشن جی حکمراں تھے تو ایک مرتبہ ان کی بیوی نے کہا کہ کرشن تمھارے بچپن کے دوست اور ہم مکتب ہیں تم ان کے پاس جا کر اپنی پریشانی بتاؤ تو شاید وہ تمھاری مدد کریں لیکن سداما ہچکچاہٹ میں مبتلا رہے کہ کرشن تخت حکومت پر جلوہ فرما ہیں اگر انھوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا تو بہت سبکی ہوگی۔ بیوی کے بار بار اصرار کرنے پر سداما راضی ہوئے مگر ان کے پاس کوئی سوغات نہ تھی جو وہ لے جاتے۔ بالآخر انھوں نے ایک میلے کپڑے میں ستو باندھے اور کرشن جی کے پاس پہونچ گئے۔ سری کرشن جی کو جب معلوم ہوا کہ ان کے بچپن کا دوست ان سے ملنے آیا ہے تو وہ خود تخت حکومت سے اتر کر سداما کے استقبال کو آئے، بڑی ہی گرمجوشی سے گلے لگا کر ان کو اپنے برابر بٹھایا۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ تم ہمارے لیے کیا سوغات لائے ہو تو سداما نے ڈرتے ڈرتے وہ پوٹلی ان کی جانب بڑھا دی۔ کرشن جی نے اس سوغات کو انتہائی خندہ پیشانی سے قبول کیا اور بے حد تعریف کی۔ کرشن جی کے حسن سلوک نے سداما کے دن پھیر دیئے۔

کرشن ملتے تو گلے ہم کو لگا لیتے بشیر
ہم بھی اس شہر میں آئے ہیں سداما کی طرح
(بشیر فاروقی)

سد رویٹ، سد سکندری، سد یاجوج۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ محققین کے نزدیک سد سکندری، سکندر اعظم نے نہیں بلکہ ذوالقرنین نے بنوائی تھی۔ مورخین نے تاریخ فارس کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے ایک حملہ سکندر سے قبل کا دور دوسرا طوائف الملوکی کا دور اور تیسرا ساسانی سلاطین کا عہد۔ ان تینوں ادوار میں فارس کی عظمت اور اسکے عروج کا دور خورس (سائرس) کے دور سے شروع ہوتا ہے جس کو یہودی خورس، یونانی، سائرس، اہل فارس گورش اور گے ارش نیز عرب کیخسرو کہتے ہیں۔

قرآن میں ذوالقرنین کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے اور مولانا آزاد کے مطابق قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر کیا گیا ہے اس کا اطلاق خورس کے سوا کسی پر نہیں ہوتا ہے۔ اس کی تین مہیں تھیں مغربی ممالک اور پھر مشرقی ممالک کی فتح اور ایک ایسے مقام تک پہونچنا جہاں دوسری جانب سے یاجوج ماجوج آکر لوٹ مچایا کرتے تھے۔ اس نے وہاں ایک سد تعمیر کرادی اور یاجوج ماجوج (دیکھئے یاجوج ماجوج) کی راہ بند ہوگئی۔

عرب مورخین کا بیان ہے کہ یہ دیوار نوشیرواں نے تعمیر کرائی تھی لیکن قبل از اسلام کے تاریخی نوشتے اس بات کے شاہد ہیں کہ نوشیرواں سے پہلے ہی ایک دیوار موجود تھی جس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا لیکن سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ بھی تاریخ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کبھی اس علاقے میں آیا ہو یا یہاں جنگ کی ہو۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دوسو برس سے پہلے

سائرس نے تعمیر کرائے تھے اور درۂ دانیال کی سد ہی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ سائرس ۵۵۹ھ ق م میں تخت نشین ہوا اور ۵۲۹ھ ق م میں فوت ہوا۔ وہ زرتشت کا ہم عصر بھی تھا اور زرتشتی بھی۔

دیکھنا صورت کسی کی میری قسمت میں نہیں
ہوگیا ہے آئینہ سد سکندر کا جواب
(میر احمد علی رسا)

سدرۃ المنتہیٰ۔ ساتویں آسمان پر واقع وہ مقام ہے جہاں سے کوئی فرشتہ آگے نہیں جا سکتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اسی جگہ پر قیام ہے حضور سرور کائنات جب شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر پہونچے تھے تو حضرت جبرئیل امین نے ان سے کہا تھا کہ اب یہاں سے حضور تنہا تشریف لے جائیں کیونکہ میں اگر اس حد سے آگے گیا تو بال و پر جل جائیں گے۔

فرشتے اور بشر کا فرق اس منزل پہ کھلتا ہے
جہاں روح الامیں کا بھی ٹھہر جانا ضروری ہے
(جرار اکبرآبادی)

سرخاب۔ اس پرندے کو چکوا بھی کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ شب میں یہ اپنی مادہ سے جدا ہوتا ہے۔ رات بھر اس کو پکارا کرتا ہے اور اس کی آواز پر پیچھے دوڑتا ہے مگر ملاقات سے محروم رہتا ہے۔ جوڑے میں سے جب ایک مرجاتا ہے تو دوسرا یا تو جان دے دیتا ہے یا پھر زندگی بھر تنہا رہتا ہے۔ اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

ملتی ہے عاشق کو لذت فرقت معشوق میں
اختیاری ہجر ہے سرخاب کا سرخاب سے (تسلیم)

سرسوتی ۔ ہندو عقیدے کے مطابق فنونِ لطیفہ کی دیوی ہے جو شاعروں
مصوروں، موسیقاروں نیز دیگر فنونِ لطیفہ سے متعلق فنکاروں کی سرپرستی کرتی
ہے چنانچہ ہندو فنکار عام طور پر اپنے فن کے مظاہرے سے پہلے سرسوتی بندنا
کرتے ہیں۔

فن کی دیوی مانگ رہی ہے بھیک توجہ کی لیکن
پجاری ہو دولت کی پوجا سا حراب فنکاروں میں

سرمد ۔ کتبِ سیر سے پتہ چلتا ہے کہ سرمد اصلاً یہودی اور توریت کے
عالم تھے لیکن بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اور علوم اسلامی میں دستگاہ
بھی حاصل کی نیز عرصے تک علمی مشاغل میں مصروف رہے ان کا وطن آرمینا
تھا، شاعر تھے اور پیشے کے اعتبار سے تاجر تھے۔
مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب حیاتِ سرمد میں تحریر کیا ہے کہ ان کا
اصل نام سعید تھا اور سرمد تخلص تھا۔ وہ قیمتی پتھر ہندوستان لا کر فروخت کرتے
تھے اور واپسی میں ہندوستان کا مال خرید کر لے جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک سفر
میں جب وہ دورِ شاہجہاں میں ایران سے ہندوستان آئے تو سندھ کے ایک
شہر ٹھٹھ سے گذر ہوا جہاں ایک ہندو لڑکے پر ان کی نظر پڑی اور اس پر فریفتہ
ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ عشق، عشقِ حقیقی کا زینہ ثابت ہو گیا جس کی عکاسی خود انھیں
کا یہ شعر کر رہا ہے۔

عمرے کہ بہ آیات واحادیث گذشت
رفتی و نثارِ بت پرستی کردی

سرمد کا عشق جب حد سے تجاوز کر گیا تو جذب و جنون کی حدود
میں داخل ہو گیا اور وہ بلا لحاظ ستر و بجرم سندھ کے ریگستانوں میں برہنہ گھومنے

لگے اور آخر اسی طرح ایک دن گھومتے گھومتے شاہجہاں آباد پہونچ گئے جہاں
ان کی ملاقات داراشکوہ سے ہو گئی۔ دارا جو صوفیوں اور فقیروں کی بہت
عزت کرتا تھا سرمد سے بیحد متاثر ہوا لیکن جب اورنگ زیب تخت نشیں ہوا تو
قاضی القضاۃ کو سرمد کے پاس وجہ برہنگی دریافت کرنے بھیجا جس پر سرمد
نے جواب دیا کہ

دزدے عجبے برہنہ کرد مرا

یہ سن کر بادشاہ نے ان کو مجمعِ عام میں بلا کر لباس پہننے کا حکم دیا لیکن
انہوں نے حکمِ شاہی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ سرمد کے اس عمل نے انائے شاہی
کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس نے علما سے کہا کہ محض برہنگی سزائے قتل تو نہیں
ہو سکتی اس لیے ان سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا مگر انھوں نے صرف لا الٰہ کہا اور کہنے
لگے کہ ابھی تو میں صرف نفی ہی میں مستغرق ہوں اثبات کی منزل تک نہیں پہونچا
ہوں اس پر علما نے کفر کا فتوے صادر کر دیا۔ خزینۃ الاصفیا جلد دوم
ص ۵۲۳ کے مطابق سکر و مستی کے عالم میں "من خدائم، من خدائم من خدا"
کہا تھا۔ بہرحال اسی جرم میں سنہ ۱۶۶۰ء میں اور تاریخ صاحب مخبر الواصلین
کے مطابق سنہ ۱۰۷۰ھ میں جامع مسجد کے قریب ان کا سر قلم کر دیا گیا اور مزار بھی
جامع مسجد کے مشرقی دروازے کے سامنے ہے۔

آں ولی کہ سرمد نامشی — بود از جامِ عشق یکسر مست
سالِ قتلش چو از خرد جستم — گشت پیدا کہ سرمدِ سرمست

بخشی ہے مرے خون نے تاثیر علامت
پہلے یہ اثر قصۂ سرمد میں نہیں تھا
(شمیم امروہوی)

جوش و خروش بحر میں نغمہ سرمدی بھی ہے
موج سے ہم کنار ہو راہ سفینے کی نہ دیکھ

(مرزا جعفر علیخاں اثر لکھنوی)

سفینۂ نوح ۔ حضرت نوح ایک جلیل القدر پیغمبر گذرے ہیں جنھوں نے بہت طویل عمر پائی اور زندگی کا بیشتر حصہ اپنی قوم کے لوگوں کو ہدایت کرنے میں گذارا لیکن جب ان کے پیغامات کا کوئی اثر نہ ہوا اور کوئی بھی گمراہی کے راستے سے ہٹنے کو تیار نہ ہوا تو جناب نوح نے بارگاہ الٰہی میں فریاد کی اور پروردگار عالم نے جناب نوح کو حکم دیا کہ تم ایک کشتی تیار کرو کیونکہ ہم اس قوم کو طوفان سے ہلاک کرکے پانی کی راہ سے آتش دوزخ میں ڈالیں گے۔

چنانچہ جناب نوح کشتی تیار کرنے لگے تو ان کی قوم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کردیا جب وہ کشتی کی تیاری میں مصروف ہوتے تو ان سے پوچھتے کہ اس کشتی کو کہاں چلاؤ گے کیونکہ اس بیابان خشک میں تو کہیں بھی پانی نہیں ہے۔ کوئی طنز کرتا کہ لوہاروں اور بڑھیوں کی صحبت میں رہ کر نوح نے تبلیغ کا کام چھوڑ دیا ہے۔ جناب نوح ان جملوں کو سن کر بھی خفا نہ ہوتے بلکہ ان کو آنے والے طوفان سے آگاہ کرتے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

بالآخر جب کشتی بن کر تیار ہوگئی تو حکم خدا ہوا کہ اس میں ہر قسم کے طیور اور حیوانوں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو۔ اس کی تعمیل بھی جناب نوح نے کی اور ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا سفینے میں رکھ لیا اور اسکے بعد جناب نوح کی رسالت اور ان کے خدا پر ایمان رکھنے والے بیاسی لوگ بھی اس کشتی پر سوار ہوگئے۔ اور قہر خداوندی طوفان کی شکل میں نازل ہوا۔ جناب نوح کی بیوی اور لڑکا کنعان کفار کے ہمراہ بھٹک رہے تھے۔ جناب نوح نے پھر اس کو بلایا تو اس نے کہا کہ وہ پہاڑ پر چڑھ جائے گا

لیکن ایک لہر ایسی آئی کہ وہ ڈوب گیا۔ تب جناب نوح نے خدا سے کہا کہ تم نے میرے اہلبیت کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ جواب ملا کہ وہ تیرا بیٹا نہیں تھا بھلے ہی تیرے سلف سے ہو۔ اہل وہ ہے جس کے اعمال نیک ہوں۔

غرضیکہ یہ طوفان چالیس دن تک جاری رہا اور سفینۂ نوح سطح آب پر تیرتا رہا۔

بالآخر طوفان کا زور جب ختم ہوا تو حضرت نوح کی کشتی کوہ جودی پر رک گئی۔ اسی پہاڑ کے دامن میں ایک گاؤں آباد ہوا۔ ان بیاسی آدمیوں اور جانوروں کی نسل بڑھنے لگی۔ حضرت نوح کی اولاد کو اللہ نے ایسی برکت دی کہ ان سے چالیس برس کے عرصے میں ایک ہزار شہر آباد ہوگئے۔

چونکہ طوفان کے بعد دنیا تباہ ہوگئی تھی اور نسل انسانی دوبارہ جناب نوح سے چلی اسلیے ان کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

مجھ کو بھی سیل حوادث سے بچالے مالک
کشتیٔ نوح میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرح

(بشیر فاروقی)

سکندر ۔ ایک مشہور یونانی بادشاہ گذرا ہے جس کو فتوحات کے سبب خوش بختی کی علامت کہا جاتا ہے اور خوش قسمت انسان کو تقدیر کا سکندر یا قسمت کا سکندر کہتے ہیں۔

سکندر ۳۵۶ء ق م میں مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس کی ملکہ المپیاس کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ وہ اوائل عمری ہی سے فنون سپہ گری اور شہسواری میں بے حد دلچسپی رکھتا تھا اور حکیم ارسطو کی تربیت نے اس کی صلاحیتوں

میں اور چار چاند لگا دیئے تھے۔ سکندر ۲۰ سال کی عمر میں ۳۳۶ ق م میں تخت نشین ہوا اور اسی زمانے میں ہندوستان کا رخ کیا۔ پنجاب میں دریائے جہلم کے قریب پنجاب کے راجہ سے جنگ ہوئی مگر بعد میں اس نے شکست خوردہ راجہ کو اس کا ملک واپس کر دیا۔ اس نے دنیا کے بہت سے ممالک فتح کئے، اسی سبب اس کو سکندرِ اعظم اور فاتحِ اعظم کہا جاتا ہے۔

سکندر کی بہادری اور اس کی فتوحات نے لوگوں کو اس درجہ متاثر کیا کہ اس سے متعلق بہت سی روایات وجود میں آگئیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت خضر اور سکندر کی ملاقات چشمۂ حیوان پر ہوئی تھی لیکن وہاں اس کا دل طویل عمری کی تکالیف کو دیکھ کر پھر گیا اور اس نے آبِ حیات پینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سکندر نے آبِ حیات پینا چاہا تھا لیکن پی نہ سکا اور اسی لیے اس کو ابدی حیات حاصل نہ ہو سکی۔ سامی ادب کی ایک روایت کے مطابق سکندر اپنے باورچی انڈریاس کے ہمراہ چشمۂ حیوان کی تلاش میں ایک طویل سفر پر نکلا۔ دورانِ سفر ایک جگہ قیام کیا انڈریاس خورد و نوش کے انتظام میں مصروف ہو گیا اور وہ ایک چشمہ کے کنارے بیٹھ کر نمک لگی ہوئی مچھلی پانی سے دھونے لگا لیکن جیسے ہی مچھلی پانی میں پہونچی وہ زندہ ہو گئی اور تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ انڈریاس اس کو پکڑنے کی کوشش میں خود بھی چشمے میں گر گیا اور اس طرح مچھلی کے ساتھ اس کو ابدی حیات مل گئی۔ جب سکندر نے یہ واقعہ سنا تو اس کو یقین ہو گیا کہ یہی چشمہ آبِ حیواں ہے جس کا پانی آبِ حیات کہلاتا ہے اور جو ابدی حیات بخشتا ہے۔ وہ اپنے

باورچی کے ہمراہ فوراً اس چشمے کی جانب چل پڑا لیکن تلاش بسیار کے باوجود بھی اس کو وہ چشمہ کہیں نظر نہ آیا اور اس طرح سکندر اس ابدی حیات سے محروم رہ گیا جس کی تلاش میں وہ سرگرداں تھا اور اس کا باورچی انڈریاس ایسی زندگی پا چکا تھا جس کا مصرف خود اس کو بھی نہیں معلوم تھا۔

بعض کتابوں میں یہی روایت جو سکندر اور اس کے باورچی انڈریاس سے منسوب ہے بالکل اسی طرح جناب موسیٰ اور جناب یوشع کے بارے میں بھی ملتی ہے۔

سلیمان حضرت داؤد کے بیٹے اور بنی اسرائیل کے پیغمبر گذرے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر اسم اعظم کندہ تھا جس کی برکت سے قدرت نے ان کو ایسی حکومت عطا فرمائی تھی جو نہ تو اس سے قبل کسی کو میسر ہوئی اور نہ بعد میں۔ ان کی حکمرانی صرف انسانوں پر ہی نہ تھی بلکہ وہ جنوں کے بھی بادشاہ تھے، چرند و پرند ان کے تابع تھے اور ان سے ہم کلام ہوتے تھے ہوا ان کی مطیع و فرمانبردار تھی اور ان کا تخت اپنے دوش پر اڑاتی تھی۔ ان کی حکومت بہت ہی وسیع و عریض تھی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی شان و شوکت اور لشکر کی کثرت ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ انتظام کیا گیا حضرت سلیمان ایک بلندی پر تشریف لے گئے کہ بچشم خود دیکھیں کہ وہ کس قدر جلیل القدر بادشاہ ہیں۔ اسی وقت ملک الموت بھی تشریف لے آئے اور روح قبض کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت سلیمان نے اتنی مہلت مانگی کہ وہ عصا کا سہارا کر لیں۔ مہلت مل گئی اور حضرت سلیمان کی روح قبض کر لی گئی۔ ان کا تنِ بے روح عصا کے سہارے کھڑا رہا اور لشکر یہ لشکر جو

ان کی شان و شوکت کی علامت تھے ان کے سامنے سے گذرتے رہے۔ ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ جناب سلیمان معائنہ فرما رہے ہیں۔ تب خدا نے دیمک کو حکم دیا کہ وہ ان کی عصا کو چاٹ لے۔ چنانچہ جب عصا میں دیمک لگی اور وہ ٹوٹ گئی تو جناب سلیمان کا جسم بھی فرش پر آرہا۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

حاضر مرے جنازے پہ ہوں سب ملائکہ
سایہ ہو سر پہ مثل سلیماں طیور کا
(امیر مینائی)

محسوس کر رہا ہوں تری بے رخی کے بعد
محروم ہو گیا ہے سلیماں بساط سے
(نہال رضوی)

سمندر۔ کہا جاتا ہے کہ چوہے کے برابر اور گرگٹ کے مشابہ یہ جانور آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ سے باہر نکلنے کے بعد مر جاتا ہے اسکے بارے میں مشہور ہے کہ جب ایک ہزار سال تک مسلسل آگ روشن رہے تو اس میں یہ سمندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل ایران کے آتشکدوں میں یہ جانور موجود تھا۔ لوگ اس کی کھال کی ٹوپیاں بنواتے تھے اور جب وہ میلی ہو جاتی تھیں تو دھونے کے بجائے ان کو آگ میں ڈال دیتے تھے جس سے وہ پھر صاف ہو جاتی تھیں ویسے عام رائے یہ ہے کہ سمندر بھی ایک خیالی جانور ہی ہے جس کا یقیناً کوئی وجود نہیں ہے۔

آتش حسن سے خلقت ہے دل عاشق کی
جس طرح آگ سے ہوتے ہیں سمندر پیدا (ناسخ)

غم کے شعلوں میں مگن تھا میں سمندر کی طرح
رات بھر روتی رہی شمع سرہانے میرے
(حیات وارثی)

سمندر منتھن۔ ہندو دیو مالا کے اعتبار سے ایک مرتبہ دیوتاؤں اور راکھشسوں میں بہت زبردست لڑائی ہوئی جس میں دیوتا ہار گئے اور ہر طرف تاراج پھیل گیا۔ تب وہ سب وشنو کے پاس گئے اور ان سے مدد مانگی۔ وشنو نے مشورہ دیا کہ وہ راکھشسوں سے صلح کر لیں اور دونوں ملکہ سمندر کو منتھن۔ اس طرح جو امرت سمندر سے نکلے وہ دیوتا پی لیں اور امر ہو جائیں جس کی بعد وہ راکھشسوں کو شکست دے سکیں گے۔ دیوتاؤں نے صلح کر لی اور راکھشسوں کو بتایا کہ سمندر کی تہ میں زر و جواہر ہے جو متھنے سے نکل سکتا ہے۔ راکھشس راضی ہو گئے۔ متھانی کے لیے مندراچل پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ لیا گیا اور ناگوں کے راجہ واسو کی کو رسی کے بطور استعمال کیا گیا۔ پھن کی طرف سے بھوتوں نے اور دم کی طرف سے دیوتاؤں نے پکڑ کر سمندر کو متھنا شروع کر دیا۔ وشنو بھی دیوتاؤں کے ساتھ لگ گئے۔ سمندر متھا جانے لگا ہر طرف پھین ہی پھین پھیل گیا۔ پھر کئی دن بعد سمندر سے زہر (وش) نکلا جس سے سمندر کے سارے جاندار تڑپنے لگے۔ تباہی پھیلنے لگی اور لوگ پریشان حال ہو کر شیو کے پاس گئے۔ انہوں نے ان کی فریاد سنی اور وہ زہر پی لیا مگر اس کو صرف گلے ہی تک آتارا جس سے ان کا گلا نیلا پڑ گیا، اور ان کو "نیل کنٹھ" کہا جانے لگا۔

پھر سمندر سے ایک سفید گھوڑا نکلا، جو راکھشسوں کو دے دیا گیا، پھر ایراوت نام کا ایک ہاتھی نکلا وہ دیوتاؤں کے راجہ اندر کو ملا کام دھینو

نام کی ایک گائے اور کلپ برکچھ نام کا ایک درخت بھی سمندر سے برآمد ہوا۔ ان سے لوگ جو کچھ طلب کرتے وہ ان کو مل جاتا تھا پھر لال رنگ کے کمل پر بیٹھی ہوئی لکشمی نکلی جس نے نکلتے ہی وشنو کے گلے میں جے مالا ڈال دی۔ اس طرح سمندر متھا جاتا رہا اور اس میں سے نعمتیں نکلتی رہیں۔ چودھویں اور آخری نعمت امرت تھا۔ اس کے لیے پھر دونوں گروہ لڑنے لگے۔ تب سمندر سے ایک بہت خوبصورت عورت نکلی اس نے مشورہ دیا کہ وہ لوگ لڑیں نہیں بلکہ امرت آپس میں بانٹ لیں پھر اس نے خود ہی تقسیم کی خدمت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ دراصل وہ وشنو تھے جنھوں نے عورت کی شکل اختیار کرلی تھی۔ دونوں فریق آمنے سامنے دو صفوں میں بیٹھ گئے۔ عورت نے انتہائی چالاکی کے ساتھ دیوتاؤں کو امرت دے دیا اور ان راکھشوں کو سمندر سے نکلی ہوئی شراب دے دی۔ ان میں ایک بہت ہوشیار تھا۔ وہ ان حالات سے مشکوک تھا چنانچہ وہ دیوتاؤں کی صف میں چپکے سے چلا گیا تھا اور اس نے امرت پی لیا۔ سورج اور چاند نے اس کو دیکھ لیا اور وشنو سے اشارہ کیا انھوں نے فوراً سودرشن چکر مارا جس سے اس کا سر کٹ گیا لیکن امرت پینے کی وجہ سے وہ مرا نہیں۔ اس کے سر کا نام راہو اور دھڑ کا کیتو پڑ گیا۔ اب بھی راہو اور کیتو سورج اور چاند کے دشمن ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے وہ اس حشر کو پہونچے چنانچہ موقع ملتے ہی جب راہو چاند کو چھاپ لیتا ہے تو چاند گرہن پڑ جاتا ہے اور کیتو سورج کو دبوچ لیتا ہے تو سورج گرہن پڑتا ہے۔

سا گر منتھن اسکی نظر میں اک ادنیٰ سی بات ہوئی
جس نے ہجر کی چوٹیں کھائیں زہر پیا تنہائی کا

(سید اطہر نبی)

سنگسار کرنا۔ بدکاروں کے لیے یہ ایک شرعی سزا ہے جس کے مطابق زانی کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا اور پھر عوام الناس اس کو اس وقت تک پتھر مارتے تھے جب تک وہ مر نہیں جاتا تھا۔

جو کعبے جاتے ہیں بت خانے سے کبھی اٹھ کر
تو سنگ راہ ہمیں سنگسار کرتے ہیں

(خواجہ وزیر)

وہ بتِ شیریں ادا کرتا ہے مجھ کو سنگسار
یہ شکر پارے برستے ہیں جنوں، پتھر نہیں

(ناسخ)

جس جگہ بیٹھے ہوئے ہم سنگسار
جب چلے ہم سیکڑوں پتھر چلے

(برق)

سورۂ اخلاص۔ کلام پاک کے ایک سو بارہویں سورے کا نام سورۂ اخلاص ہے جس میں خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کا ذکر ہے۔ چونکہ اردو میں لفظ اخلاص پیار اور محبت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لیے یہ سورہ محبت اور سہاگ کی علامت بن گیا اور شادی کے موقع پر آرسی مصحف کے وقت دولہا سے پڑھوایا جانے لگا۔

تا نبی اور بنی میں رہے اخلاص بہم
گوندھئے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

(ذوق)

سورۂ یٰسین۔ کلام پاک کا یہ سورہ حلِ مشکلات کے واسطے ایک معجزہ

ہے۔ خاص طور پر نزع کے وقت اس سورے کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ اگر زندگی ہوتی ہے تو مریض کی حالت سنبھل جاتی ہے اور اگر وقت آ چکا ہوتا ہے تو مشکل آسان ہو جاتی ہے اور دم آسانی سے نکل جاتا ہے۔

مر گیا سنتے ہی اس رد کے کتابی کا بیاں
مجھ کو ذکر مصحف رخ سورۂ یٰسین ہوا

(امانت)

مر گیا سنتے ہی اس کے نالۂ مرغ سحر
وصل کی شب میرے حق میں سورۂ یٰسین ہوا

(آتش)

سوزنِ عیسیٰ ۔ روایت ہے کہ جب حضرتِ عیسیٰ کو صلیب دی گئی تو اس وقت اتفاق سے ان کے دامن میں ایک سوئی لگی ہوئی تھی اور حکم خداوندی سے ان کو آسمان پر اٹھایا گیا تو وہ سوئی بھی ان کے دامن میں لگی ہوئی ان کے ساتھ چلی گئی۔ اس دنیاوی شے کے سبب ان کو چوتھے آسمان پر ہی روک دیا گیا اور وہ مزید آگے نہ جا کر وہیں قیام پذیر ہوا۔

سوم ناتھ ۔ اہلِ ہنود چندر ما یا چاند کو دیوتا مانتے ہیں جس کا ایک نام سومناتھ بھی ہے۔ گجرات میں سومناتھ کا ایک بڑا مندر تھا جس میں سومناتھ کا ایک بڑا بت معلق تھا۔ یہ مندر بے شمار زر و جواہر سے معمور تھا۔ محمود غزنوی نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اسی مشہور مندر کو بھی اپنا نشانہ بنایا۔ مندر کے پجاریوں نے محمود سے یہ درخواست کی وہ جس قدر مال و زر لینا چاہے لے لے مگر اس مندر کو اور بتوں کو

ہاتھ نہ لگائے۔ اس پر محمود نے جواب دیا کہ وہ بت شکن محمود کہلانا پسند کرے گا بت فروش محمود نہیں اور اسی کے ساتھ اس نے سومناتھ کے بت کو توڑ کر مندر کو لوٹ لیا۔

سوچتا ہوں جب کسی پتھر کو کوئی شکل دوں
ذہن میں کوئی نہ کوئی بت شکن آ جائے ہے

(اطہر نفیس)

سوئمبر ۔ قدیم ہندوستان میں رسم تھی کہ جب لڑکی شادی کے قابل ہو جاتی تھی اور شادی کرنا مقصود ہوتا تھا تو لڑکی کے گھر پر لڑکوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ ان مدعوئین میں سے ہی جس کسی پر لڑکی کی نگہہ انتخاب ٹھہرتی وہ اسکے گلے میں ہار ڈال دیتی تھی جس کو جے مال کہتے تھے۔ شری رام چندر جی کی شادی سیتا جی سے ایسے ہی سوئمبر میں ہوئی تھی جس میں شری رام چندر جی نے ایک مضبوط دھنش کو توڑا تھا اور سیتا جی نے ان کے گلے میں ہار ڈال دیا تھا۔

سہراب ۔ فارسی کے مشہور پہلوان رستم کا بیٹا تھا جس نے تاتاریوں کی طرف سے رستم کا مقابلہ کیا تھا اور رستم پر قابو پانے کے بعد اس کو چھوڑ دیا تھا۔ آخر میں انجانے میں باپ ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔

یہ قاعدہ ہے جنگ کا لے گا اگر نہ جاں
دینا پڑے گی جاں تجھے سہراب کی طرح

(ڈاکٹر ولی الحق انصاری)

سیتا ۔ سیتا جی راجہ جنک کی بیٹی اور سری رام چندر جی کی بیوی تھیں سیتا جی کے بارے میں یہ روایت ہے کہ جب راجہ جنک یگیہ کے واسطے ہل چلوا کر زمین برابر کرا رہے تھے تو ہل کی نوک لگنے سے زمین کے اندر سے

ایک مٹکا برآمد ہوا جس میں سیتاجی تھیں۔ چنانچہ راجہ جنک کے گھر میں ان کی پرورش ہوئی۔

راجہ جنک کے گھر میں شیو دھنش تھا جو بہت بڑا اور وزنی تھا اس کو تنہا اٹھانا بڑے بڑوں کے بس کی بات نہ تھی۔ ایک مرتبہ جب سیتاجی گھر کا کام کاج کر رہی تھیں انہوں نے اس شیو دھنش کو بہت معمولی اور ہلکی پھلکی چیز کی طرح اس کی جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا۔ راجہ جنک یہ منظر دیکھ رہے تھے اسی دن سے ان کے ذہن میں سیتاجی کے لیے مناسب ور کی فکر پیدا ہو گئی۔

جب سیتاجی کا سوئمبر ہوا تو یہ شرط رکھی گئی کہ جو شیو دھنش کو جھکا دے گا اس سے شادی کی جائے گی رام چندر جی نے اس دھنش کو معمولی دھنش کی طرح بیچ سے دو ٹکڑے کر دیا اور سیتاجی نے جے مال ان کے گلے میں ڈال دی۔

سیتاجی شجاعت، ایثار اور پاکیزگی کی علامت کے بطور مانی جاتی ہیں۔ جب رام چندر جی کو بن باس ہوا تو وہ ان کے ہمراہ تھیں۔

بن باس ہی کے زمانے میں ایک مرتبہ جب سیتاجی اپنی کٹیا میں تنہا تھیں تو لنکا کا راجہ راون فقیر کا بھیس بدل کر آیا اور بہانے سے سیتاجی کو لکشمن ریکھا کے باہر لا کر انہیں زبردستی اٹھا لے گیا۔

اس واقعے کے بعد ایک عظیم جنگ ظہور پذیر ہوئی جس میں راون مع اپنی فوج اور قلعے کے تباہ ہو گیا۔

بن باس کے بعد رام چندر جی کی واپسی ہوئی اور بھرت نے تخت، حکومت ان کے سپرد کر دیا۔ ہر طرف امن وسکون تھا اور راجہ کے ہرکارے

شہر میں گھوم گھوم کر حالات کا پتہ لگاتے رہتے تھے کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ ایسے ہی ایک آدمی نے بتایا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں رام نہیں ہوں جو پرائے گھر میں رہ کر واپس آنے والی عورت کو پھر رکھ لوں۔

اس جملے نے نہ صرف رامچندر جی کو بے حد ملول کر دیا بلکہ سیتاجی کو بھی بہت صدمہ ہوا۔ وہ وہاں سے چلی آئیں اور رشی بالمیکی کے آشرم میں پناہ لی جہاں ان کے دو بیٹے ہوئے ایک کا نام لو تھا اور دوسرے کا کش۔

یہ دونوں لڑکے بہت بہادر تھے۔ انہوں رام چندر جی کا گھوڑا پکڑ لیا تھا جس کے سبب رام چندر جی سے جنگ ہوئی جب رام چندر جی کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں بہادر بیٹے انھیں کے ہیں تو انہوں نے سیتا کو واپس چلنے کے لیے کہا لیکن اس حکم کی تعمیل سیتاجی کی خودداری کے خلاف تھی اور شوہر کی حکم عدولی بھی وہ نہیں کرنا چاہتی تھیں چنانچہ زمین پھٹی اور وہ اس میں سما گئیں۔ یوں جس طرح زمین سے وہ نمودار ہوئی تھیں اسی طرح زمین میں واپس چلی گئیں۔

سیّد۔ سیّد کے معنی سردار کے ہیں اور رسول مقبول کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد سید کہلاتی ہے۔

ترے گھرانے کا ہر فرد اب بھی ہے سید
جہاں میں تجھ سے ہے اونچے گھرانے والا کون

(حیات وارثی)

سیدالانبیاء۔ رسول اکرمؐ کا لقب ہے ملاحظہ فرمائیں خاتم الانبیاء

سیدالشہداء ۔ ملاحظہ فرمائیں حسینؑ، حضرت حسینؑ کا لقب ہے۔

سیدۃ النساء ۔ جناب فاطمہ زہرا کا لقب ہے جو تمام خواتین کی سردار ہیں آپ کو خاتونِ جنت اور سیدۃ نساء العالمین بھی کہتے ہیں ملاحظہ فرمائیں ۔ زہراؑ۔

سیل کا کونڈا ۔ یہ رسم عورتوں کی ایجاد کردہ بتائی جاتی ہے دستور تھا کہ جب لڑکا سن بلوغ کو پہونچتا اور مسیں بھیگنے لگتیں تو سیل کا کونڈا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں روسا و شرفا اپنی حیثیت سے کچھ زیادہ ہی شاندار تقریبات منعقد کرتے تھے جس کی خاص رسم یہ تھی کہ کونڈوں میں سوئیوں پر جناب امیر کی نذر دی جاتی تھی اور صاحبزادے کی مونچھوں پر صندل لگایا جاتا تھا۔

سیل کے کونڈے اسی کے آج ہیں کیا لے دوا
وہ جو تھا چھوٹا سا بچہ تیری گودوں کا پلا
(انشاءؔ)

سیمرغ ۔ فارسی اور اردو کے اساطیری ادب کا ایک خیالی پرندہ ہے جس کا وطن کوہ قاف تھا۔ یہ خیالی پرندہ اس درجہ بڑا ہوتا تھا کہ ہاتھی کے بچے کو اپنے پنجوں میں اٹھالے جاتا تھا کہتے ہیں کہ اس میں تیس پرندوں کا رنگ اور تیس پرندوں کے برابر اس کا قد ہوتا تھا۔

برق صمصاش بقاف رسد
صد چو سیمرغ شہپر اندازد
(حکیم مومن خاں نیرؔ)

ڈرتے ہیں ترے ناوک مژگاں سے یہ طائر
سیمرغ تلک قاف سے باہر نہیں آتا (امیرؔ)

ش

شاہ لولاک ۔ شہ لولاک، شاہ لولاک یا صاحبِ لولاک حضرت رسولِ خدا، محمد مجتبیٰ ص کے القاب ہیں۔

بر دانش ما انجم و افلاک بخندید
گر صاحبِ لولاک لما را نشناسیم
(فیضؔ)

شاہ مرداں ۔ شاہ مرداں، شیر یزداں اور شیر خدا القاب ہیں حضرت علیؑ کے حضرت علیؑ کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا اور وہ جس جنگ میں بھی شریک ہوئے اس میں فتحیاب ہوئے۔

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار
مشکل آساں، علی شیر خدا ہے وارث
ہر بلا رد ہے شہ کرب و بلا ہے وارث
(مولانا عمر وارثیؔ)

شامِ غریباں ۔ عالم مسافرت کی شام۔ یعنی وہ شام جو مسافروں کو پردیس میں ہو جائے جہاں بے یاری و مددگاری کے سبب شام کے

ساتھ آنے والی رات کا تصور ہی انتہائی وحشت ناک ہوتا ہے۔

عرف عام میں شام غریباں اس شام کو کہتے ہیں جو عاشورہ کا دن گذرنے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد اہلِ حرم کے لیے وہ شام اذیت ناک اور انتہائی کرب کی تھی جس کے بعد ان مظلوموں نے کھلے آسمان اور ریت کے فرش پر آنکھوں... آنکھوں میں پوری رات کاٹی تھی کیونکہ ان کے خیموں میں آگ لگا دی گئی تھی اور سارا سامان حتیٰ کہ سر کی چادریں تک یزیدی افواج نے لوٹ کر ان کو اسیر کر لیا تھا۔

شام غریباں، بے یاری و مددگاری، ناامیدی اور حسرت و یاس کی شام کے لیے بطور علامت استعمال ہوتا ہے۔

ہے شام حقیقت میں وہی شام غریباں
جب چاند کوئی خاک کے ذروں میں بکھر جائے

اہلِ حرم میں شامِ غریباں
ایک صدا ہے، چادر، چادر
(کاظم جروَلی)

شب برات ۔ ماہِ شعبان کی چودھویں اور بعض کے نزدیک پندرھویں رات شب برات کہلاتی ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس رات ملائکہ بحکم الٰہی رزق کی تقسیم کرتے ہیں اور عمر کا حساب لگاتے ہیں۔ شب برات میں مُردوں کی فاتحہ خوانی کی جاتی ہے اور حلوا پوری پکا کر بانٹی جاتی ہے۔ سب سے پہلے حلوے پر رسول مقبول کے چچا جناب حمزہ کی نذر دلائی جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضور سرورِ کائنات نے جنگِ اُحد میں فتح حاصل کی اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب مراجعت فرمائی تو دیکھا کہ ہر

شخص اپنے اپنے مردوں کو رو رہا ہے اور ان کی فاتحہ دلا رہا ہے لیکن جناب حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نے یہ حال دیکھ کر افسوس ظاہر کیا اور آپ کی خواہش پر انصار نے اپنی اپنی عورتوں کو جناب حمزہ کے گھر بھیجا تاکہ ان کا ماتم بپا کریں۔ شام سے آدھی رات تک جناب حمزہ کا ماتم ہوتا رہا۔ آج بھی مسلمان اپنے مردوں کی فاتحہ دلانے سے قبل جناب حمزہ کی فاتحہ دلاتے ہیں۔

چونکہ چودھویں شعبان حضرت امام مہدی آخرالزماں کی ولادت سے منسوب ہے اس لیے شب جشنِ ولادت کے بطور آتش بازی چھڑاتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں۔

کیوں ہیں اشک اپنے پھلجھڑی کی طرح
شب فرقت، شب برات نہیں
(ناسخ)

شب عاشور ۔ نو محرم کا دن گذرنے کے بعد جو رات آتی ہے وہ شب عاشور کہلاتی ہے۔ اس رات امام حسینؑ نے اپنے تمام انصار کو خیمے میں جمع کر کے چراغ گل کر دیا تھا اور کہا تھا کہ صبح سب لوگ شہید ہوں گے اس لیے جو جانا چاہتے ہوں وہ اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر بغیر ہچکچاہٹ کے چلے جائیں۔ مگر جب دوبارہ چراغ روشن کیا گیا تو ایک نفس بھی کم نہ تھا۔ ان تمام لوگوں نے حق پر مر جانے کو زندگی پر ترجیح دی اور امام حسینؑ کے ہمراہ پوری رات عبادت الٰہی میں بسر کی۔

بجھی جو شمع تو ہر چہرہ ہو گیا پُرنور
عجیب کیفیتِ خاص تھی شب عاشور
چمک رہا تھا اندھیرا بھی روشنی کی طرح

شدّاد ۔ قوم عاد کا ایک بادشاہ گذرا ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور ایک جنت بھی بنوائی تھی۔

(ملاحظہ فرمائیں جنت شدّاد)

نمرود نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شدّاد بھی بہشت بنا کر بنا خدا

شعلۂ طور ۔ اللہ کا وہ نور جو حضرتِ موسیٰ ؑ کو کوہ طور پر دکھائی دیا تھا اور تابِ نظارہ نہ لاسکنے کے سبب وہ اِس نور کو دیکھتے ہی بیہوش ہوگئے تھے۔ اسے جلوۂ طور بھی کہتے ہیں۔

اللہ اللہ سلیقہ یہ ترا شعلہ طور
کس طرح تو نے چھپایا ہے نمایاں ہونا
(عزیز لکھنوی)

نہ جاتا طور کیوں کر کس طرح موسیٰ نہ غش کھاتے
کہاں یہ تاب و طاقت جلوہ دیکھے مردمک تیرا
(داغ)

شق القمر ۔ حضور سرورِ کائنات کا ایک معجزہ تھا۔ جب یہودیوں نے آپ سے اپنے نبی ہونے کے ثبوت میں معجزہ دکھانے کی فرمائش کی تو حضور نے انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔

شمس تبریز ۔ ایک بلند پایہ صوفی بزرگ گذرے ہیں جن کا نام محمد بن ملک داد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شمس تبریز ولی پیدا ہوئے تھے اور فرمایا کہ بلوغ سے قبل ابھی مکتب ہی میں تھا کہ چالیس چالیس دن بغیر کھائے پیئے اور سوئے عشق محمدی گذار دیتا تھا۔

مولانا جلال الدین رومی (صاحب مثنوی معنوی) آپ سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ اور اس عقیدت کی انتہا کا واقعہ صاحب خزینۃ الاصفیا ہی کی زبان و الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"روزی شیخ شمس الدین از مولانا جلال الدین رومی شاہدی خواست۔ مولانا زوجۂ خود را بدست گرفت و بخدمت آورد، شیخ فرمود ایں خواہر من است، نازنین طفلی مولانا فرزند خود سلطان را پیش آورد و شیخ فرمود ایں فرزند من است، حالا گر قدری شراب دست دہد میخورم مولانا بیرون آمد و بسوی شراب خانہ رفت و شراب از محلۂ جہود ال پر کردہ بر سر بر داشتہ حاضر آورد، شیخ وقوع ایں حال تبسم کرد و فرمود کہ قوت مطاوعت و سعت مشرب ترا امتحان کردم ورنہ سرمستان عشق حقانی را بادۂ ظاہری چہ کار!" (خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۲۶۸)

اس واقعے کے بعد مولانا کے شاگردوں کی ایک جماعت اور مولانا کے ایک صاحبزادے حضرت شمس الدین تبریز کے دشمن ہوگئے اور ۶۴۵ھ میں ان کو قتل کر کے لاش ایک کنوئیں میں ڈال دی مولانا رومی کے صاحبزادے مولانا سلطان نے لاش کنوئیں سے نکال کر مدرسہ میں بانیٔ مدرسہ امیر بدر الدین کے پہلو میں دفن کیا خود شمس الدین تبریز کے صاحبزادے نے جنازے میں شرکت سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ شمس تبریز کے قاتلوں کا حشر بہت خراب ہوا اور ان کے صاحبزادے جذام میں مبتلا ہو کر مرے۔

جناب شیخ شمس الدین تبریز
کہ روشن بود از نورِ تجلیٰ

میخواں سلطان شمس الدین
رقم کن نیز شمس الدین معلیٰ
۶۳۵ھ

شہید کربلا ۔ حضرت امام حسینؑ کا لقب ہے ۔ ملاحظہ ہو حسینؑ ۔

شہید کربلا کے خون سے للہ دھو دینا
قیامت میں کھلے جب فردِ عصیاں یا رسول اللہ

(مولانا ہدایت رسول الوارثی)

شیخ نجدی ۔ شیطان کو کہتے ہیں جس نے شب ہجرت نجد کا شیخ بن کر کفار کی رہنمائی کی تھی ۔ (ملاحظہ ہو ہجرت)

شیریں ۔ خسرو پرویز کی بیوی یا کنیز کا نام تھا جس سے فرہاد کو بے پناہ عشق تھا اور کوہ بے ستوں کو کاٹ کر اس نے قصر شیریں تک دودھ کی ایک نہر نکالی تھی ۔ (ملاحظہ فرمائیں فرہاد)

مژدہ خسرو کو وصل شیریں کا
ہو چکی سعی کوہکن مشکور

(حالی)

شیش ناگ ۔ ہندو دیو مالا کا ایک عظیم ناگ جس کے ہزار پھن ہیں اور ساری دنیا کو سنبھالے ہوئے ہے ۔

ص

صحنک ۔ شادی بیاہ یا خوشی کے دوسرے مواقع کے علاوہ کوئی منت پوری ہونے یا مراد بر آنے کے بعد صحنک کی جاتی ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ دہی اور حصے پر جناب فاطمہ زہرا کی نذر دی جاتی ہے جسے سب سے پہلے سات سہاگن چکھتی ہیں جن میں ترجیح سیدانیوں کو دی جاتی ہے ۔ صحنک پر صرف پاکباز خواتین ہی بیٹھتی ہیں جن کو نذر سے قبل چونا چکھنا پڑتا ہے ۔ اس نذر میں جس کو صحنک کہتے ہیں پاکیزگی طہارت اور تقدس کا اس درجہ خیال رکھا جاتا ہے کہ کسی مرد حتیٰ کہ کم تر بچے کا بھی سایہ نہیں پڑنے دیا جاتا ۔

ڈر ہے ہم صورتوں کی جھینک سے
ارے اٹھ جاؤں گی میں صحنک سے

(شوق)

ہوں میلے سر سے مجھے دھونا ضرور ہے
صحنک میں شامل اے بوا ہونا ضرور ہے

صراط ۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ایک پل جنت اور دوزخ کے درمیان بنا ہے ۔

اہل ایمان اور اچھے اعمال والے لوگ اس پل پر سے بلا کسی ہچکچاہٹ کے گذر جائیں گے جبکہ گناہ گار اور بد اعمال اس پل سے نہ گذر پائیں گے اور دوزخ میں گر جائیں گے۔

رکھنا سمجھ سمجھ کے قدم چاہیئے یہاں
دنیا نہیں صراط ہے یوم النشور کی
(اسیر)

صفا۔ مکہ معظمہ میں واقع ایک پہاڑی کا نام صفا ہے صفا اور مروا کے درمیان دوڑنا ارکان حج میں شامل ہے۔

صلیب۔ یہ ایک لکڑی کا تختہ ہوتا تھا جو سیدھی اور آڑی لکڑی کے تختوں سے + شکل میں تیار کیا جاتا تھا۔ اس صلیب پر رومی لوگ عیسائیوں کو اس طرح مصلوب کرتے تھے کہ ان کے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر ہتھیلیوں اور پیروں میں کیلیں ٹھونک دیتے تھے اور اسی عالم میں سسک سسک کر مرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح مصلوب کیا گیا تھا۔ آج صلیب کا نشان تقدس کی علامت اور برکت کی نشانی کے بطور ہر عیسائی اپنے پاس رکھتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کو پلاطوس کے عہد حکومت میں مصلوب کیا گیا تھا جو پانچواں رومی حکمراں تھا اور جس نے ۲۶ء سے ۳۶ء تک حکومت کی۔

اپنی ذلت کی صلیب آپ لیے پھرتا ہوں
یہ بڑا بوجھ محبت کے سوا کون اٹھائے
(سید احتشام حسین ماہی)

محرومیِ صلیب پہ روئے گا کون اب
ہمت کے باوجود میسر نہ تو، نہ میں
(شمیم امروہوی)

صنم کا کھیل۔ صاحب فرہنگ آصفیہ کے مطابق یہ ایک قدیمی کھیل ہے۔ استادان عاشق مزاج کے اختراعات سے دل بہلانے کا لٹکا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اس کھیل کو اس طرح کھیلتے ہیں کہ چند ہم عمر باہم ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور داہنی جانب سے حرف "الف" کا دورہ شروع کرتے ہیں یعنی ان میں سے ایک کہتا ہے کہ "صنم آمد" دوسرا اس سے پوچھتا ہے "از کجا" وہ کہتا ہے "از احمد نگر" غرض آخر تک اسی طرح سے سوال کرتے جاتے ہیں اور وہ ہر ایک کا جواب دیتا جاتا ہے۔ جب الف کا دورہ ختم ہو جاتا ہے تو بے کا دورہ شروع کرتے ہیں اور اسی طرح یے تک لے جا کر ختم کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص جواب دینے سے قاصر ہو جاتا ہے تو اس کو اس طرح شرمندہ کرتے کہ جس حیوان کی چاہتے بولی بلواتے۔ بعض لوگ الف، عین، حا، ہا۔ سین، صاد۔ ذال۔ زاے۔ ضاد و ظا کا فرق نہیں کرتے اور ریوڑی و شیرینی وغیرہ جو چاہتے ہیں سو پوچھ بھی لیتے ہیں۔ تمثیلاً ایک سوال کر کے اس کا جواب بھی لکھا جاتا ہے۔

"صنم آمد"۔ "از کجا"۔ "احمد نگر"۔ "کجا می رود؟"۔ "بہ آگرہ"۔ "بر چہ سوار است"۔ "اشتر"۔ "چہ پوشیدہ است"۔ "اچکن"۔ "در دست چہ دارد"۔ "انگشتری"۔ "چہ می خورد"۔ "انگور"۔ "چہ می نوشد"۔ "آب"۔ "چہ میسر آید"۔ "امین کلیان"۔ "شعرے ہم یاد دارد؟"۔ "آرے"

اے باد اگر بہ گلشن احباب بگذری
زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما
آج بیڈھب ہے ہمارے دل پہ کچھ آئی ہوئی
جام ہے بجلی سبز ہے اور ہے گھٹا چھائی ہوئی
آیا رے نیفن میں پلک ڈھانک سو تو ہے لوٹن
نہ میں دیکھوں اور کو نہ تو ہے دیکھن دوں

"کدام شکل ہم یاد دارد؟" ـــ آمدن بہ ارادت رفتن بہ اجازت" "کدام چیستاں ہم یاد دارد؟ آرے۔

اٹھے تو اک روگ اٹھا دے بیٹھے تو دکھ دے
جاوے تو اندھیری لا دے آوے تو سکھ دے

بس اسی طرح سوالات ہر حروف کے کیے جاتے ہیں۔

صور اسرافیل۔ وہ صور جس کو حضرت اسرافیل قیامت کے دن پھونکیں گے۔ اسکی پہلی آواز سے تمام جاندار مر جائیں گے اور دوسری بار کی آواز سے تمام بے روح زندہ ہو جائیں گے۔ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کا وقفہ چالیس سال کا ہوگا۔

گر ترے فریادیوں کے نامۂ پیچیدہ کو
لب پہ رکھ کر پھونکئے پیدا ہو نالہ صور کا
(ذوق)

ض

ضحاک۔ حضرت عیسیٰ سے ۲۸۰ برس قبل، عرب میں ایک بہت ہی ظالم و جابر بادشاہ گذرا ہے جس کا نام ضحاک تھا۔ کہتے ہیں کہ اس شخص میں دس عیب تھے بدصورتی، پستہ قدی، ظلم، دروغ گوئی، بددلی، بیدینی، بسیار خوری۔ بے شرمی۔ بدزبانی اور بخیلی۔

جب فارس میں لوگ بادشاہ جمشید کے مظالم سے پریشان ہو گئے تو انہوں نے ضحاک کو فارس پر حملہ کرنے کی ترغیب دی چنانچہ اس نے فارس پر حملہ کر دیا اور جمشید کے جان بچا کر بھاگ جانے یا بعضوں کے نزدیک قتل ہو جانے کے بعد ضحاک تخت ایران پر متمکن ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ تازیانے لگانے اور دار پر چڑھانے کی سزائیں اسی کے وقت سے رائج ہوئی ہیں۔ ضحاک اس درجہ بدطینت تھا کہ اس نے اپنے باپ مرتاس کو دھوکے سے ایک کنوئیں میں گرا کر ہلاک کیا تھا جس کو خس و خاشاک سے پاٹ دیا گیا تھا۔

ضحاک جب ایران کے تخت پر بیٹھا تو اسکے مظالم نے لوگوں کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ ضحاک کی شیطنت اور جبروت کی سزا قدرت نے اس کو اس طرح دی کہ کسی عارضے کے سبب اس کے دونوں شانوں پر سانپ

نکل آئے جو اس کو ڈستے رہتے تھے۔ ضحاک کی اس عذاب سے بے حد پریشانی کے پیش نظر حکماء نے اس کو رائے دی کہ آپ سانپوں کو انسانی مغز کھلائیں، اس طرح جب وہ شکم سیر رہیں گے تو آپ کو نہیں کاٹیں گے۔

چنانچہ اس ترکیب پر عمل شروع کیا گیا اور اپنی سلامتی نیز سانپوں کی پرورش کے لیے ضحاک روز ایک بے گناہ کو قتل کرا کے اس کا مغز سانپوں کو کھلانے لگا۔ اہل ایران اس نے ظلم سے بے حد پریشان اور خوفزدہ تھے لیکن ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی ان میں ہمت نہ تھی۔ یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا۔ ایک شب ضحاک نے ایک بہت ہی خوفناک خواب دیکھا کہ اس درجہ خوفزدہ ہوا کہ بے اختیار چیخنے چلانے لگا۔ اس نے رات ہی میں نجومیوں کو طلب کیا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ اس نے دیکھا تھا کہ دو معمر اور ایک جوان آدمی تینوں مل کر اسے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ جوان کے ہاتھ میں ایک عجیب قسم کا گرز ہے اس نے اس کے ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑ رکھے ہیں اور اس پر گرز سے حملہ آور ہو رہا ہے شاہی نجومی ضحاک کے ظلم سے آشنا تھے اس لیے انہوں نے تعبیر دینے میں پس و پیش کیا۔ آخر کئی دنوں کے بعد انہوں نے کہا کہ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ کیہان نسل سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام فریدوں ہوگا۔ اس لڑکے کی پرورش گائے کے دودھ سے ہوگی۔ تو اس کے باپ کو قتل کرے گا اس لیے وہ تیرا دشمن ہو جائے گا اور اس عجیب و غریب گرز سے تجھ کو قتل کر کے ایران کے تخت و تاج پر قابض ہوگا۔ ضحاک نے یہ پیشین گوئی سنتے ہی کیہان نسل کے تمام مردوں کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ فریدوں شاہ طہورث کی نسل سے تھا اور تنہا وہی اس نسل میں باقی رہ گیا تھا اس لیے اس کے والدین ہمہ وقت فریدوں

کی زندگی کے لیے فکرمند رہتے تھے اور ہر وقت ان کو یہ خوف رہتا تھا کہ کہیں ضحاک، فریدوں کو قتل نہ کر دے۔ اس ڈر سے وہ لوگ نہ خود گھر سے باہر نکلتے تھے اور نہ ہی فریدوں کو باہر جانے دیتے تھے حالانکہ فریدوں ابھی شیر خوار ہی تھا۔ گھر میں بند رہنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے آخر ایک دن فریدوں کے باپ کا دل بہت گھبرانے لگا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اب طبیعت بند رہنے سے اکتا چکی ہے چلو ذرا باہر چل کر جنگل ہی میں کچھ گھوم لیں۔ مگر ان لوگوں کو اس کی خبر نہ تھی کہ ضحاک کے سپاہی ہر جگہ موجود ہیں چنانچہ ادھر وہ لوگ جنگل میں پہونچے ادھر سپاہیوں نے ان کو دیکھ لیا فریدوں کے باپ نے بیوی سے کہا کہ یہ لوگ فریدوں ہی کی تلاش میں ہیں اس لیے تم اس کو لے کر فوراً کہیں دور بھاگ جاؤ۔ ماں بچے کو کلیجے سے لگا کر بھاگ نکلی اور فریدوں کے باپ کو سپاہیوں نے پکڑ کر ضحاک کے حضور میں پیش کیا۔ ضحاک کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص کیہانی نسل سے تعلق رکھتا ہے تو اس نے اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ اور اس طرح وہ خواب جس نے ضحاک کو پریشان کر رکھا تھا تعبیر سے ہم کنار ہونے لگا۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں فریدوں)

شانۂ ضحاک کی مانند اک اک اس کی موج
مار پیچاں بن گئے ہو دست مستی با خط جام

(ذوق)

ط

طارق ۔ جناب طارق فاتح اندلس کے بطور یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ بربری نسل سے تعلق رکھتے تھے جن کا وطن افریقہ تھا اور موسیٰ بن نصیر نے غلامی سے آزاد کر دیا تھا۔ ان کا فتح اندلس کا کارنامہ شجاعت اور جوانمردی کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر تاریخ کو ناز ہے۔ جناب طارق نے جب مسلمانوں کے مختصر سے لشکر کے ساتھ جزیرے پر قدم رکھا تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس بحری بیڑے کو نذر آتش کر دیا جس سے وہ لوگ آئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ اب آگے تمہارا دشمن ہے اور پشت پر سمندر۔ جوانمردی کے ساتھ مجاہدوں کی طرح جنگ کرو اور جزیرے پر اللہ کے نام کو اور اس کے دین کو سربلند کرو۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا تھا کہ مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج نے دشمن کے ایک لاکھ کے لشکر کو شکست فاش دے کر اندلس پر اسلامی پرچم لہرا دیا تھا۔ جس جگہ حضرت طارق کی مختصر سی فوج قیام پذیر ہوئی تھی وہ جگہ آج بھی جبل الطارق کہلاتی ہے۔

طائر سدرہ ۔ طائر سدرہ یا طائر سدرۃ المنتہا حضرت جبریل کا لقب ہے کیونکہ سدرہ یا سدرۃ المنتہا وہ جگہ ہے جس سے آگے کسی فرشتے کا گذر نہیں ہے اور اسی جگہ جناب جبریل کا قیام ہے۔

شاہباز جلال و ہمت او
طائر سدرہ در اپر اندازد
(حکیم محمد حسین خاں نیر)

طوبےٰ ۔ بہشت کا ایک انتہائی خوشبو دار درخت ہے جس کی شاخیں ہر اہل جنت کے مکان پر چھائی ہوں گی اور جس کی خوشبو سے ساری فضا معطر ہوگی۔ اسی درخت سے انواع و اقسام کے میوے بھی اتریں گے۔

کھڑے ہوں زیر طوبیٰ وہ نہ دم لینے کو دم بھر بھی
جو حسرت مند تیرے سایۂ دامن کے بیٹھے ہیں
(داغ)

طور ۔ عرب کے گوشہ شمال و مغرب کی ایک پہاڑی چونکہ سریانی زبان میں طور کے معنی کوہ کے ہیں اس لیے اس کا اصل نام طور سینا تھا جو بعد کو طور یا کوہ سینا کہلانے لگا۔ اسی پہاڑی پر حضرت موسیٰ کو آگ جلتی نظر آئی تھی، دس احکام ملے تھے اور تجلی حق کا جلوہ نظر آیا تھا۔
(ملاحظہ ہوں واقعات جناب موسیٰ)

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
(غالب)

یہ کاروبار شیت بھی خوب ہے لیکن
کسی پہ برق گرے زد پہ طور آ جائے
(غلام ربانی تاباں)

طوفانِ نوح ۔ وہ طوفان جو جناب نوح کی قوم پر عذاب کی شکل میں

نازل ہوا تھا اس طوفان میں سب کچھ غرق ہو گیا تھا سوائے اُن صاحبان ایمان کے جو سفینۂ نوح پر سوار تھے۔ ان ہی لوگوں سے دوبارہ نسل چلی اور دنیا قائم ہوئی۔

طومار۔ بہت ہی لمبا کاغذ جس پر دورِ شاہی میں فرمان یا دستاویزات تحریر کی جاتی تھیں اور لپیٹ کے رکھا جاتا تھا۔

اک عمر کا قصہ ہے، برسوں ہی کا جھگڑا ہے
سنتے وہ اسے کب تک طومار ہے دفتر کا
(نسیم)

ع

عاشورہ۔ دس محرم کا دن عاشورہ کہلاتا ہے۔ اسی روز امام حسینؑ کو ان کے رفقا اور اعزا کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید کیا گیا تھا اور نبی زادیوں کو اسیر کیا گیا تھا۔

عزرائیل۔ ایک فرشتے کا نام ہے جو اللہ کی جانب سے روح قبض کرنے کی خدمت پر مامور ہے عزرائیل کو ملک الموت یا موت کا فرشتہ بھی کہتے ہیں۔

بارہا چھینا ہے مجھ کو دستِ عزرائیل سے
کس قدر نامِ خدا اِس جانِ جاں میں زور ہے
(ناسخ)

عصائے موسیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو قدرت نے یہ اعجاز عطا کیا تھا کہ جب اس کو زمین پر ڈال دیا جاتا تھا تو وہ اژدر بن جاتا تھا۔ اور بنی اسرائیل کے جادوگر جتنے سحر کرتے تھے سب کو نگل جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس عصا میں دیگر اعجاز بھی تھے جب حضرتِ موسیٰ اِس کو ہاتھ میں اٹھا لیتے تو یہ دوبارہ عصا کی شکل میں آجاتا۔

عقول عشرہ۔ یعنی نو آسمان اور دس فرشتے۔ روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ

نے پہلے صرف ایک فرشتے کو خلق فرمایا۔ اسکے بعد ایک فرشتہ اور ایک آسمان اس طرح یکے بعد دیگرے نو فرشتے اور نو آسمان خلق کیے گئے بعد میں اس دسویں فرشتے کو حکم دیا گیا کہ وہ دنیا کی تعمیر کرے۔

عنقا ۔ عنقا کے بارے میں عجیب و غریب روایات پائی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک خیالی پرندہ تھا جس میں ہر پرند کی مشابہت پائی جاتی تھی۔ عبد اللہ اصفہانی نے مرآۃ الخیال میں نقل کیا ہے کہ اصحاب الرس میں ایک میل اونچا ایک پہاڑ تھا جس پر ہزارہا قسم کے طیور رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہاں ایک ایسا پرندہ آگیا جو بہت بڑا تھا۔ اس کا منہ انسانوں کا جیسا تھا اور اعضا میں ہر جانور کی مشابہت تھی۔ اس نے اس پہاڑ پر رہنے والے جانوروں کو پریشان کرنا شروع کر دیا اور انسانوں کے بچوں کو بھی اٹھانے لگا۔ تب عاجز ہو کر لوگوں نے اپنے پیغمبر حنظلہ بن صفوان ع سے فریاد کی اور ان کی دعا سے ان لوگوں کو اس آفت سے نجات ملی اور یہ پرندہ کسی جزیرے کی جانب چلا گیا۔

عنقا کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پرندہ تمام دنیا میں صرف ایک ہوتا ہے۔ عرب میں پیدا ہوتا ہے اور اس کی عمر چھ سو برس کے قریب ہوتی ہے۔ اس کا قد عقاب کے برابر ہوتا ہے، سر پر چمکدار پروں کا بہت خوبصورت تاج ہوتا ہے، گردن کے پر سنہری اور تمام جسم ارغوانی رنگ کا ہوتا ہے۔ دم سفید اور سرخ نیز آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں۔ جب عنقا بوڑھا ہو کر مرنے کے قریب پہونچتا ہے تو لکڑیوں اور خوشبودار چیزوں سے ایک گول گھر بناتا ہے اور اس میں گھس کر بیٹھ جاتا اور وہیں مر جاتا ہے۔ اس کی ہڈیوں، گوشت اور چربی سے پھر ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے جو بڑھتے بڑھتے دوسرا عنقا بن جاتا ہے۔ یہ عنقا پہلے والے عنقا کے آخری رسوم اس طرح ادا کرتا ہے کہ

خوشبودار چیزیں جمع کر کے ایک بیضاوی گولہ بناتا ہے پھر اس میں سوراخ کر کے پہلے والے عنقا کے باقیات کو اس میں رکھ دیتا ہے اور سوراخ کو بند کر دیتا ہے۔ پھر اس گولے کو اٹھا کر لے جاتا ہے اور جہاں آتش پرستوں کی آگ روشن ہوتی ہے وہیں اس آگ میں اسے بھی جلا دیتا ہے۔

دہن یار کا رہتا ہے تصور اس میں
شیشۂ دل میں پری بن کے ہے عنقا اترا
(ناسخ)

عنقائے وصل تھا نہ ابھی دام میں پھنسا
مرغ سحر کی دور سے آنے لگی صدا
(امانت)

عوج بن عنق ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکروں میں عوج بن عنق ایک عجیب الخلقت شخص ہے جس کا قد تین سو تیئس ہاتھ کا تھا اور وہ دریا کی تہہ سے مچھلیاں نکال کر کھاتا تھا۔ طوفان نوح کا پانی اس کے زانوؤں تک تھا اور اسکی عمر تین ہزار سال کی تھی۔ اس کی ماں کا نام عناق تھا جو حضرت آدم کی دختر تھی۔

عوج بن عنق پہاڑ سے ایک چٹان اکھاڑ کر لایا تھا تاکہ حضرت موسیٰ کے لشکر پر پھینکے مگر خدا نے ہدہد کو بھیجا جس نے اس پتھر میں سوراخ کر دیا اور وہ چٹان اس کے گلے میں طوق کی طرح پڑ گئی۔ حضرت موسیٰ کا قد دس ہاتھ تھا اور دس ہاتھ کا ہی ان کا عصا بھی تھا۔ انھوں نے جب دس ہاتھ کی جست لے کے بعد عصا کا وار کیا تو وہ اسکے ٹخنے پر پڑا اور وہ ہلاک ہوا۔

عیسیٰ ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر گذرے ہیں

جن پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ چونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لیے آپ کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ مردوں کو زندہ کرنا اور بیماروں کو شفا عطا کرنا، یہ معجزے آپ کو قدرت سے ملے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جناب مریمؑ ایک مرتبہ اپنی بہن یا خالہ کے گھر پر تھیں کہ بعد ایام، غسل کے وقت حضرت جبرئیل نے ایک صالح اور پاکیزہ فرزند کی بشارت دی۔ جناب مریم نے فرمایا کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا یہ ناممکن ہے تو اس فرستادہ پروردگار نے بتایا کہ اللہ تجھ کو بغیر باپ کے ہی بیٹا مرحمت کرے گا اور تب اس فرشتے نے بطنِ مریم میں روح عیسیٰ پھونک دی اور جناب مریم حاملہ ہو گئیں۔

جب وقت ولادت قریب آیا تو جناب مریم کو شہر سے باہر جانے کا حکم ہوا۔ آپ بیت المقدس کی جانب روانہ ہوئیں لیکن ابھی دو فرسنگ کی مسافت طے کی تھی کہ دردِ زہ شروع ہوا اور بیت اللحم کے مقام پر حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔ جب بنی اسرائیل کو حضرت مریم کی گمشدگی کی اطلاع ہوئی تو وہ یہودا کی قیادت میں ان کی تلاش کرنے نکلے اور جناب مریم کو ایک نوزائیدہ بچے کے ہمراہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ انہوں نے انتہائی درشتی سے جناب مریم سے اس کے باپ کا نام پوچھا تو آپ نے بچے کی جانب اشارہ کیا۔ جناب عیسیٰ نے اپنی ماں کی عصمت کی گواہی دی اور یہودا کا غصہ کم ہو گیا۔ وہ ان دونوں کو واپس لے آیا اور جناب مریم کو عزت و تکریم سے رکھا۔

مگر سن بلوغ کو پہونچنے پر حضرت عیسیٰ نے جب اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اللہ کے دین کی جانب ان لوگوں کو بلانا شروع کیا تو وہ لوگ ان کا

مضحکہ اڑانے لگے اور بنی اسرائیل نے صاف صاف کہہ دیا کہ ایک طفل بے پدر کے کہنے سے ہم موسیٰ کا دین نہیں چھوڑیں گے۔

آخر حضرت عیسیٰ نے وہاں سے ہجرت کی۔ وہ راہ چلتے لوگوں کو اللہ کی جانب متوجہ کرتے اور لوگ ان پر ایمان لاتے۔ اس طرح انکے حواریوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ ایک بار ایک متکبر بادشاہ کو پیغام حق دینے انہوں نے اپنے دو حواریوں یعقوب اور توماں کو بھیجا تو اس نے اور اس کی رعایا نے حضرت عیسیٰ کا مذاق بنایا کیونکہ اس کو جناب مریمؑ اور جناب عیسیٰؑ کے بارے میں پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے جناب توماں کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر ان کو شہر کے باہر ڈلوا دیا۔ یہ خبر ملنے پر حضرت عیسیٰ کے دوسرے مقرب جناب شمعون شہر میں گئے اور جن کے وسیلے سے بادشاہ تک رسائی کی اور اعتبار قائم کرکے بادشاہ کے روبرو توماں سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ توماں کو اسی عالم میں لایا گیا۔ شمعون نے بادشاہ کو رائے دی کہ عیسیٰ کو بلا کر امتحان کر لیا جائے چنانچہ حضرت عیسیٰ کو طلب کیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ ہر نبی کے ساتھ کچھ معجزے ہوئے ہیں تم اگر نبی ہو تو معجزہ دکھاؤ۔ حضرت عیسیٰ نے توماں کے کٹے ہوئے ہاتھ پیر جسم سے ملائے اور ان پر ہاتھ پھیرا تو وہ پہلے جیسے ہو گئے پھر آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو بینائی واپس آ گئی۔ اسکے بعد فرمائش ہوئی کہ بے جان چیزوں میں جان ڈالو تو آپ نے مٹی کے مرغ بنا کر ان پر پھونک مار دی تو وہ اصل کے مطابق ہو کر پرواز کر گئے۔ اس کے بعد ایسے مریض لائے گئے جن کا مرض خطرے کی حدوں کو پار کر چکا تھا حضرت عیسیٰ ان پر پھونک مارتے رہے اور وہ صحت یاب ہوتے رہے تب ان لوگوں نے ایک اور فرمائش

کی کہ مردے کو زندہ کرو۔ آپ نے فرمایا کہ مردہ تم مہیا کرو اللہ کے حکم سے
زندہ میں کروں گا۔ تب انھوں نے کہا کہ سام بن نوح کو زندہ کریں جو ہمارے
اور تمہارے دونوں کے جد امجد تھے۔ حضرت عیسیٰ ان سب کو ہمراہ لے کر
سام بن نوح کو آواز دی تو قبر سے برآمد ہوئے اور انہوں نے سب سے
پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت کی گواہی دی۔ حضرت عیسیٰ نے سب سے پہلے ان سے
یہ سوال کیا کہ آپ کی رحلت کو کتنا عرصہ ہو گیا۔ جناب سام نے بتایا کہ چار ہزار
برس تب انہوں نے کہا کہ آپ کے بال کیوں سفید ہو گئے جبکہ آپ کے عہد
میں بال سفید نہیں ہوا کرتے تھے۔ سام نے کہا کہ میں نے آپ کی آواز پر شبہ
کیا کہ شاید قیامت آگئی ہے اسی دہشت سے بال سفید ہو گئے۔ جناب عیسیٰ
نے پھر پوچھا کہ کیا کچھ دن دنیا میں رہنے کی آرزو ہے تو جناب سام بن نوح
نے انکار میں جواب دیا اور کہا کہ ابھی پہلی ہی حیات کی تلخی باقی ہے اب مزید
دنیا میں رہنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ بہتر
ہے آپ پھر جوار رحمت میں تشریف لے جائیں۔ حضرت عیسیٰ نے اللہ سے
دعا کی اور سام پھر قبر میں واپس چلے گئے اور زمین ہموار ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور تبلیغ نے کثیر تعداد میں لوگوں
کو دین کی جانب متوجہ کیا مگر فلاطوس کے پاس جب انہوں نے پیغام بھیجا
تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور اس نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
حضرت عیسیٰ روپوش ہو گئے مگر ان کے حواریوں ہی میں سے ایک منافق نے
ان کا پتہ بادشاہ کو بتایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شب کے وقت حضرت عیسیٰ کو
گرفتار کر کے ایک مکان میں مقید کر دیا گیا تاکہ ان کو صبح کو مصلوب کر
دیا جائے۔

روایت ہے کہ شب میں جناب جبرائیل علیہ السلام اس مکان میں
آئے اور حضرت عیسیٰ کو اپنے ہمراہ آسمان پر لے گئے۔ صبح کو بادشاہ کے حکم
سے ایک آدمی کو اس مکان میں داخل کیا گیا۔ وہ عیسیٰ کو تلاش کرتا رہا
اور حکم خدا سے اس کی شکل حضرت عیسیٰ کی جیسی ہو گئی۔ جب اس نے باہر
نکل کر یہ اطلاع دی کہ عیسیٰ نہیں مل رہے ہیں تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا کہ تم ہی
تو عیسیٰ ہو۔ اب کیا کوئی نیا جادو کرنا چاہتے ہو بہر حال وہ عیسیٰ ہونے سے انکار کرتا رہا۔
مگر سب نے اس کو پکڑ کر مصلوب کر دیا۔ بعد میں جب اس آدمی کو ڈھونڈھا گیا تو وہ نہ
ملا اور وہ لوگ مستقل شبہ میں مبتلا رہے کہ اگر وہ شخص عیسیٰ نہیں تھا تو عیسیٰ
کہاں گئے اور اگر وہ عیسیٰ تھے تو ان کا ساتھی کہاں چلا گیا۔

حضرت عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض
پہلے اس کو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا
امیر مینائی

پاکان ازل کو نہیں پروائے تمرق
عیسیٰ کو ضرر کچھ نہ ہوا بے پدری کا
(ناسخ)

ف

فاطمہؓ ۔ حضور سرورِ کائنات کی صاحبزادی کا اسمِ مبارک ہے۔
(ملاحظہ ہو زہراؓ)

رہے گی تا قیامت آیۂ تطہیر تابندہ
ہے قرآں میں خود ترجمانِ فاطمہ زہراؓ
(حیات وارثی)

سمجھا رہا ہے آیۂ تطہیر کا نزول
عصمت کی جان روحِ طہارت ہیں فاطمہؓ
(جرار اکبرآبادی)

فرات ۔ ایک دریا کا نام ہے جو کوہ آرمینا کے پہاڑوں میں دو مقامات سے نکل کر خلیج فارس تک پہونچتا ہے۔ ۱۲۰ میل کی مسافت پر دریائے دجلہ بھی اسی دریا میں شامل ہو جاتا ہے دریائے دجلہ کو ملا کر دریائے فرات کا طول ۱۸۰۰ میل ہے۔

واقعۂ کربلا کے بعد فرات کی حیثیت تاریخی ہو گئی کیوں کہ اسی دریا کے کنارے ۱۰ محرم کو حضرت امام حسینؑ اپنے رفقاء، اقربا، اور انصار کے ہمراہ تین دن کے پیاسے شہید ہوئے

سنتے ہیں فرات سے گز کا نایاب نہیں پانی لیکن
اک بچہ پیاسا کل بھی تھا اک بچہ پیاسا آج بھی ہے
(والی آسی)

فردوسی ۔ حکیم ابوالقاسم منصور طوسی کا تخلص ہے جو ۹۵۰ء کے قریب موضع شاداب علاقہ طوس میں پیدا ہوا۔ فردوسی کی تخلیق شاہنامہ فارسی ادب کا شاہکار ہے جس میں، اس نے محمود غزنوی کی فرمائش پر ساٹھ ہزار شعروں پر مشتمل شاہانِ عجم کی تاریخ کو نظم کیا ہے۔ شاہنامہ تیس برس میں سنہ [illegible] میں مکمل ہوا تھا۔ محمود نے فردوسی سے فی شعر ایک اشرفی دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب شاہنامہ مکمل ہوا تو اس نے وعدہ ایفا نہ کیا۔ فردوسی اس طرزِ عمل سے بے حد دل برداشتہ ہوا اور اس نے ایک ہجو لکھی تحریر کر دی۔

آخر میں محمود کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے حسبِ وعدہ فی شعر ایک اشرفی کے حساب سے روپیہ بھیجا۔ کہا جاتا ہے جب یہ روپیہ پہونچا تو گھر سے فردوسی کا جنازہ نکل رہا تھا۔ اس کے بعد فردوسی کی بیٹی سے روپیہ لینے کے لیے اصرار کیا گیا لیکن اس نے کسی قیمت پر بھی اس کو قبول نہیں کیا۔

یہ کہتا ہے فردوسیٔ دیدہ ور
عجم جس کے سرمے سے روشن بصر
"ز بہرِ درم تند و بدخو مباش
تو باید کہ باشی درم گو مباش"
(اقبال)

فرشتہ ۔ اللہ کی وہ نورانی مخلوق ہے جس کو نور سے پیدا کیا گیا ہے فرشتے معصوم ہوتے ہیں یعنی ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا ہے۔ فرشتے جس جس کام پر مقرر ہیں اس پر ہمیشہ قائم اور مستعد رہتے ہیں یہ مخلوق نہ

مرد ہے نہ عورت نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں صرف ذکر الٰہی انکی زندگی کا مقصد ہے۔ یوں تو فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے جس کا علم خداوند قدوس کے علاوہ کسی کو نہیں ہے لیکن ان میں چار فرشتے مقرب بارگاہ ایزدی ہونے کے سبب بہت مشہور ہیں۔

۱۔ حضرت جبریل علیہ السلام۔ آپ پیغمبروں کے پاس خدا کے پیغامات اور کتابیں لاتے ہیں۔

۲۔ حضرت میکائیل علیہ السلام۔ حکم خدا سے بندوں میں رزق کی تقسیم آپ ہی کے ذمہ ہے۔

۳۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام۔ آپ صور لیے انتظار قیامت میں مسلسل کھڑے ہیں

۴۔ حضرت عزرائیل۔ ہر ذی روح کی روح قبض کرنے کی ذمہ داری آپ ہی کی ہے۔ آپ کو ملک الموت بھی کہتے ہیں۔

آدمی ایسا کہاں کوئی فرشتہ ہو تو ہو
شیخ صاحب یہ نہیں معلوم تم کس پر گئے
(ناسخ)

شہر میں رہتے ہیں ہر سمت فرشتے ساحر
کوئی بستی نہیں ہم جیسے گنہگاروں کی
(ساحر لدھیانوی)

فرعون۔ فرعون مصر کا وہ کافر بادشاہ تھا جس کے محل میں حضرت موسیٰ کی پرورش ہوئی تھی۔

فرعون کو جب اس کے منجموں اور ساحروں نے یہ خبر دی کہ اس سال

بنی اسرائیل میں جو لڑکے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک تیرے دین میں اور تیری قوم کی تباہی کا باعث ہوگا تو فرعون نے تمام عورتوں پر قابلہ عورتیں مقرر کر دیں تاکہ جو بچہ پیدا ہو اسے ہلاک کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ کوئی مرد اپنی زوجہ کے پاس نہ جائے مگر عمران پدر موسیٰ نے اس حکم کو نہ مانا۔ ان کی بیوی پر بھی قابلہ مقرر کی گئی لیکن یہ قابلہ ان سے مانوس ہو گئی اور اس نے مادر موسیٰ کو تسلی دی کہ تم فکر نہ کرو میں تمہارے لڑکے کو قتل نہیں ہونے دوں گی۔ چنانچہ جب موسیٰ پیدا ہوئے تو اس نے ان کو تہ خانے میں چھپا دیا اور پاسبانوں کو گوشت کا ایک لوتھڑا دکھا دیا کہ بچے کے بجائے یہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد جناب موسیٰ کو ایک لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔

آسیہ زن فرعون اس وقت دریائے نیل کے کنارے سیر میں مصروف تھی اس نے صندوق کو دیکھا تو اس کو نکالنے کا حکم دیا صندوق میں بچے کو دیکھتے ہی اس کی محبت آسیہ پر غالب آ گئی۔ چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے اس نے بڑی مشکل سے فرعون سے بچے کو اولاد کے مثل پرورش کرنے کی اجازت حاصل کر لی اور موسیٰ کی پرورش فرعون کے محل میں ہونے لگی۔ ایک دن موسیٰ فرعون کے پاس تھے کہ فرعون کو چھینک آ گئی۔ موسیٰ نے کہا الحمد للہ، فرعون چونک پڑا اور موسیٰ کے چہرے پر طمانچہ مارا۔ موسیٰ نے فرعون کی داڑھی نوچ لی۔ اس گستاخی پر فرعون نے موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر آسیہ نے کہا کہ بچہ ہے کیا جانے کیا کہتا ہے اور کیا کرتا ہے اس نے دانستہ تھوڑی کہا ہے مگر فرعون بے حد غصہ تھا۔ اس کو یقین تھا کہ بچے کی یہ حرکت عمداً تھی۔

اس پر آسیہ نے بچے کی فہم کا امتحان لینے کی تجویز رکھی۔ چنانچہ ایک تشت

میں انگارے اور ایک میں خرمے رکھے گئے اور موسیٰ سے کہا گیا کہ وہ ان میں سے کوئی چیز اٹھا لے۔ موسیٰ نے خرمے کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ جبرئیل نے ان کا ہاتھ انگارے کی طرف بڑھا دیا اور انہوں نے انگارہ اٹھا کر منھ میں رکھ لیا۔ موسیٰ کے عقائد چونکہ فرعون سے میل نہیں کھاتے اس لیے سن شعور کو پہونچتے ہی وہ اس کے شر سے بچنے کے لیے وہاں سے چلے گئے۔ جب قدرت نے موسیٰ کو رسالت کے منصب سے سرفراز کیا اور انہوں نے تبلیغ دین شروع کی تو وہ دربار فرعون میں بھی گئے اور اپنی رسالت کا اعلان کیا۔ فرعون نے ثبوت مانگا تو جناب موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو فوراً اژدھا بن گیا ایسا اژدھا جس کے شکم اور منھ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اژدھے نے فرعون کی جانب رخ کیا۔ فرعون بے حد خوفزدہ ہو گیا اور موسیٰ سے اس شر کو دور کرنے کی درخواست کی جناب موسیٰ نے عصا کو پھر اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ فرعون نے چاہا کہ وہ موسیٰ پر ایمان لے آئے مگر اس کے وزیر ہامان نے منع کیا کہ لوگ تجھے پوجتے ہیں اور تو خود اپنے بندے کا فرمانبردار بننا چاہتا ہے۔ یہ تو جادوگر ہے۔

پھر فرعون نے موسیٰ سے مقابلہ کرنا طے کیا اور اپنے بہترین جادوگروں کو بھیجا۔ ان لوگوں نے رسیوں اور لکڑیوں کو پھینکا جو جادو کے ذریعہ حرکت میں آ گئے لیکن جناب موسیٰ کے اژدر نے سب کو نگل لیا جادوگر سجدے میں گر گئے ـــــ اور موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ فرعون اور زیادہ بھڑک گیا۔ آخر جناب موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے، فرعون نے لشکر کے ساتھ پیچھا کیا۔ جناب موسیٰ نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریائے نیل کو پار کر گئے لیکن جب فرعون نے بھی اسی انداز سے گھوڑا دریا میں ڈالا تو نیل کی موجوں میں تلاطم پیدا ہو گیا اور فرعون اپنے پورے لشکر

کے ساتھ غرق ہو گیا۔

فریدوں۔ زمانہ قدیم میں فارس کا ایک بادشاہ گذرا ہے جس نے ضحاک کو قتل کر کے تخت حکومت پر قبضہ کیا تھا۔ فردوسی نے ضحاک کے مظالم اور فریدوں کا ذکر شاہنامے میں اس انداز سے کیا ہے کہ یہ کردار افسانوی بن گئے ہیں۔ فردوسی نے فریدوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب ضحاک کے سپاہی فریدوں کے باپ کو پکڑ کر لے گئے تو فریدوں کی ماں اسے گود میں لیے ہوئے بہت دور نکل گئی جہاں اس کو ایک بزرگ کی کٹیا نظر آئی۔ اس بزرگ کے پاس ایک گائے تھی جو بہت دودھ دیتی تھی۔ اس درویش صفت بزرگ نے ان دونوں کو پناہ دی اور فریدوں کی ماں بچے کی سلامتی کے پیش نظر اس کو وہیں اس درویش کے پاس چھوڑ کر چلی آئی اور فریدوں گائے کے دودھ سے پرورش پاتا رہا۔ تین برس کے بعد ممتا نے جوش مارا تو وہ بچے سے ملنے گئی اور اس کو اپنے مکان پر لے آئی جو کوہِ البرز پر واقع تھا۔ اس دوران ضحاک کے سپاہیوں کو خبر ملی کہ فریدوں فلاں بزرگ کے پاس ہے اور گائے کے دودھ سے پرورش پا رہا ہے۔ وہ لوگ وہاں پہونچے مگر اس سے پہلے ہی فریدوں کی ماں اس کو لے جا چکی تھی۔ فریدوں کو نہ پا کر وہ لوگ بہت غضبناک ہوئے اور اس بزرگ اور گائے دونوں کو مار ڈالا۔ چونکہ فریدوں کی ماں مستقل خوفزدہ رہتی تھی اس لیے وہ اپنے گھر بھی نہ رکی اور ایک دوسرا فتادہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور بزرگ کے پاس پہونچ گئی اور بچے کو اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ ادھر فریدوں کی تلاش میں سپاہی اس کی ماں کے مکان پر پہونچ گئے، یہاں بھی فریدوں نہ ملا تو سارے گھر کو تاراج کر ڈالا مگر پہاڑ کی اس چوٹی کی طرف ان کا ذہن نہ گیا۔

اس بزرگ نے فریدوں کو بغور دیکھ کر کہا کہ اس بچے کا اقبال، اسکی قسمت میں ایران کی بادشاہت کی نشاندہی کر رہا ہے۔ تب فریدوں کی ماں نے تمام واقعات اس بزرگ کو بتاتے ہوئے کہا کہ اسی خطرے کے پیش نظر ضحاک نے اس کے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی فریدوں جوش میں آگیا اور بدلہ لینے کو تیار ہوا لیکن ان لوگوں نے اس کو سمجھایا کہ تم ابھی بہت کمسن ہو۔ اللہ خود اسباب کرے گا۔

ضحاک فریدوں کے نہ ملنے سے بہت پریشان تھا۔ اسی زمانے میں کسی نے افواہ اڑا دی کہ فریدوں ہندوستان چلا گیا ہے اور وہاں پرورش پا رہا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی ضحاک نے بھاری لشکر کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کر کے فریدوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے ایک محضر نامہ تیار کیا جس میں ضحاک کی رحمدلی، رعایا پروری، منصف مزاجی اور فہم و فراست کی تعریف کی گئی تھی۔ اس محضر نامے پر تمام امرا اور دیگر لوگوں نے دستخط کر دیے تھے کیونکہ وہ سب ضحاک سے خوفزدہ تھے۔

اسی دوران ضحاک کے سانپوں کی غذا کے لیے ایک آہن گر کے لڑکے کو منتخب کیا گیا تو اس کا باپ دربار میں فریاد لے کر آیا اور ضحاک کو اسکے مظالم سے آگاہ کرنے لگا۔ ضحاک نے آہن گر کو یقین دلایا کہ وہ اسکے لڑکے کو قتل نہیں کرے گا ——— اس کے بعد اس نے وہ محضر نامہ آہن گر کو دکھا کر اس سے دستخط کرنے کو کہا۔ آہن گر محضر نامہ دیکھتے ہی بے قابو ہو گیا۔ اس نے تمام عمائدین کو خوب سخت وسست کہا کہ انہوں نے ایک ظالم کو رحمدل کیسے کہہ دیا۔ وہ آہن گر اسی وقت اپنے لڑکے کے ہمراہ دربار سے چلا گیا اور فریدوں سے مل گیا اس نے فریدوں کے لیے فوج ترتیب دی اور ضحاک کے ستم سے پریشان لوگوں کا ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ اس نے گائے کے سر سے ملتا جلتا ایک

گرز گاؤسر فریدوں کے لیے بنایا اور آہن گروں کے پرچم میں تبدیلی کر کے اس کو فریدوں کے لشکر کا پرچم بنا دیا۔ ادھر ضحاک فریدوں کی تلاش میں ہندوستان کی جانب اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا ادھر فریدوں نے اس کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ ضحاک کو خبر ملی کہ فریدوں اس کے تخت پر قابض ہو گیا ہے تو وہ پھر واپس ہوا مگر اس کی فوج بھی اس درمیان اس سے بددل ہو چکی تھی۔ بہرحال ضحاک نے چوری چھپے محل میں گھس کر فریدوں کو مار ڈالنے کی کوشش کی لیکن فریدوں نے اس کو دیکھ لیا اور گرز گاؤسر اس کے سر پر مار دیا جس سے وہ بیہوش ہو گیا ضحاک کو کوہ دماوند کے ایک غار میں پھینک دیا گیا جہاں اژدھوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔

فریدوں کا دور حکومت بہت طویل بتایا جاتا ہے جو خوشحالی اور فارغ البالی کا دور تھا۔ فریدوں کے بعد اس کے تینوں بیٹوں بنام۔ تورج اور ایرج میں جنگ ہوئی اور تینوں ہی مارے گئے، جس کے بعد اس کا پوتا منوچہر تخت نشین ہوا۔

آں فقر کہ بے تیغے صد کشور دل گیرد
از شوکت دارا بہ، از قصر فریدوں بہ
(اقبال)

فلاطوس۔ یہاں رومی حاکم تھا جس کے دور حکومت میں حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو عیسیٰ)

آں فلاطوس، آں صلیب، آں روئے زرد
زیر گردوں توجیہ کردی، آں چہ کرد
(اقبال)

فرہاد۔ فرہاد، فارس کے بادشاہ خسرو پرویز کی کنیز یا بیوی سے محبت کرتا تھا جس کا نام شیریں تھا۔ آخر خسرو نے فرہاد کے عشق سے پریشان ہوکر اس سے کہا کہ شیریں کے لیے تازہ دودھ کی بہت پریشانی ہے جو کوہ بے ستون سے آتا ہے۔ اگر تم کوہ بے ستون کو کاٹ کر قصر شیریں تک ایک نہر بنا دو جس سے دودھ آسکے تو شیریں بے حد خوش ہوگی اور میں شیریں کو تمہیں بخش بھی دوں گا۔

فارس کی اس مشہور پہاڑی بے ستون کو تراش کر اس میں سے نہر نکالنا ناممکن کام تھا جس کا خسرو کو علم تھا۔ لیکن فرہاد پوری توجہ کے ساتھ اس ناممکن کام کو ممکن بنانے میں منہمک ہوگیا۔ کوہ بے ستون کٹنے لگا اور آخر وہ وقت بھی قریب آگیا جب نہر بن کے تیار ہونے والی تھی۔ خسرو، فرہاد کو زبان دے چکا تھا اس لیے وہ بہت خوفزدہ تھا کہ کہیں فرہاد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوجائے۔ چنانچہ اس نے ایک بڑھیا کے ذریعہ کوہکن فرہاد کے پاس یہ خبر بھیجی کہ شیریں کا انتقال ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی فرہاد کو اتنا صدمہ ہوا کہ جس تیشے سے پہاڑ کاٹ رہا تھا اس نے وہی تیشہ اپنے سر پر مار لیا اور مر گیا۔

گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیشہ
درونِ کوہ سے نکلی صدائے واویلا
(انشاء)

ق

قارون۔ حضرت موسیٰ کا خالہ زاد یا چچا زاد بھائی تھا جو بے حد امیر و کبیر تھا۔ اسکے خزانوں کی کنجیاں ساٹھ خچروں پر بار کی جاتی تھیں۔ قارون کو اپنے مال و زر، قصر اور شان و شوکت پر بے حد غرور تھا۔ بنی اسرائیل اس کی جاہ و ثروت کے سبب اس کی خوشامد میں لگے رہتے تھے۔ یہ سب ہونے کے باوجود وہ بے حد بخیل اور کنجوس تھا۔ وہ حضرت موسیٰ کا اکثر مذاق اڑایا کرتا تھا اور ان کو پریشان کرتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک خوبصورت مکان بنوایا اور اسکی دیواروں پر طلاکاری کرائی اسکے بعد وہ اس مکان میں صبح و شام بنی اسرائیل کو کھانے پر مدعو کرنے لگا۔ جو لوگ قارون کے مکان سے کھانا کھا کر نکلتے وہ اس کے ہمنوا ہوتے اور جناب موسیٰ پر طرح طرح کے حملے کرتے۔

پھر جب خدا نے حضرت موسیٰ پر زکوٰۃ کا حکم نازل فرمایا تو وہ بنی اسرائیل کے دیگر امراء کے علاوہ قارون کے پاس بھی گئے اور اس سے ہزار دینار پر ایک دینار، ہزار درم پر ایک درم اور ہزار گوسفند پر ایک گوسفند اسی طرح اسکے تمام مال و دولت پر زکوٰۃ طے کی۔ قارون نے جب

حساب لگایا تو زیادہ مال پاس سے جاتا محسوس ہوا چنانچہ اس نے زکوٰۃ دینے
سے انکار کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ کو ذلیل کرنے کے لیے ایک شعبدہ رچایا تاکہ لوگ
متنفر ہو جائیں اور ان سے نجات مل جائے۔ اس نے اپنے نمک خواروں
اور خوشامدیوں سے کہا کہ وہ فلاں فاحشہ عورت کو بلا کر لائیں۔ عورت آئی
قارون نے کہا ایک ہزار اشرفی یا ایک طلائی طشت جو تو طلب کرے گی
وہ تجھے ملے گا مگر تو بنی اسرائیل کے سامنے موسیٰ پر زنا کا الزام لگا دے۔ دوسرے
روز خود قارون بنی اسرائیل کو لے کر حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور ان سے
کہا کہ لوگ باہر جمع ہیں آپ ان کو اپنے وعظ سے مستفید فرمائیں۔ جناب موسیٰ
باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ جو شخص چوری کرے بحکم خدا ہے کہ اس
کے ہاتھ قلم کر دو، جو شخص قتل کرے اس کو اسی تازیانے مارو اور جو زنا کرے
اگر ناکتخدا ہے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور اگر زوجہ رکھتا ہے تو اسکو
سنگسار کر دیا جائے تاکہ مر جائے۔ اس وقت قارون بول پڑا خواہ آپ ہی کیوں
نہ ہوں، جناب موسیٰ نے فرمایا ہاں تو اس نے کہا کہ بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ
آپ نے فلاں فاحشہ کے ساتھ زنا کی ہے۔ وہ عورت پیش ہوئی تو حضرت
موسیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تیرے ساتھ زنا کی ہے۔ اس خدا کے حق سے
کہنا جس نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو شگافتہ کیا اور مجھ پر توریت نازل
فرمائی، وہ عورت کانپ اٹھی اور کہنے لگی کہ حضرت یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ بلکہ
قارون نے مجھ کو لالچ دے کر آمادہ کیا تھا کہ میں آپ پر بہتان لگا دوں۔ جناب
موسیٰ یہ سن کر سجدے میں گر گئے۔ بنی اسرائیل ساکت رہ گئے۔ تب حضرت موسیٰ
نے بددعا کی اور لوگوں سے کہا کہ جو قارون کے ساتھیوں میں ہیں وہ اسکے
پاس بیٹھے رہیں اور جو اس کے دوست نہ ہوں وہ الگ ہو جائیں۔ یہ سن کر

سوائے دو آدمیوں کے سب الگ ہو گئے۔ تب جناب موسیٰ نے زمین
سے کہا کہ ان کو نگل لے، تو ان کے قدم زمین میں دھنس گئے ابھی طرح وہ حکم
دیتے گئے اور زمین قارون اور اس کے ساتھیوں کو نگلتی گئی یہاں تک وہ زمین
میں دھنس گئے اور زمین برابر ہو گئی۔ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے اس کے
بعد کہا کہ موسیٰ نے قارون کی ہلاکت کی دعا اس لیے کی تھی کہ وہ خود اس کے بعد
اس کے خزانوں پر متصرف ہوں۔ جناب موسیٰ نے جب یہ سنا تو پھر دعا کی اور قارون
کے تمام مکانات محلات اور خزانے زمین میں دھنس گئے۔

جدا ہوتا نہیں زیر زمیں بھی جوہرے سر سے
زر داغ جنوں شاید کہ قاروں کا خزانہ ہے
(ناسخ)

یہ صحن باغ میں افزائش زر گل ہے
کہ باغباں بھی ہو قاروں کی طرح مالا مال
(میر مہدی حسن عاقل)

قاف۔ ایشیائے کوچک کے شمال میں واقع ایک پہاڑ ہے
اساطیری ادب میں اس پہاڑ کا ذکر بہت طلسماتی انداز میں کیا گیا ہے
جس کے مطابق کوہ قاف پر پریاں اور دیو رہتے ہیں۔

قائد اعظم۔ محمد علی جناح کا خطاب ہے جو غیر منقسم ہندوستان
کے مسلم لیگی مسلمانوں کے رہنما تھے جن کی ضد نے ہندوستان کے ٹکڑے کرا دیئے
اور پاکستان کی بنیاد پڑی۔ یہ واقعہ ۱۹۴۷ء کا المیہ ہے جس کے نتیجے میں
ہزاروں انسان جان سے گئے، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم اور لاتعداد
گھر تباہ ہو گئے۔

محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء میں کراچی کی خوجہ جماعت کے ایک متمول تاجر کے گھر میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی اسکول کراچی سے میٹرک پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۸۹۲ء میں لندن گئے جہاں لنکن ان (LINCON INN) سے قانون کی تعلیم حاصل کی اور ۱۸۹۶ء میں امتیاز کے ساتھ بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا بیرسٹری کا ابتدائی زمانہ بہت تنگ دستی میں گذرا لیکن جلد ہی اپنے عزائم سے انہوں نے اچھی حیثیت بنائی اور مقدمات میں کامیاب ہونے لگے۔ اس طرح ابتدائی دس سال تک انہوں نے ایک معمولی بیرسٹر کی حیثیت سے کام کیا لیکن اسکے بعد ان کا شمار ملک کے ممتاز بیرسٹروں میں ہونے لگا۔ ان کا سیاسی شعور تو اسی زمانے میں بیدار ہونے لگا تھا جب وہ تعلیم حاصل کر رہے تھے عملی طور پر وہ سیاست میں قوم پرست کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے لیکن ۱۹۱۳ء میں انہوں نے مولانا محمد علی مرحوم اور سید وزیر حسن کے سمجھانے پر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور باقاعدہ اس کے ممبر بھی بن گئے۔ وہ مسلم لیگ کے دس سال تک صدر رہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مسلم لیگ میں زندگی کی روح انھیں نے پھونکی تو غلط نہ ہوگا۔ لیگی مسلمانوں نے جوش عقیدت میں ان کو قائد اعظم کے خطاب سے نوازا جبکہ قائد اعظم، رہبر اعظم یا مصلح اعظم جیسے خطابات صرف حضور سرور کائنات ہی کو زیب دیتے ہیں۔

۱۹۴۰ء میں لاہور کے ایک اجلاس میں لیگ نے پاکستان کے قیام کی قرارداد منظور کی جبکہ کانگرس نے ہندوستان کی سالمیت کو برقرار رکھنے کی پرزور وکالت کی اور اس تجویز کی پوری شدت سے مخالفت کی۔ لیکن بہرصورت ایک وقت ایسا بھی آگیا جب کانگریس کو مسٹر جناح کی ضد کے آگے

سپر ڈال دینا پڑی اور ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی غیر فطری اور غیر جغرافیائی تقسیم کے بعد ایک نئی مملکت پاکستان وجود میں آگئی اور قائد اعظم محمد علی جناح اس نوزائیدہ مملکت کے پہلے گورنر جنرل ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور کراچی میں دفن ہوئے۔

قرۃ العین۔ قرۃ العین ایران کی مشہور اور ممتاز شاعرہ طاہرہ زرین تاج کا اصل نام ہے۔ یہ شاعرہ حسن و جمال میں بے نظیر تھی اور فرقہ بابیہ کی نہ صرف شدید ترین پیرو تھی بلکہ بابیہ عقائد کی مبلّغ بھی تھی۔ ۱۸۵۲ء میں دیگر بابیوں کے ہمراہ اس کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔

قطامہ۔ عورتیں بہت ہی بد کردار، تیز طرار۔ بے حیا اور بے غیرت عورت کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ قطامہ ایک نہایت فاحشہ عورت تھی جو آلِ رسول کی دشمن اور ابن ملجم کی داشتہ تھی۔ اسی عورت کی سازش سے ابنِ ملجم نے حضرت علیؑ کو مسجد کوفہ میں شہید کیا تھا۔

ققنس۔ یہ ایک بہت ہی خوش رنگ اور خوش آواز پرندہ بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی چونچ میں تین سو ساٹھ سوراخ ہوتے ہیں جن سے مختلف سُر اور راگ نکلتے ہیں۔ اس کو جب بھوک کی شدت ستاتی ہے تو وہ اونچے پہاڑ پر ہوا کے رخ کی جانب بیٹھ کر چونچ سے سحر انگیز راگ نکالتا ہے جس کے سبب پرندے مسحور ہو جاتے ہیں اور اس کے قریب آکر مبہوت ہو کر نغمے سننے لگتے ہیں۔ ققنس ان میں سے کسی ایک کو پکڑ کر اپنی بھوک مٹا لیتا ہے۔

ققنس کی عمر ایک ہزار سال کی بتائی جاتی ہے جب یہ اپنی عمر طبعی کو پہونچ جاتا ہے تو بہت سی سوکھی لکڑیاں ایک جگہ جمع کر کے ان پر بیٹھ جاتا

ہے اور دیپک راگ گانے لگتا ہے جس کے اثر سے لکڑیوں میں آگ لگ جاتی ہے اور یہ انھیں لکڑیوں کے ساتھ خود بھی جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ قدرت خدا سے راکھ پر جب بارش کا پانی پڑتا ہے تو اس میں انڈا پیدا ہوجاتا ہے جس میں سے تھوڑے دنوں کے بعد ایک نیا ققنس وجود میں آتا ہے۔

گر تو کرے نہ صید تو ققنس کی طرح سے
جل کر ہو اپنی آگ میں خود ہی شکار خاک

(صابر)

قم باذن اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ وہ مردے کو قم باذن اللہ کہہ کر زندہ کر دیتے تھے یعنی اٹھ اللہ کے حکم سے ملاحظہ فرمائیں عیسیٰ۔

قم باذن اللہ کہتی آئی گلشن میں بہار
جی اٹھے جو ہوگئے تھے مردہ دل دشت خزاں

(امیر)

قم باذنی۔ حسین بن منصور حلاج ایک مشہور صوفی بزرگ گذرے ہیں جن کے مکمل حالات منصور کے تحت درج کئے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ منصور نے عالم جذب میں قم باذنی کہہ کر ایک مردے کو زندہ کر دیا تھا منصور کے اس عمل پر ان کے خلاف شرعی حکم صادر ہوا اور وہ قتل کر دیئے گئے۔

منصور ایک مرتبہ ایک حلاج (دھنیے) کی دکان پر بیٹھے تھے انہوں نے دکان دار سے کسی کام سے جانے کے لیے کہا تو دھنیے نے کام کی زیادتی کا عذر کیا۔ انہوں نے کہا تم جاؤ تو سہی تمہارا سب کام ہو جائے گا۔ منصور کے اصرار پر وہ چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی دکان کی ساری روئی دھنکی جا چکی ہے وہ حیرت زدہ ہوکر کہنے لگا کہ آپ تو مجھ سے بھی زیادہ

حلاج ثابت ہوئے۔

قم باذنی، قم باذن اللہ میں
فرق ہے ارض و سما کا اے مسیح

(عاشق)

قیامت۔ دنیا کے اختتام کا دن۔ اس روز جناب اسرافیل صور پھونکیں گے تو سارے ذی روح فنا ہو جائیں گے اور آفتاب سوا نیزے کے فاصلے پر آ جائے گا۔

خدا کے واسطے جلدی دکھا دے حسن کا جلوہ
قیامت کو ترے دیدار کا وعدہ قیامت ہے

قیس۔ عرب میں نجد کے مقام پر آباد قبیلہ بنی عامر کے سردار ملوح بن فراحم کے بیٹے کا نام قیس تھا جو دیوانگی عشق کے سبب مجنوں مشہور ہوا، بچپن ہی میں لیلیٰ نامی ایک لڑکی کو دل دے بیٹھا، جوانی میں محبت کی یہ چنگاری شعلہ بن گئی۔ جنگل جنگل بھٹکنے لگا اور اسی صحرا نوردی میں ایک دن روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی قیس صاحب دیوان شاعر تھا۔ (ملاحظہ ہو مجنوں)

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

ترا اے قیس کیوں کر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی انداز لیلائی

(اقبال)

ک

کاغذی پیراہن۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی فریادی بادشاہ کے حضور اپنی فریاد لے کر جاتا تھا تو وہ کاغذ کا لباس پہن لیتا تھا چنانچہ اس کا لباس ہی دیکھ کر دور سے اندازہ کر لیا جاتا تھا کہ وہ فریاد کرنا چاہتا ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
(غالب)

کالا پانی۔ انگریزوں کے دور حکومت میں جزائر انڈومان اور نکوبار کا پورا علاقہ "کالا پانی" کے نام سے مشہور تھا اور ان خطرناک مجرموں کو جن میں مجاہدین آزادی سر فہرست ہوتے تھے حبس دوام، بعبور دریائے شور کی سزا دی جاتی تھی۔ یہاں کی سیلیور جیل جو سنہ ۱۹۰۶ء میں تعمیر کی گئی تھی آج بھی ان سیاسی قیدیوں پر گذرنے والی سختیوں اور مظالم کی خاموش گواہ ہے۔ اس جیل میں مشہور انقلابی رہنما ویر ونائک دامودر ساورکر جن کو لوگ ویر ساورکر کے نام سے جانتے ہیں پچپن سال سے زیادہ کی سزا کاٹنے کے لیے بھیجے گئے تھے اور ان سے مشقت لینے کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ بیل

کے بجائے ان کو کولہو میں جوتا جاتا تھا۔ یہ جیل آج ایک قومی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے۔

خلیج بنگال کے جنوب مشرق میں واقع چھوٹے چھوٹے ۵۵۰ جزیروں پر مشتمل اور شمال سے جنوب کی جانب لمبائی میں واقع اس پورے مجمع الجزائر کو انڈمان اور نکوبار کے نام سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ انڈمان کا آغاز جزیرہ لینڈ فال سے ہوتا ہے جو دریائے ہگلی کے دہانے سے نو سو کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور برما سے اس کی دوری ایک سو نوے کیلو میٹر ہے۔ اس کے بعد بالترتیب شمالی انڈمان جنوبی انڈمان اور لٹل انڈمان واقع ہیں۔ لٹل انڈمان سے تقریباً ایک سو بیس کیلو میٹر کے فاصلے پر نکوبار ہے۔ اس مجمع الجزائر میں سب سے آخر میں عظیم نکوبار (گریٹ نکوبار) ہے جو انڈونیشیا کے جزیرے سماترا سے ایک سو پچاس کیلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔

یہ پورا علاقہ جو کسی زمانے میں مجرموں کا کالا پانی تھا آج ایک چھوٹا سا ہندوستان بن چکا ہے جہاں ہر صوبے کے لوگ اپنے روایتی لباسوں اور تہذیبوں کے ساتھ رہ رہے ہیں اور مقامی لوگوں کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کافی ہو چکی ہے۔

دسمبر اور جنوری کے علاوہ سال کے تمام مہینوں میں یہاں مسلسل بارش ہوتی ہے۔ اس مجمع الجزائر کا دار الحکومت پورٹ بلیر ہے۔

دل سے بے رابطہ ہے ہر جذبہ
زندگی ہے کہ کالا پانی ہے
(حیات وارثی)

خوگر یبک ہ کو حیثیت حیواں نہ دکھا
اے خسروہ تو مرے حق میں ہے کالا پانی

(اسیر)

کبیر۔ ہندوستان کے سنتوں میں کبیر کا نام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے جنھوں نے آج سے تقریباً پانچ سو پچاس برس قبل یہ پیغام دیا تھا کہ جب تک قلب صاف نہ ہو عبادت سے کوئی فائدہ نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ نیرو نام کے ایک لاولد جولاہے اور اس کی بیوی کو راہ میں ایک نوزائیدہ بچہ پڑا ملا وہ لوگ اس کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئے اور اپنی اولاد کی طرح اس کی پرورش کی کچھ جوشیلے کبیر پرست کہتے ہیں کہ نیرو کو ایک روشنی آسمان سے زمین کی طرف اترتی دکھائی دی جب وہ اس روشنی کی طرف بڑھا جو آسمان سے اتر کر تالاب میں کھلے ہوئے کنول کے پتوں پر ٹھہر گئی تھی تو اس نے دیکھا کہ کنول کے ایک پتے پر ایک بچہ لیٹا ہوا ہے اور وہ اس کو اٹھا کر گھر لے آیا۔

جولاہے کے گھر میں پرورش نے کبیر کو کپڑا بننے کا ہنر سکھایا وہ بڑی لگن سے کپڑا بنا کرتے تھے۔ اس پیشے سے ان کو اتنا پیار تھا کہ انہوں نے سادھو ہونے کے بعد بھی کپڑا بننا ترک نہیں کیا۔

کبیر کو دنیاوی معاملات سے قطعی دلچسپی نہ تھی، ان کا وقت اکثر سادھو سنتوں کی خدمت میں صرف ہوتا اور آخر ایک دن انہوں نے یہ طے کیا کہ کاشی کے مشہور رہنما سوامی رام آنند کے شاگرد ہو جائیں مگر سوامی جی نے ان کو شاگرد نہیں بنایا۔ کبیر دل برداشتہ تو ہوئے مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری ایک دن وہ علی الصباح گھاٹ کی سیڑھیوں پر لیٹ گئے، سوامی رام آنند جب گنگا اشنان کو جانے لگے تو اندھیرے میں ان کا پیر کبیر کی چھاتی

پر پڑ گیا۔ اور وہ رام رام کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ اس اثنا میں کبیر بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سوامی رام آنند نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ بیٹا رام رام کہو تمھیں چوٹ تو نہیں لگی۔ تب کبیر نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ آپ کا پاؤں پڑنے سے میرا جسم پاک ہو گیا اور آپ نے جو رام رام کہنے کا درس دیا ہے اس نے مجھ کو آپ کا شاگرد بنا دیا ہے۔ اسکے بعد سوامی جی نے کبیر کو شاگرد بنا لیا۔

کبیر بالکل اَن پڑھ تھے لیکن ان کی تبلیغ بہت پرمغز ہوتی تھی ان کے عقیدت مندوں میں ہندو بھی تھے مسلمان بھی۔

کہتے ہیں کہ جب کبیر کا انتقال ہوا تو مسلمان عقیدت مند ان کو دفن کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ ایک جولاہے کی اولاد تھے لیکن ہندو عقیدت مند ان کو جلانا چاہتے تھے کیونکہ وہ ایک ہندو کے شاگرد تھے اور ہندو مت کے مبلغ سادھو تھے۔ یہ تکرار نزاع کی حد میں داخل ہو رہی تھی کہ ایسے میں کسی نے کبیر کی لاش پر سے چادر الٹ دی تو دیکھا گیا کہ لاش غائب تھی اور اس کی جگہ کچھ پھول کھلے تھے۔ چنانچہ وہ پھول دونوں فرقوں میں بانٹ دیئے گئے۔

جانے کس دن جاگ اٹھے میرے اندر کا کبیر
تم پڑا رہنے دو یونہیں ٹھوکروں کے درمیاں

(بشیر فاروقی)

کراماً کاتبین۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق یہ دو فرشتے ہیں جو ہر انسان پر متعین کئے گئے ہیں۔ یہ فرشتے انسان کے اچھے اور برے اعمال تحریر کرتے رہتے ہیں۔ اسی اعمال نامے کے مطابق انسان کو اس کے کئے کی سزا یا جزا دی جائے گی۔

کبھی قسمت کے لکھے سے زیادہ لکھ نہیں سکتے
وہ ناداں ہیں جنھیں خوف کراماً کاتبیں آیا
(آتش)

کربلا - عراق میں واقع وہ مقام جہاں امام عالی مقام حضرت حسین ع ان کے رفقا و انصار کو شہید کیا گیا تھا۔ کربلا میں امام حسین ع نیز شہدائے کربلا کے مزارات مقدسہ ہیں جن کی زیارت کے لیے زائرین وہاں کثیر تعداد میں جاتے ہیں۔

امام حسین کے روضے کی نقل میں یا ان سے منسوب کرکے جو عمارتیں بنائی گئی ہیں وہ بھی کربلا کہلاتی ہیں جہاں تعزیئے دفن کیے جاتے ہیں۔

زمانے کے ستم سے روز ناسخ
نئی اک کربلا ہے اور میں ہوں
(ناسخ)

کرشن - شری کرشن اہل ہنود کے مطابق بھگوان کا روپ تھے جن کو کنھیا بھی کہا جاتا ہے۔ سری کرشن جی کے اپدیشوں پر مشتمل کتاب گیتا، ہندوؤں کی ایک مقدس کتاب ہے۔ کرشن جی بھادوں کی آٹھ تاریخ کو پیدا ہوئے تھے جس کو اہل ہنود جنم اشٹمی کے نام سے مناتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ متھرا میں اگرسین نامی ایک بہت نیک اور رحم دل راجہ تھے لیکن ان کا سب سے بڑا لڑکا کنس باپ کے مزاج کے بالکل برخلاف تھا۔ اس نے راجہ اگرسین کو تخت سے اتار کر قید میں ڈال دیا اور خود تخت حکومت پر بیٹھ گیا۔ کنس بے حد ظالم اور بدمزاج تھا لیکن اس کے باوجود اس کو اپنی چچازاد بہن سے بہت محبت تھی چنانچہ جب اس کی چچازاد بہن دیوکی کی شادی ہوئی تو اس کو رخصت کرنے گیا اور اس کا رتھ

بھی اس نے خود ہانکا۔ کہا جاتا ہے کہ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اس کو ایک غیبی آواز سنائی دی جو اس سے کہہ رہی تھی کہ جس بہن کو تو اتنے پیار سے رخصت کر رہا ہے اسی کے بیٹے کے ہاتھوں تو مارا جائے گا۔ کنس اس آواز سے بہت گھبرایا اور اس نے سوچا کہ کیوں نہ دیوکی کو ختم کر دیا جائے تاکہ اس کی نسل سے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ لیکن جب اس نے دیوکی کو مارنے کا ارادہ کیا تو اس کا شوہر اور خود کنس کا بہنوئی آڑے آگیا اس نے کہا کہ خطرہ تو دیوکی کی نسل سے ہے دیوکی سے نہیں ہے۔ آپ دیوکی کو نہ ماریں۔ ہم لوگ جتنے بچے ہوں گے سب آپ کو دے دیں گے آپ کو اختیار ہے جو چاہے سلوک کریں۔ غرضیکہ اس طرح دیوکی کے سات بچے کنس کے ہاتھوں قتل ہوگئے اور پھر جب آٹھواں بچہ ہونے والا ہوا تو اس نے دونوں میاں بیوی کو قید میں ڈلوا کر سخت ترین پہرہ قائم کر دیا۔ بھادوں کی آٹھ تاریخ کو جب بچہ پیدا ہوا تو دیوکی کو وہ بچہ کچھ زیادہ ہی پیارا لگا اور یہ طے کر لیا کہ وہ بچے کو مرنے نہیں دیں گی۔ اسی لمحے ایک معجزہ ہوا قید خانے کے دروازے کھل گئے دیوکی کے شوہر وسودیو کی ہتھکڑیاں، بیڑیاں ٹوٹ گئیں اور سنتری گہری نیند سو گئے۔ پھر ایسا لگا جیسے کوئی ان سے کہہ رہا ہو کہ بچے کو جمنا پار گوکل میں یشودھا کے گھر پہونچا دو۔ وسودیو فوراً بچے کو ایک سوپ میں رکھ کر گوکل کو چل دیئے وہ رات بھادوں کی بھیانک رات تھی، گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور رہ رہ کر بجلی چمک رہی تھی ایسے میں ایک بہت بڑے ناگ نے آکر بچے کے اوپر اپنا پھن پھیلا دیا تاکہ بارش سے بچہ محفوظ رہ سکے۔ مختصر یہ کہ وسودیو بچے کو لے کر یشودا کے گھر پہونچ گئے۔ وہاں بھی سارے دروازے کھلے ہوئے تھے اور سب لوگ بے خبر سو رہے تھے، خود یشودھا بھی گہری نیند

میں تھیں اور ان کے پہلو میں ایک بچی سو رہی تھی۔ وسودیو نے بچی کی جگہ اپنے
بچے کو لٹا دیا اور اس بچی کو لے کر متھرا واپس آ گئے۔

ان کی واپسی تک حالات ویسے ہی تھے انہوں نے قید خانے میں داخل
ہو کر بچی کو دیوکی کی گود میں دے دیا اور ان کے اس عمل کے ساتھ ہی حالات
پہلے ہی کی طرح ہو گئے ہتھکڑیوں، بیڑیوں نے ان کو جکڑ لیا، زنداں کے درواز
بند ہو کر مقفل ہو گئے اور سنتری بیدار ہو گئے۔ ایسے میں وہ بچی بیدار ہو کر
زور زور سے رونے لگی۔ پہرے دار چونک پڑے اور فوراً کنس کی ولادت کی
خبر دی۔ کنس آیا اور بچی کو پیروں سے پکڑ کر لٹکایا۔ دیوکی کی منت سماجت
کا اس پر اثر نہ ہوا وہ بچی کو یونہی لٹکائے ہوئے باہر آیا اور چاہتا تھا کہ لڑکی کو
پتھر پر ——— پٹک کر ختم کر دے
کہ وہ لڑکی اس کے ہاتھوں سے نکل گئی اور یہ کہتے ہوئے آسمان کی جانب پرواز
کر گئی کہ بے وقوف تو ناحق میرے خون سے ہاتھ رنگ رہا ہے تیرا خون
کرنے والا پیدا ہو چکا ہے۔

کرشن جی کی پرورش یشودھا کے یہاں گوکل میں ہوئی جہاں وہ گائیں
چراتے تھے۔ ان کی بچپن اور جوانی کی داستانیں شرارتوں سے پر ہیں بچپن میں
وہ مکھن چرا لیا کرتے تھے جس کو وہ بہت شوق سے کھاتے تھے، پنگھٹ پر کبھی
وہ پانی بھرنے والی عورتوں کی مٹکیاں توڑ دیتے تھے کبھی اشنان کرنے والیوں
کے کپڑے چھپا دیتے تھے۔ بانسری بجانے میں ان کو ملکہ حاصل تھا۔

کرشن جی مہابھارت کی لڑائی میں سچائی کی آواز بن کر دنیا پر چھا گئے
انہوں نے ارجن کو جو نصیحتیں کیں وہ "گیتا" کی شکل میں آج بھی دنیا کو
سچائی کی تلقین کر رہی ہے۔

کسریٰ۔ عجم کے شاہوں کو کسریٰ کہتے تھے ویسے کسریٰ انوشیروانِ
عادل کے لیے مخصوص ہو گیا ہے (ملاحظہ ہو نوشیرواں)

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی
(اقبال)

کعبہ۔ مکہ معظمہ میں واقع وہ مقدس اور متبرک عمارت جس کی جانب
رخ کر کے مسلمانانِ عالم سجدہ حق ادا کرتے ہیں اس عمارت کی بنیاد حکمِ
خداوندی کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ ان کے فرزند
حضرت اسماعیل علیہ السلام ذی طویٰ سے پتھر لاتے تھے اور جناب ابراہیم دیوار
تعمیر کرتے تھے۔ جب دیواریں نو ہاتھ بلند ہو گئیں تو حکم خدا سے کوہِ ابو قبیس
سے لا کر اس میں حجر الاسود اس مقام پر نصب کیا جہاں وہ آج بھی موجود ہے
اس کے بعد مشرق اور مغرب کی جانب دو دروازے بنائے جن میں دروازہ
مغرب کو مستجار کہتے ہیں جب حضرت ابراہیم خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے
تو بارگاہِ ایزدی میں دعا کی کہ خداوند اس مقام کو ایک ایسا امن قرار دے
جو ہر شہر سے زیادہ پر امن ہو۔

اس کے بعد جناب جبرئیل نے حضرت ابراہیم کو ارکانِ حج و عرفات و طواف
تعلیم فرمائے جس کے بعد جناب ابراہیم نے خانہ خدا کو حضرت اسمٰعیل کی تولیت
میں دے دیا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی
(غالب)

کلیم اللہ۔ لغوی معنی ہیں اللہ سے باتیں کرنے والا۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خداوند عزوجل سے گفتگو فرماتے تھے اس لیے آپ کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہوں واقعات حضرت موسیٰ)

جمالِ قدرت تجھی کو دیدے کہ میں کلیجے کی چوٹ سینکوں
کلیم کے گھر میں رکھے رکھے وہ آگ اب کیا بنا رہی ہے

(مضطر خیرآبادی)

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آیا
ہو گئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا

(امیر مینائی)

بن کر کلیم اپنے کمالِ وفا سے ہم
کہیے تو باتیں کر کے دکھا دیں خدا سے ہم

(نظم لکھنوی)

کنعان: فلسطین میں وہ مقام جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ (ملاحظہ ہوں واقعات حضرت یوسف علیہ السلام)

کن فیکون۔ معبودِ حقیقی نے موجوداتِ عالم کو خلق کرنا چاہا تو اس نے حکم فرمایا کہ ہو جا اور ہر شے عالمِ وجود میں آگئی۔

کوہ آدم۔ لنکا میں واقع کوہستانی سلسلے کی ایک بلند چوٹی جس کے متعلق قیاس ہے کہ حضرت آدم جب بہشت سے نکالے گئے تھے تو اسی پہاڑ کی چوٹی پر اترے تھے یہ پہاڑ جس جزیرے پر واقع ہے اس کو سنگلدیپ کہتے ہیں۔ پہاڑ کے اوپر ایک گڑھا ہے جس کے بارے میں گمان ہے کہ وہ حضرت آدم کے گرنے سے پیدا ہوا تھا۔

کوہ بے ستوں۔ ایران کا وہ مشہور پہاڑ جس کو کاٹ کر فرہاد نے شیریں کے لیے دودھ کی نہر نکالی تھی (ملاحظہ ہو فرہاد)

اپنے سر کو پھوڑ کر اب جان شیریں کیوں نہ دوں
بے ستوں پر مجھ کو ناسخ کوہ کن یاد آئے گا

(ناسخ)

کوہ جودی۔ وہ پہاڑ جہاں حضرت نوح کی کشتی طوفان کے بعد ٹھہری تھی۔ (ملاحظہ ہوں واقعات حضرت نوح)

کوہ سینا۔ شام میں واقع وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلوۂ حق نظر آیا تھا۔ اس کو کوہ طور یا طورِ سینا بھی کہتے ہیں۔

کوہ صفا۔ صفا اور مروہ دو پہاڑیاں مکہ معظمہ میں واقع ہیں جن کے درمیان سات مرتبہ دوڑنا حاجیوں کے لیے ارکانِ حج میں شامل ہے

کوہ قاف۔ ایشیائے کوچک کے شمال میں واقع ایک پہاڑ۔ چونکہ اس علاقے کی عورتیں عموماً انتہائی خوبصورت ہوتی ہیں اسلیے افسانوی ادب نیز طویل داستانوں میں جب پریوں کا ذکر آیا ہے تو ان کو کوہ قاف سے متعلق بتایا گیا ہے یعنی کوہ قاف کی پری۔ اسی طرح اس خیالی مخلوق کا وطن پرستان کوہ قاف ہی پر واقع ہوتا ہے۔

کھینچ لے کاش وہ پری اپنے مجھے لحاف میں
یا کہ بلا سے پھینک دے دامن کوہ قاف میں

(انشا)

کوہ کن۔ فرہاد کو کہتے ہیں (ملاحظہ ہو فرہاد)

دل یہ ہوں گر داغِ سوزاں عشق میں ایسے کوہ کن
پھر تو خسرو کا بھی گنجِ سوختہ کیا مال ہے
(ذوق)

کوہ نور۔ یعنی روشنی کا پہاڑ۔ یہ ایک بہت بڑے ہندستانی ہیرے کا نام ہے جس کے برابر دنیا میں کوئی دوسرا ہیرا نہیں ہے۔

اس ہیرے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو مہا بھارت کے مشاہیر شجاعوں میں گنا جانے والا۔ راجہ کرن انگ پہنا کرتا تھا۔ اس اعتبار سے کوہ نور کا وجود حضرت عیسیٰ سے تین ہزار سال قبل بھی ثابت ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ہیرا راجہ بکرماجیت کے قبضے میں آیا جو اجین کے راجہ تھے اور پھر یہ ہیرا اجین ہی کے قبضے میں رہا لیکن اس ہیرے کا نام کوہ نور اس بات کا غماز ہے کہ یا تو اس سے متعلق مندرجہ بالا تاریخ بعد میں تخلیق کی گئی ہے یا پھر اگر یہ ہیرا مہا بھارت کے زمانہ میں موجود تھا تو اس کا نام کچھ اور ہوگا۔

بات کچھ بھی ہو لیکن محمد ظہیر الدین بابر نے اپنی کتاب تزک بابری میں لکھا ہے کہ گوالیار کے ایک راجہ نے جو آگرہ میں سلطان ابراہیم لودھی کے بجائے حکمرانی کر رہا تھا لوٹ مار سے محفوظ رہنے کے شکریے کے طور پر کوہ نور ہمایوں کو نذر کیا تھا جو مغل بادشاہوں کے قبضے میں رہا۔

ہندستان کے دو ہیرے بہت مشہور تھے ایک کوہ نور اور دوسرا دریائے نور۔ یہ دونوں ہیرے ۱۷۳۹ء میں پانی پت کی لڑائی کے بعد دہلی کی لوٹ میں نادر شاہ کے ہاتھ لگ گئے اور وہ ان کو ایران لے گیا۔

ان ہیروں میں دریائے نور تو ایران کی ملکیت ہو گیا اور کوہ نور ملکہ الزبتھ دوم کے تاج کی زینت بنا۔ کوہ نور آج بھی انگریزوں کے قبضے میں اور تاج برطانیہ کی زینت ہے۔

کیقباد۔ منوچہر کی اولاد میں فارس کا بادشاہ گزرا ہے جس نے کافی طویل عرصے تک حکومت کی فردوسی نے شاہ نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

سریر کیقباد اکلیل جم خاک   کلیسا و بتستان و حرم خاک
ولیکن من ندانم گوہرم چیست   نگاہم برتر از گردوں تنم خاک

کیکاؤس۔ فارس کے کیانی خاندان کا دوسرا بادشاہ اور کیقباد کا فرزند تھا جس نے اپنی ضعیفی کے دور میں اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ شاہنامہ میں فردوسی نے کیکاؤس کا بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس سے متعلق بہت سی روایات بھی تحریر کی ہیں جن میں رستم و سہراب کی جنگ نے بے حد شہرت حاصل کی ہے۔

کیکئی۔ راجہ دسرتھ کی بیوی اور رام چندر جی کی سوتیلی ماں تھیں جنھوں نے اپنے بیٹے بھرت کو راج گدی دلانے کے لیے رام چندر جی کو چودہ برس کا بن باس دلایا تھا۔

کیلنا۔ دعائیں یا منتر پڑھ کر مکانوں کے چاروں کونوں پر کیلیں گاڑی جاتی ہیں تاکہ مکان میں بری روحیں داخل نہ ہو سکیں اور اگر بری روحیں پہلے سے موجود ہوں تو ان کا اثر زائل ہو جائے۔ اسی طرح سانپ کو بھی کیلا جاتا ہے جس کے بعد وہ چلنے پھرنے سے معذور اور بے ضرر ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کیلنے کا عمل زبان بند کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کے بعد مخالف کو اپنے خلاف بولنے سے

روک دیا جاتا ہے۔

لے گئے میرا نام در میں مت دیا آہن کی کیل
میں ہوں تیرا دوست ظالم تو زباں دشمن کی کیل

(ظفر)

کان پر سے زلف اسکی اب سرکتی کیوں نہیں
یا کہیں یہ سانپ اس بابنی سے ہے کیلا ہوا

گ

گاؤزمیں ۔ کہتے ہیں زمین ایک گائے کے سینگ پر ٹکی ہوئی ہے اور جب وہ گائے اپنا سینگ بدلتی ہے تو زلزلہ آجاتا ہے۔

جب تیغ خوش غلاف کل اسکی نکل پڑی
گاوزمیں، زمین کے نیچے اچھل پڑی

(مصحفی)

گاؤ سامری ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رود نیل کو پار کر کے چلے گئے، تو جناب ہارون کو اپنا قائم مقام بنا گئے تھے۔ جب حضرت موسیٰ تیس دن تک واپس نہ آئے تو نہ صرف لوگوں نے جناب ہارون کی اطاعت ترک کر دی بلکہ ان کی جان کے بھی درپے ہو گئے، اور یہ افواہیں پھیلانے لگے کہ موسیٰ ڈر کے بھاگ گئے ہیں، اب واپس نہیں آئیں گے۔

بنی اسرائیل کے جادوگر سامری نے ان لوگوں سے اپنے زیورات جمع کر کے ایک بچھڑا بنانے کو کہا اور جب بچھڑا بن گیا تو اس نے اسپ حضرت جبرئیل کے سموں کی خاک اس سونے کے بچھڑے کے شکم میں رکھ دی جس کا اعجاز یہ ہوا کہ وہ بچھڑا حرکت میں آگیا۔ اس کے بال نکل آئے، اور وہ

بولنے لگا۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل کے سترہ ہزار گمراہ لوگوں نے اسکو سجدہ کرنا شروع کر دیا اور اس کی پرستش کرنے لگے۔

جب جناب موسیٰ واپس آئے اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم ایک بچھڑے کی پرستش کر رہی ہے تو ان کو بہت افسوس ہوا چنانچہ انہوں نے اس بچھڑے کو جلا ڈالا اور راکھ اس کی دریا میں بہا دی۔ اس کے بعد سامری کے لیے بد دعا کی کہ دنیا کی زندگی میں تیرا یہی نصیب ہوگا کہ نہ تو کوئی تجھ کو چھوئے گا اور نہ تیرے قریب بیٹھے گا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو شخص بھی سامری کے قریب جاتا تھا وہ بیمار ہو جاتا تھا اور اسی کے ساتھ سامری بھی بیمار ہو جاتا تھا اسی لیے کوئی نہ تو اس کے پاس جاتا تھا اور نہ وہ کسی کو اپنے پاس بیٹھنے دیتا تھا۔

کہتے ہیں کہ مصر اور شام میں آج بھی اولاد سامری "لا مساس" کے نام سے مشہور ہے اور اس میں ابھی تک اس بددعا کا اثر موجود ہے۔

گربہ کشتن روز اول ۔ ایک مشہور قصہ ہے کہ کسی زمانے میں پانچ دوست تھے جن کی دوستی ضرب المثل بن گئی تھی۔ ان لوگوں نے طے کیا کہ ہم لوگ اپنی شادیاں بھی ایک ساتھ ہی کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن ان میں سے چار کی بیویاں انتہائی بدمزاج اور غصہ ور ثابت ہوئیں جبکہ ایک کی بہت ہی مطیع اور فرمانبردار تھی۔ ایک دن جب وہ لوگ آپس میں بیٹھے اپنی اپنی بیویوں کی عادتوں کا ذکر کر رہے تھے سب نے اس شخص سے اس کا سبب پوچھا جس کی بیوی مطیع اور فرمانبردار ثابت ہوئی۔

اس شخص نے بتایا کہ پہلے ہی روز جب ہم دونوں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے

تو پالتو بلی بھی دسترخوان پر آکر بیٹھ گئی۔ میں نے اس سے غصے سے کہا کہ چلی جا وہ نہیں گئی تو میں نے تلوار اٹھا کر اس زور سے وار کیا کہ بلی دو ٹکڑے ہو گئی۔ بس اسی دن سے بیوی پر میرا ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اب وہ میری ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھتی ہے۔ دوسرے دوستوں نے بھی اسی انداز میں اپنی اپنی بیویوں پر حاوی ہونے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہے کیونکہ وہ سب پہلے ہی ان کے مزاجوں کو پہچان چکی تھیں۔

گشتاسپ ۔ ایران کا ایک بادشاہ گزرا ہے جو لہراسپ کیکاؤس کا داماد اور اسفندیار روئیں تن کا باپ تھا۔ اس شخص کو کیخسرو (ابن کیکاؤس) نے خاندان ہوشنگ میں نہایت لائق، ہوشیار اور شجاع پاکر اپنے مرتے وقت فرمانروائے ایران مقرر کیا تھا۔ اس کے زمانے میں زرتشت جو آتش پرستوں کا پیشوا تھا موجود تھا۔ چنانچہ جب زرتشت نے اس کے پاس آکر پیغمبری کا دعویٰ کیا اور معجزے بھی دکھائے تو اس کا معتقد ہو گیا۔ اسکے دین پر چلنے لگا اور جب زرتشت مارا گیا تو یہی اس کا مسند نشین بھی ہوا اس کا بیٹا اسفندیار تھا جس کے رستم سے معرکے ہوئے۔ اس نے ایک سو ساٹھ سال تک حکومت کی۔

گلزار خلیل ۔ ملاحظہ ہو آتش نمرود۔

گنبد خضرا ۔ لغوی معنی ہیں سبز رنگ کا گنبد۔ حضور سرور کائنات کے مزار مقدس پر جو گنبد ہے اس کو گنبد خضرا کہتے ہیں۔

ہوا ضو پاش جب سر مبین گنبد خضرا
فضائیں جگمگا اٹھیں جبین گنبد خضرا
(معراج وارثی)

گنگا۔ ہندوستان کے مختلف دریاؤں میں گنگا بہت مقدس ندی مانی جاتی ہے جس میں نہانے سے اہل ہنود کے عقیدے کے مطابق سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ اس کی اس درجہ پاکیزگی کا سبب یہ ہے کہ ہندو دیو مالا کے مطابق گنگا کا قیام بہشت میں برہما کے کمنڈل میں تھا اور وہ اجودھیا کے راجہ بھاگیرتھ کی تپسیا کے نتیجے میں دنیا میں آئی۔

اس سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اجودھیا کے راجہ بھاگیرتھ کو ان کے والد نے بتایا تھا کہ ان کے ساٹھ ہزار بزرگ، کپل منی کی بددعا سے جل کر راکھ ہو گئے تھے اور ان کی راکھ اس کپل منی کے آشرم میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر گنگا جنت سے اتر کر زمین پر آجائے اور اس آشرم کی راہ سے گذرے تو ان ساٹھ ہزار بزرگوں کی روح کو ابدی سکون حاصل ہو جائے گا۔

راجہ بھاگیرتھ ہمہ وقت اسی فکر میں مستغرق رہتے تھے کہ کس طرح گنگا کو زمین پر لایا جائے۔ بالآخر ایک دن انہوں نے راج پاٹ کو خیرباد کہہ کر سنیاس لے لیا اور ہمالیہ پر پہونچ کر تپسیا شروع کردی۔ ان کی ریاضت سے خوش ہو کر برہما نے درشن دیئے اور جب ان کا عندیہ معلوم ہوا کہ وہ گنگا کو زمین پر لانا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ گنگا کو زمین پر سنبھالے گا کون؟ بھاگیرتھ یہ سن کر بہت فکر مند ہوئے تو برہما نے خود ہی یہ تجویز رکھی کہ گنگا کے زور کو صرف شیوجی ہی سنبھال سکتے ہیں اگر تم ان کو خوش کردو اور وہ راضی ہو جائیں تو گنگا زمین پر آسکتی ہے۔ چنانچہ بھاگیرتھ نے شیوجی کو خوش کرنے کے لیے ایک پیر پر کھڑے ہو کر تپسیا شروع کردی۔ آخر کار برسوں کی تپسیا کے بعد شیوجی ظاہر ہوئے اور انہوں نے گنگا کو سنبھالنے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔

آخر شیوجی ہمالیہ کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی کیلاش پر مضبوطی سے قدم

جما کر کھڑے ہو گئے اور برہما نے اپنے کمنڈل سے گنگا کو چھوڑ دیا۔ گنگا انتہائی تیز رفتار اور پورے زور کے ساتھ زمین کی جانب روانہ ہوئی لیکن اس کے قبل کہ وہ زمین تک پہنچے شیوجی نے اپنی جٹاؤں میں اٹھا لیا اور وہ ان کی جٹاؤں میں ناچتی رہی تب پھر بھاگیرتھ کی درخواست پر شیوجی نے اپنی جٹا کی ایک لٹ کھول دی۔ نتیجے میں گنگا ایک پتلی دھار کی شکل میں شیوجی کی لٹ سے بہہ نکلی۔ بھاگیرتھ آگے آگے چلنے لگے اور گنگا ان کے پیچھے پیچھے اس طرح ہردوار، پریاگ اور کاشی ہوتے ہوئے وہ سمندر کے کنارے تک پہونچ گئی جہاں کپل منی کا آشرم تھا۔ جب گنگا آشرم تک پہونچ گئی تو بھاگیرتھ کے ساٹھ ہزار بزرگوں کی آتماؤں کو شانتی مل گئی اور پھر وہ سمندر میں مل گئی۔ جب سے آج تک گنگا مستقل زمین پر بہہ رہی ہے اور اس کے اسی تقدس کے سبب یہ عقیدہ ہے کہ گنگا میں نہانے سے سارے گناہ دھل جاتے ہیں

بہ گنگش عکس تو پُر تو فگن شد
بنارس خود نظیر خویشتن شد

(غالب)

گنگوا تیلی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں راجہ بھوج ایک بہت بڑا راجہ تھا۔ اس راجہ کے ستارے گردش میں آگئے اور اس پر ساڑھے سات سنیچر سوار ہو گیا جس کے سبب نہ صرف اس کا راج پاٹ چلا گیا بلکہ وہ اس درجہ پریشانی میں مبتلا ہوا کہ بھیک مانگنے لگا اسی زمانے میں وہ بھیک مانگتا ہوا ایک رانی کے محل میں پہونچ گیا اور بھیک کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ رانی کا بیش قیمت ہار جو کھونٹی پر ٹنگا ہوا تھا وہیں رکھی ہوئی ایک لکڑی کی مورتی نے نگل لیا۔

سب نے راجہ بھوج کو چور سمجھا اور راجہ نے چوری کی سزا میں اس کے ہاتھ کٹوا لیے اور اس کو شہر کے باہر ڈلوا دیا۔ راجہ بھوج درد کی شدت سے چلا رہا تھا کہ ادھر سے گنگوا نام کا ایک تیلی گذرا اس کو بھوج کے چہرے پر شرافت نظر آئی اور اس بے کسی کے عالم میں مبتلا دیکھ کر ترس آگیا وہ تیلی اسے اپنے گھر لے گیا دوا علاج کیا اور جب راجہ بھوج ٹھیک ہو گیا تو اس کو کولہو چلانے کی خدمت سپرد کردی۔ راجہ بھوج گانا بہت اچھا گاتا تھا۔ ایک شب وہ کولہو پر بیٹھا ہوا دیپک راگ الاپ رہا تھا۔ حسن اتفاق اسی وقت راجہ کی بیٹی سونے جا رہی تھی اور اس نے کنیزوں کو حکم دیا تھا کہ وہ چراغ گل کردیں۔ کنیزوں نے چراغ گل کئے تو وہ پھر جل اٹھے۔ سب بہت پریشان ہوئیں وہ جتنی مرتبہ چراغ گل کرتی تھیں دیپک راگ کے اثر سے وہ جل جاتے تھے۔

آخر یہ پتہ چل گیا کہ گنگوا تیلی کے گھر پر کوئی دیپک راگ گا رہا ہے جس کے اثر سے چراغ گل نہیں ہو رہا ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد راجکماری کے دل میں اس گانے والے کے تئیں محبت پیدا ہو گئی اور صبح ہوتے ہی اس نے راجہ سے خواہش ظاہر کردی کہ وہ اس ماہر موسیقی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ راجہ بے حد متعجب ہوا لیکن راجکماری کی ضد کے آگے اس نے سپر ڈال دی۔ جب راجہ کے ہرکارے گنگوا تیلی کے گھر پیغام لے کر گئے تو وہ بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ الغرض راجکماری کے ساتھ بھوج کی شادی ہو گئی اسی مدت میں سنیچر کے برے اثرات بھی زائل ہو چکے تھے اس لیے لکڑی کی مورتی نے ہار بھی اگل دیا اور راجہ کے ہاتھ بھی نکل آئے۔ سارے حالات ٹھیک ہو گئے اور راجہ بھوج کو کھویا ہوا راج پاٹ بھی دوبارہ مل گئے۔

گوتم ۔ اتر پردیش کی سرحد پر نیپال سے متصل شاکیہ چھتریوں کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا دارالحکومت کپل وستو تھا جو آجکل نیپال کے زیر اقتدار ہے۔ اس ریاست کے راجہ کا نام شدھودھن تھا جن کی رانی مہامایا کے بطن سے گوتم بدھ کی ولادت ہوئی۔ گوتم بدھ کی جائے پیدائش کپل وستو کے بجائے نیپال میں واقع ایک جگہ لمبنی بھی بتائی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گوتم بدھ کی ولادت کے وقت ان کی والدہ لمبنی ہی میں قیام پذیر تھیں۔

گوتم بدھ کا اصل نام سدارتھ تھا۔ پیدائش کے تھوڑے دنوں بعد ہی ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی خالہ مہاپرجاپتی گوتمی نے اپنے بھانجے سدارتھ کی پرورش کی۔

گوتم کی پرورش اسی آرام و آسائش اور شان و شوکت کے ساتھ ہوئی جو شاہزادوں کے لیے مخصوص ہے لیکن طفلی ہی سے ان کو زیب و زینت اور آرام و آسائش سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان لوازمات سے بے نیاز اداس اداس، کھوئے کھوئے اور کسی خیال میں مستغرق نظر آیا کرتے تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر کم عمری ہی میں ان کی شادی یشودھرا نامی ایک خوبصورت لڑکی سے کردی گئی تاکہ خانگی زندگی میں مصروف ہو کر سدارتھ کی مزاجی کیفیت بدل سکے۔ اس طرح وقتی طور پر ان کی توجہ بیوی کی جانب مبذول ہو گئی اور ان کے ایک لڑکا راہل بھی پیدا ہوا لیکن بیوی اور بچے کی محبت ان کی افتاد طبع پر حاوی نہ ہو سکی۔ وہ ہمیشہ دنیاوی دکھوں کے احساس سے افسردہ رہا کرتے تھے کسی بھی کام میں ان کا دل نہ لگتا تھا۔ وہ ہمہ وقت ضعیفی، بیماری، رنج و غم اور

موت جیسی اذیتوں سے چھٹکارا پانے کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔
آخر ایک دن یہ فیصلہ کیا کہ دنیا سے کنارہ کشی کے بعد ہی ان صعوبتوں
سے نجات پانا ممکن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ۲۸ برس کی عمر میں انہوں نے گھربار
کو تیاگ کر سنیاس لے لیا۔

ابتداً ان کا خیال تھا کہ سخت ریاضت سے انسان نجات حاصل
کر سکتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے دور کے ایک مشہور یوگی آلار کی شاگردی
اختیار کر لی۔ اس شاگردی سے یوں تو ان کو بہت کچھ حاصل ہوا مگر ان کے
اس خاص سوال کا حل دستیاب نہ ہو سکا جو ابتدا ہی سے ان کے لیے
پریشانی کا سبب بنا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ادرک نامی ایک یوگی
سے سمادھی کا عمل سیکھا مگر اس سے بھی ان کا دل مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر انہوں
نے ابول کے مقام پر سخت ریاضت شروع کر دی اور اناج کا استعمال
بالکل ترک کر دیا۔ اس طرح ان کا جسم تو نحیف ہو گیا لیکن حصول مقصد
کی منزل اب بھی نظر نہ آئی تو انہوں نے تھوڑی مقدار میں اناج کا استعمال
پھر شروع کر دیا۔

اسی طرح ایک دن جب وہ بہار میں گیا کے مقام پر ایک پیپل کے
درخت کے نیچے اعتکاف میں مصروف تھے تو اچانک ان کو روشنی نظر آئی کہ
جس کے وہ متلاشی تھے، اسی کو گیان کہا گیا۔

گیان حاصل ہونے کے بعد گوتم بدھ ایک نئے مذہب کی تبلیغ کے
لیے نکل پڑے اور اس کے اصولوں سے لوگوں کو روشناس کراتے رہے ان
کو جو گیان حاصل ہوا تھا اس کو انہوں نے تبلیغ کا بنیادی اصول قرار
دیتے ہوئے چار سچائیوں کے نام سے منسوب کیا یعنی۔

پہلا سچ - دکھ ہے جو ضعیفی، بیماری، موت، ناپسندیدہ لوگوں سے
ملنے اور پسندیدہ لوگوں سے بچھڑنے نیز خواہشات کے پورا نہ ہونے کے
سبب ملتا ہے۔

دوسرا سچ - دکھ کے اسباب ہیں۔ یعنی دنیاوی خواہشات اور
ان خواہشات کی تکمیل نہ ہونے کے سبب دوسرے جنم کی تمنا انسان کو
دوبارہ جنم لینے پر مجبور کرتی ہے۔

تیسرا سچ - دکھ ختم ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے خواہشات سے بے نیاز
ہونا ضروری ہے۔

چوتھا سچ - دکھ ختم کرنے کے آٹھ طریقے ہیں۔

۱- صحیح سمجھ، ۲- صحیح بات اور کام کرنے کا ارادہ، ۳- سچ بولنا
اور دوسروں کی برائی نہ کرنا، ۴- نیک عمل، ۵- اچھے کاموں سے ذریعہ
معاش نیز ہتھیار وغیرہ استعمال نہ کرنا، ۶- کردار اور ذہن کو قوی بنانے کی
کوشش، ۷- اپنی ذہنی اور جسمانی کمزوریوں کی نگاہ داری، ۸- قوت
ارادہ کو مرکوز کرنا کیونکہ اس سے گیان حاصل ہوتا ہے۔

اہنسا بودھ مذہب کا بنیادی اور اہم اصول تھا۔ اس کے علاوہ
جب اسی مذہب نے لوگوں میں مساوات اور ذات پات کے قید و بند
سے چھٹکارے کی بات کی تو ویدک دھرم کے ماننے والے تیزی کے
ساتھ بودھ مذہب قبول کرنے لگے۔

یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں ویدک دھرم کا بول بالا تھا۔ پوجا
پاٹھ کا بے حد زور تھا لیکن مذہبی امور کی ادائیگی کا حق عام لوگوں کو نہ تھا۔
یہ کام صرف برہمن کرتے تھے اور مذہب پر پروہتوں کی پوری اجارہ داری

تھی۔ مذہبی زبان سنسکرت ہونے کی وجہ سے عام لوگ نہ تو سنسکرت پڑھ سکتے تھے اور نہ سمجھ پاتے تھے۔ چھوٹے لوگوں کو یگیہ وغیرہ سے بھی دور رکھا جاتا تھا۔ ان حالات میں عام لوگ جو پہلے ہی سے بے اطمینانی محسوس کر رہے تھے ان کے لیے بودھ مذہب ایک نعمت ثابت ہوا جس کے اصول بھی قابل قبول تھے۔

گوتم بدھ کی تبلیغ کا ایک اہم جز یہ بھی تھا کہ تم اپنے چراغ خود بنو اپنی زندگی کو بنانے اور بگاڑنے کا اختیار تم کو ہے اور تمہیں یہ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے کہ تمھارا مددگار کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ بودھ مذہب کا آغاز ہندوستان میں ہوا لیکن سری لنکا، برما چین، جاپان اور وسط ایشیا میں اس کے ماننے والے آج بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔

بودھ مذہب یوں تو گوتم بدھ کی زندگی ہی میں عروج حاصل کرنے لگا تھا لیکن اس کی تبلیغ میں نمایاں کردار شہنشاہ اشوک نے ادا کیا۔ اس نے نہ صرف دوسرے ملکوں میں بودھ مذہب کے مبلغ بھیجے بلکہ ہندوستان کے جابجا مقامات پر بودھ مذہب کے خاص خاص اصولوں کو پتھروں پر کندہ کرایا۔

سارناتھ میں واقع، اشوک کی بنوائی ہوئی لاٹ کے بالائی حصے کو جس پر چکر اور شیر کی مورتیاں بنی ہیں اہنسا کے اصولوں کے بطور آزاد ہندوستان کا قومی نشان قرار دیا گیا ہے۔

گورِ غریباں۔ اصطلاح عام میں قبرستان کو کہتے ہیں لیکن درحقیقت گورِ غریباں اس قطعہ آراضی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کو

مسافروں یا اجنبیوں کی لاشوں کو دفن کرنے کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو۔

لے گئی گورِ غریباں کی طرف وحشت دل
ہم نے یارانِ گذشتہ کا بھی گھر دیکھ لیا
(آتش)

گولر کا پھول۔ گولر انجیر سے ملتا جلتا ایک پھل ہوتا ہے جس کے اندر سے بھنگے نکلتے ہیں عام طور پر مشہور ہے کہ بھنگوں سمیت گولر کھانے سے آنکھوں کی روشنی برقرار رہتی ہے۔ حالانکہ یہ مفروضہ بھی ویسا ہی ہے جیسا گولر کے پھول کے بارے میں مشہور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گولر کا پھول ہوتا ہی نہیں ہے اسی لیے نایاب چیز کو گولر کے پھول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ گولر کا پھول جس کو مل جائے وہ بے انتہا دولت مند ہو جاتا ہے۔ ایک کہاوت یہ بھی ہے کہ گولر کا پھول دیوالی کی رات میں کھلتا ہے اور جس کو حاصل ہو جاتا ہے وہ راجہ ہو جاتا ہے۔ بعض بھولی بھالی عورتوں کے خیال میں گولر کا پھول رات کو بارہ بجے کھلتا ہے جس کو فوراً ہی پریاں توڑ کر لے جاتی ہیں۔

لاؤں کہاں سے داغِ جگر قابلِ پسند
گولر کا پھول آپ کو درکار ہو تو ہو
(اسیر)

گولر کا مگر پھول ہے اس کا رخِ رنگیں
پایا نہ پتہ ہم نے کبھی اس کے نشاں کا
(شیخ باقر علی)

ل

لات و منات ۔ ظہور اسلام سے قبل یہ قریش کے دیوتا تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی ۔ لات ان کا وہ دیوتا تھا جس کی سونے سے قبل پرستش کی جاتی تھی اور وہ لوگ اس کی قسم بھی کھاتے تھے اسی طرح منات پتھر کی ایک چٹان تھی اور اس پر گول سپید پتھر کی ایک عمارت بنی تھی ۔ اس کے علاوہ عزیٰ طاقت اور قوت کی دیوی تھی ۔ ظہور اسلام کے وقت تک عرب میں اس کی بہت مقبولیت تھی ۔ یہ دیوی قبیلہ غطفان کی تھی لیکن اس کے پجاریوں میں چونکہ آل جبنی اور آل باہلہ کے علاوہ خود قریش بھی تھے اس لیے اس کی اہمیت بھی بہت زیادہ تھی ۔ اسی طرح ہبل قریش کا معبود اعظم تھا جس کی شکل انسان کی تھی اور اس کی جو مورتی قریش کو ملی تھی وہ عقیق کی تھی جس کا ایک ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا ۔ قریش نے [illegible] کا وہ ہاتھ سونے کا بنوا کر لگایا تھا اور مورتی کی بے حد تعظیم کرتے تھے ۔

از منات و لات و عزیٰ و ہبل
ہر یکے دارد بتے اندر بغل

(اقبال)

لال پری ۔ امانت کی اندر سبھا کا ایک کردار ہے ۔ لال پری سرخ

جوڑا اور اسی کی مناسبت سے سرخ پھول اور زیورات بھی استعمال کرتی تھی ۔

ہے زنانی مری وہ لال پری
ہو جسے دیکھ کے نڈھال پری

(رنگین)

ساقیا بند تھی جو لال پری شیشے میں
لے گیا آج اسے رند قدح گیر اڑا

(نصیر)

لحن داؤدی ۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے جن پر پروردگار عالم نے زبور نازل فرمائی ۔ کہتے ہیں کہ جناب داؤد اس درجہ خوش الحان تھے کہ جب وہ زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو نہ صرف انسان مبہوت رہ جاتے تھے بلکہ چرند پرند بھی ان کے سحر میں کھو کر ان کے اردگرد جمع ہو جاتے تھے اور کوئی جانور یا پرند کسی دوسرے کو ضرر نہیں پہونچاتا تھا ۔

تمثیل نہیں جس کی وہ لحن تھا داؤدی
سنتے تھے پرندے بھی اڑتے ہوئے رک رک کر

(ڈاکٹر طاہر لکھنوی)

لقمان ۔ ایک بہت مشہور حکیم گذرے ہیں جن کے پند و نصائح نیز حکایات بہت مشہور ہیں ۔ لقمان کا ذکر کلام پاک میں آیا ہے ۔ لقمان ایک سیاہ فام غلام تھے جو بکریاں چرایا کرتے تھے ۔ جب قدرت نے ان کو علم حکمت تعلیم کیا تو وہ مجمع عام میں لوگوں کو کلمات حکمت سے فیض یاب کرنے لگے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ تم ہمارے ساتھ بکریاں چراتے تھے یہ

حکمت کیسے سیکھ لی اور یہ مرتبہ کیسے حاصل کیا۔ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ سچ بولنے سے، غیر ضروری گفتگو ترک کرنے سے اور امانت میں خیانت نہ کرنے سے یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے۔ ایک مرتبہ اس شخص نے جس کے یہ غلام تھے حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کے جو بہترین اعضا ہوں ان کو بھون لاؤ۔ لقمان نے بکری ذبح کی اور دل اور زبان بھون کر اس کے سامنے لے گئے۔ چند روز کے بعد اس شخص نے پھر فرمائش کی کہ ایک بکری ذبح کرو اور جو بدترین اعضا اس کے ہوں ان کو بھون لاؤ۔ لقمان نے پھر دل اور زبان بھون کر حاضر کر دیئے تو اس نے اس کا سبب پوچھا۔ لقمان نے کہا کہ اگر زبان اچھی ہے اور دل مکاری کی گرد سے پاک ہو تو عقلمند کے نزدیک یہی سب سے بہتر اور دوسری صورت میں یہی سب سے بدتر اعضا ہیں۔ ان کے اسی جواب نے ان کو آزاد کرا دیا تھا۔

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے کوئی اُن کے پاس
بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس
(ذوق)

لن ترانی ۔ یعنی تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ جب حضرت موسیٰ نے کہا کہ خداوند تو مجھے اپنے تئیں دکھا تو کہا گیا کہ تم مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی جانب نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ قائم رہے تو تم مجھ کو بھی دیکھ سکتے ہو۔ پھر عظمت الٰہی کا کچھ حصہ تجلی کی صورت میں پہاڑ پر پڑا تو پہاڑ سرمہ ہو کر زمین کے برابر ہو گیا اور جناب موسیٰ بیہوش ہو گئے۔

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں (داغ)

لن ترانی نے بڑھا دی ارنی کی تکرار
طالب دید کا پہلے تو یہ اصرار نہ تھا
(جلال لکھنوی)

لنکا ۔ لنکا راون کی راجدھانی کا نام تھا۔ کیونکہ یہ راکھشوں کا مقام تھا اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں کسی بھی شخص کا قد باون گز سے کم نہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لنکا ایک قلعے کا نام تھا جس پر راون قابض تھا اور وہ قلعہ مہادیو جی کے حکم سے ہندوستان کے دکن میں جزیرہ سیلون میں وشوکرما نام کے ایک معمار سے بنوایا گیا تھا۔

یہ مقام بحر ہند میں جنوب کی جانب واقع ہے جہاں کی اصل آبادی سنہالیوں کی ہے۔ لنکا کے جائے وقوع کے بارے میں مورخین آج بھی تحقیق و جستجو میں مصروف ہیں اور بعضوں کے نزدیک یہ مقام اودھ ہی میں کسی جگہ واقع تھا۔

ہے یہ گھر لنکا یہاں ہے کون باون گز سے کم
ایک سے اک آہ بتدریج کی سہیلی قہر ہے
(رنگین)

لوط ۔ جناب لوط ایک پیغمبر گذرے ہیں جن کی قوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بے حد دیندار، مخیر، مہمان نواز غرضیکہ بہترین قوم تھی۔ یہ قوم شاہ راہ کے کنارے آباد تھی اس لیے اکثر اس راستے سے گذرنے والے قافلوں کی مہمان نوازی یہ لوگ کیا کرتے تھے جس کے سبب ان کے حسن اخلاق کا ہر طرف شہرہ تھا۔ پھر اچانک شیطان نے ان کو بہکانا شروع کر دیا اور ان کے دلوں میں بخل پیدا ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر وقت پیسہ بچانے کی فکر

کرنے لگے اور اس راستے سے گذرنے والے قافلوں سے تنگ آنے لگے اور ان سے پیچھا چھڑانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

اسی دوران شیطان نے ایک حربہ اور استعمال کیا۔ وہ روز شب کو ان کی زراعتوں کو تباہ کرنے لگا۔ جب لوگ بہت پریشان ہوئے تو انہوں نے چھپ کر اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جو ان کی زراعتوں کو تباہ کردیتا تھا۔ پھر اچانک ان کو ایک خوبصورت سا لڑکا نظر آگیا جو ان کے کھیتوں کو نقصان پہونچا رہا تھا۔ انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور یہ طے کیا کہ صبح کو اسے قتل کردیں تاکہ یہ قصہ ختم ہو جائے۔ انہوں نے اس لڑکے کو ایک شخص کے سپرد کردیا کہ رات بھر اس کو اپنے گھر میں رکھو صبح کو اسے اس کے کیے کی سزا دے دی جائے گی۔ شب میں اس لڑکے نے رونا شروع کیا تو اس شخص نے سبب پوچھا۔ لڑکے نے کہا کہ میں روز اپنے باپ کے سینے پر سوتا تھا مجھے اکیلے میں ڈر لگ رہا ہے۔ اس بیچارے نے لڑکے سے کہا کہ تو مجھ کو ہی اپنا باپ سمجھ لے اور میرے سینے پر سوجا۔ یہیں سے شیطان کو موقع مل گیا۔ وہ اس کے شکم پر لیٹ گیا اور ایسی ایسی حرکتیں کیں کہ اس مرد کو آمادہ کرلیا۔ صبح کو اس شخص نے سب کو اس لذت نو سے آگاہ کیا اور پھر یہ وبا پھیل گئی اور یہاں تک پھیل گئی کہ اس راستے سے گذرنے والے قافلوں کے لوگوں کو پکڑنے لگے چنانچہ پریشان ہوکر قافلوں نے وہ راستہ ترک کردیا۔ مردوں کی بے مہریوں نے عورتوں کو بھی متاثر کیا اور بالآخر وہ بھی ہم جنسی کا شکار ہوگئیں ۔

جب ان لوگوں کی بدکرداری حد سے تجاوز کر گئی تو خدا نے تین فرشتوں جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کو انتہائی حسین وجمیل لڑکوں کی شکل میں بھیجا۔

وہ تینوں حضرت لوط کے پاس پہونچے جو زراعت میں مصروف تھے۔ جناب لوط ان لڑکوں کو دیکھ کر بہت گھبرائے اور ان سے پوچھا کہ صاحبزادو تم کون ہو اور کیوں آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مالک نے ہم کو اس شہر کے مالک کے پاس بھیجا ہے غرض جناب لوط کسی طرح ان لوگوں کو چھپا کر اپنے گھر لے آئے لیکن اس دوران لوگوں کو خبر مل گئی کہ لوط کے گھر میں تین خوبصورت لڑکے موجود ہیں۔ ان لوگوں نے ان کے گھر پر جمع ہونا شروع کردیا۔ وہ لوگ جناب لوط کو مبارکباد دینے لگے کہ آخر تم بھی ہم لوگوں میں شامل ہوگئے۔ اسکے بعد انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان تینوں لڑکوں کو انھیں دیدیا جائے۔

چنانچہ ایسی غلط کاریوں کا انجام یہ ہوا کہ اس قوم کا تختہ پلٹ دیا گیا۔

لوناچماری — کہتے ہیں کہ بنگال میں لوناچماری نام کی ایک بہت بڑی جادوگرنی گذری ہے جس کے گرو کا نام میاں اسمٰعیل جوگی تھا۔ جادوگر ان دونوں کے نام جپتے ہیں اور جادو سے پہلے ان کی مدد مانگتے ہیں۔ آسام کے ضلع کوچ بہار میں قلعہ ناندو کے قریب ان دونوں کے مقبرے بتائے جاتے ہیں۔

اوموئے بیدین کیا جانے تو بیدی پیر کو
تو منا لوناچماری اور کلو ابیر کو

(راحت)

لیلیٰ — لیلیٰ بنت عامر، ایک باعزت لڑکی تھی جو بچپن ہی میں قیس کو دل دے چکی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے شیدا تھے لیکن چوں کہ پابندیاں عائد کردی گئی تھیں اس لیے جوش عشق میں کمی آگئی تھی۔

ایک دن قبیلے کی ایک لڑکی کریمہ بیٹھی ہمجولیوں سے باتیں کر رہی تھی انھیں میں لیلیٰ بھی تھی۔ اسی اثنا میں قیس کا بھی اس جانب سے گذر ہوا جو جوانی کے حدود میں قدم رکھنے کے بعد بہت ہی بانکا، سجیلا اور خوش پوشاک جوان ہو چکا تھا اور اپنی سانڈنی پر سوار بڑی شان سے جا رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے قیس کو آواز دی کہ آؤ باتیں کریں۔ قیس فوراً ہی سانڈنی سے اتر پڑا اور پورا دن انھیں سب کے ساتھ گپ شپ میں کاٹ دیا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔

شام ہوتے ہوتے قبیلہ بنی عامر کا ایک اور نوجوان منازل بھی ادھر آنکلا تو لڑکیاں قیس کو چھوڑ کر منازل سے باتیں کرنے لگیں۔ قیس کو ان کی یہ ادا بہت بری لگی اور وہ دل برداشتہ ہو کر چلا گیا۔ قیس کے جانے کے بعد لیلیٰ خود کو بہت پریشان محسوس کرنے لگی۔ دن بھر کے ساتھ نے محبت کے سوتے ہوئے فتنے کو پھر جگا دیا تھا وہ رات بھر قیس کے خیالوں میں کھوئی رہی۔ دوسرے دن پھر قیس اسی طرح گذرا تو لڑکیوں نے پھر اس کو آواز دے کر باتوں میں لگا لیا۔ لیلیٰ نے اندازہ کر لیا کہ اسکی ہی طرح قیس بھی کافی پریشان ہے۔ اپنے اس خیال کی تصدیق کے لیے اس نے قیس کا امتحان اس طرح لیا کہ بنی عامر کے ایک لڑکے کو کچھ دور لے جا کر اس سے کان میں باتیں کرتی رہی جب وہ واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ قیس کا برا حال ہے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے اور پھر اچانک قیس بیہوش ہو گیا۔ غرض دونوں کا عشق پھر اپنی انتہائی حدود کو چھونے لگا۔

حالانکہ لیلیٰ، قیس کے عشق میں بری طرح گرفتار تھی لیکن اس کے باوجود پاس غیرت کے سبب اس نے نہ تو زبان سے ایک حرف نکالا اور نہ ہی قدم آگے بڑھایا جس کا انجام یہ ہوا کہ قیس نے ہوش و حواس کھو دیئے اور لباس سے بے نیاز ہو کر قبیلہ بنی عامر کی فرودگاہوں کے آس پاس ریت کے ٹیلوں پر

پڑا۔ ہائے لیلیٰ ہائے لیلیٰ پکارتا رہا۔

ایک مرتبہ نوفل نامی ایک شخص کو قیس پر ترس آیا اور اس نے طے کیا کہ وہ قیس سے لیلیٰ کی شادی کرا دے گا لیکن جب لیلیٰ کے قبیلے والوں کو معلوم ہوا تو وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے کہ وہ شخص تو ان کے قبیلے کی لڑکی کی رسوائی کا سبب بنا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ قیس کے باپ نے لیلیٰ کے باپ سے قیس کے حال پر رحم کرنے اور لیلیٰ کی شادی قیس سے کرنے کی درخواست کی تو پھر اس کا باپ اور دیگر رشتہ دار بگڑ گئے کہ یوں ہی کیا کم رسوائی ہو رہی ہے جو مزید بدنامی اپنے سر لوں۔

آخر مایوس اور ناامید ہو کر قیس کے رشتے داروں نے طے کیا کہ اس کو ایام حج میں حج کرا لیا جائے اور وہیں اس کے حق میں دعا کی جائے چنانچہ قیس کے باپ اپنے ہمراہ اس کو حج کرانے مکہ لے گیا۔ فراغت حج کے بعد جب سب لوگ منیٰ کے میدان میں جمع ہوئے تو کسی عورت نے دوسری عورت کو لیلیٰ کہہ کر پکارا اس آواز کو سنتے ہی قیس جو ابھی تک بہت پرسکون تھا متوحش ہو گیا۔ اس کا جنون پھر عود کر آیا اور وہ چیخ مار کر بیہوش ہو گیا۔

لیلیٰ کے باپ نے ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے لیلیٰ کا عقد اپنے قبیلے ہی کے کسی شخص سے کر دیا لیکن لیلیٰ کی شادی کے بعد بھی خوش نہ رہ سکی بلکہ کڑھتی ہی رہی۔ اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا لیکن قیس کا حال سن سن کر اندر ہی اندر گھلتی گئی اور اسی غم میں ایک دن وہ دنیا سے رخصت ہو گئی۔

چند دن بعد جب قیس کو مرگ لیلیٰ کی خبر ملی تو تڑپ گیا اور بے اختیارانہ قبرستان پہنچ گیا۔ اس نے لوگوں سے لیلیٰ کی قبر کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے بتانے

میں تامل کیا کہ مبادا کوئی نئی بات نہ پیدا ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ جب کسی نے قبر لیلیٰ کی نشاندہی نہ کی تو اس نے ایک ایک قبر کی مٹی اٹھا کر سونگھنا شروع کیا اور جب قبر لیلیٰ کی مٹی ہاتھ آئی تو اس کو سونگھ کر شعر پڑھا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسکے عاشق سے اس کی قبر چھپائیں مگر خود اس کی قبر کی مٹی بتا رہی ہے کہ یہ اسکی قبر ہے۔

اور قیس نے لیلیٰ کی قبر پر گر کے دم توڑ دیا۔

م

مانگ بھرنا۔ ہندو سماج میں مانگ کی خاص اہمیت ہے۔ یہ عورت کے سہاگ اور خوش قسمتی کی علامت ہے۔ شادی کے وقت عورت کی مانگ سیندور سے بھری جاتی ہے۔ سیندور جس کا سرخ رنگ محبت اور مسرت کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے یعنی جب عورت کی زندگی میں کوئی محبت کرنے والا اسے سہارا دینے ـــ آتا ہے تب ہی خوش بختی کی اِس ساعت میں اس کی مانگ اس یقین کے ساتھ بھری جاتی ہے کہ اَب اس کی حفاظت کی تمامتر ذمہ داری شوہر کے کاندھوں پر آگئی ہے۔

مانگ کا مطلب ہے چاہنے کا حق۔ عورت کو یہ حق شادی کے بعد شوہر سے ہی حاصل ہوتا ہے اسی لیے شادی کے موقع پر مانگ پوری کرنے یا مانگ بھرنے کی رسم صدیوں سے چلی آرہی ہے۔

ہندوستانی سماج میں شادی سے قبل عورت کسی غیر مرد سے براہِ راست میل قائم نہیں کر سکتی ہے۔ ہندوستان کی اِس روایتی حیا کی پاسداری کے سبب ہی شاید شادی کے موقع پر بھی شوہر کے ذریعہ مانگ بھری جانے سے قبل کسی کنواری لڑکی سے مانگ بھروائی جاتی ہے جس کو دیوی جیسا معصوم سمجھا جاتا ہے اور خوشی قسمتی کا آشرواد دلایا جاتا ہے۔ اس رسم کے بعد

ہی شادی کے منڈپ میں ہونے والا شوہر اپنی ہونے والی بیوی کی مانگ خود بھرتا ہے اور اس کی حفاظت کا عہد کرتا ہے اس طرح شوہر کے ذریعہ مانگ بھری جانے کے بعد عورت سہاگن ہو جاتی ہے۔

وہ تیوہار، جن میں صرف عورتیں برت رکھتی ہیں، ماں گوری کی مانگ سے لگا کر وہ اپنی مانگ بھرتی ہیں۔ یہ رسم شاید سہاگنوں میں سدا سہاگن رہنے اور شوہر کی درازی عمر کی شدید خواہش کی غمازی کرتی ہے۔

میرے سینے سے گذر جائے گی شعلے کی لکیر
جب تری مانگ میں سیندور بھرا جائے گا

(ڈاکٹر ساغر اعظمی)

آنکھوں میں بھر کے رنگ ہے خوشگوار کا
اپنا ہی خون مانگ میں بھرتی ہے زندگی

(ڈاکٹر طاہر لکھنوی)

ماہ کنعاں ـ حضرت یوسف علیہ السلام کا لقب ہے۔
(ملاحظہ فرمائیں واقعات حضرت یوسف نیز چاہ یوسف)

ماہِ نخشب ـ حکیم ابن عطا کا بنایا ہوا وہ چاند جو کنوئیں سے طلوع ہوتا تھا۔ (ملاحظہ فرمائیں چاہ نخشب)

کیا حنک غا کی ہے واہ لب چاہِ ذقن
چاہ نخشب سے یہ گویا مہ نخشب نکلا

(اسیر)

مجذوب ـ وہ شخص جس پر جذب کی کیفیت طاری ہو۔
(ملاحظہ فرمائیں جذب)

بڑا مارا اٹھا حشر میں کچھ میں تو وہ بولے
بکنے دو یہ دیوانہ مجذوب ہے میرا

(جلال)

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

(آتش)

مجنوں ـ قیس ملوح بن فراخم عامری کا بیٹا تھا جو نجد کے قبیلہ بنی عامر کا سردار اور رئیس تھا کہا جاتا ہے کہ قیس یعنی مجنوں کی عمر صرف سات ہی برس کی تھی جب اس کے گھر کچھ مہمان آئے۔ لیلیٰ کا گھر قیس کے گھر کے پڑوس ہی میں تھا اور دونوں گھروں میں باہم ربط و ضبط بھی بہت تھا۔ چنانچہ قیس کے گھر میں مہمان آئے تو اس کی ماں نے کہا کہ جا کر لیلیٰ کی ماں سے ایک ہانڈی میں چھاچھ لے آ۔ قیس لیلیٰ کے گھر گیا۔ لیلیٰ کی ماں نے لیلیٰ سے کہا کہ کوٹھری سے چھاچھ کی ہانڈی اٹھا لائے اور قیس کی ہانڈی بھر دے۔ لیلیٰ ہانڈی لے کر آئی اور قیس کی ہانڈی میں چھاچھ ڈالنے لگی تو اس نے ہانڈی زمین پر رکھ دی اور ٹکٹکی باندھ کر لیلیٰ کو دیکھنے لگا۔ یہی کیفیت لیلیٰ کی بھی ہوئی اور اسکی نظریں چہرۂ قیس پر جم گئیں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھنے میں اس درجہ کھو گئے کہ ہانڈی چھاچھ سے چھلک گئی اور چھاچھ گرنے لگا مگر وہ ڈالے ہی چلی گئی یہاں تک ہنڈا خالی ہو گیا مگر ان لوگوں کی محویت کم نہ ہوئی۔ یہ کیفیت دیکھ کر لیلیٰ کی ماں نے آواز لگائی کہ لڑکی تو دیوانی تو نہیں ہو گئی ہے۔ سارا چھاچھ زمین پر بہا دیا۔ یہ آواز سن کر دونوں چونک پڑے اور شرما گئے۔ قیس ہانڈی لے کر گھر آ گیا اور لیلیٰ شرما کر کوٹھری میں چھپ گئی۔

لیلیٰ کی ماں کو اس کیفیت سے شک ہو گیا کہ کہیں یہ محبت کوئی رنگ نہ لائے۔ اس نے لیلیٰ کو آواز دی تو وہ بڑی دیر کے بعد نگاہیں نیچی کئے ہوئے نکل کر ماں کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ لیلیٰ کے اس انداز نے اس کی ماں کے وہم کو یقین میں بدل دیا اور اس نے قیس سے بات کرنے اور اس کے گھر جانے کے لیے سختی سے لیلیٰ کو منع کیا۔
لیکن وہ محبت کی اس چنگاری کو نہ بجھا سکی جو اس چھوٹی سی عمر میں دلوں میں پیدا ہو کر شعلہ بننے کی تیاری کر رہی تھی۔ (ملاحظہ فرمائیں لیلیٰ)

میں دیوانہ سا پھرتا ہوں تو وحشی بن کے کہتے ہیں
اسے مجنوں بنایا ہے کسی لیلیٰ شمائل نے
(دیا شنکر نسیم)

یہ نہ سوچو مثلِ مجنوں خاک اڑاتا ہوں عبث
یہ تماشا دیکھنے والا بھی اک محمل میں ہے
(ڈاکٹر طاہر لکھنوی)

مدینہ۔ مدینہ منورہ عرب کا وہ مشہور اور مقدس شہر ہے جہاں ختم المرسلین حضرت محمدؐ کا مزار مبارک ہے۔

احمد کا ہے دھیان دل میں اختر ہر دم
سینہ کیونکر نہ ہو مدینہ یا رب
(واجد علی شاہ)

مرغِ سلیماں۔ ہدہد کو مرغِ سلیماں کہتے ہیں۔ اسی پرندے نے حضرت سلیمان کو بلقیس کا پتہ بتایا تھا اور ان کے حسن کی تعریف کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے اس کے سر پر سونے کا تاج تھا لیکن لوگ سونے کی لالچ میں اس کو مارنے لگے تو اس نے حضرت سلیمان سے فریاد کی اور انہوں نے دعا کی جس کے سبب سونے کے بجائے پروں کی کلغی اس کو مل گئی۔
مرغِ عیسیٰ یا مرغِ مسیحا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قدرت نے یہ معجزہ دیا تھا کہ وہ بے جان چیزوں میں زندگی کی روح پھونک دیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب حضرت عیسیٰ نے کفار کو معجزے دکھا کے اپنی نبوت کا ثبوت دیا تو جہاں مختلف مردوں کو زندہ کیا وہیں چند مٹی کے پرندے بنا کر ان میں بھی زندگی پھونکی۔ انھیں پرندوں میں چمگادڑ بھی تھا اگر کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے چمگادڑ کو بنایا تو اس کی چولے اجابت بنانا بھول گئے تھے جس کے نتیجے میں وہ چند دن کے بعد مر گیا تب خداوند تعالیٰ نے اسی کے مانند ایک اور بنا کر دنیا میں بھیج دیا۔ چونکہ چمگادڑ حضرت عیسیٰ کے معجزے سے ظہور میں آئی اس لیے اس کو مرغِ عیسیٰ بھی کہتے ہیں۔
مریم۔ حضرت مریم حضرت عمران کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ حنہ نے آپ کا نام مریم رکھا تھا اور ہیکل کے لیے وقف کر دیا تھا جناب مریم کے بطن میں وہ مقدس روح پھونکی گئی تھی جو حضرت عیسیٰ کی ولادت کا سبب بنی تھی۔ آپ کا انتقال [illegible]ء میں ہوا تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عیسیٰ)
مسّی۔ یہ ہیرے کے مفوف، مازو اور طوطیا وغیرہ سے ایک منجن تیار کیا جاتا تھا جس کا رنگ سیاہ ہوتا تھا۔ اس منجن کو شادی شدہ

عورتیں سنگار کے دیگر لوازمات کی طرح استعمال کرتی تھیں اور دانتوں پر ملتی تھیں۔ مسّی ملنا سہاگن ہونے کی علامت تھی چنانچہ مسی لگاتے لگاتے عام طور پر خواتین کے دانت سیاہ ہو جاتے تھے۔

مسّی کی دھڑی اس پہ غضب پان کا لاکھا
دل خون کیے دیتا ہے ادھر رنگ حنا اور

اس کے علاوہ مسی طوائفوں کی ایک رسم بھی ہے جو شادی کی طرح منائی جاتی ہے۔ جب کوئی نوجوان طوائف زادی پہلی مرتبہ کسی کی تنخواہ دار ہونے والی ہوتی تو ساری برادری کی ضیافت کی جاتی۔ لڑکی کو دولہن ہی کی طرح سجایا جاتا تھا اور بصد اہتمام حجلۂ عروسی تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد گیا وہ طوائف زادی مسّی لگانے کی حقدار ہو جاتی ہے۔

ہم کو عاشق لب و دنداں کا سمجھ کر اس نے
رقعہ بھیجا ہے کہ ہے آج ہماری مسّی

مسیح ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ ملاحظہ فرمائیں واقعات حضرت عیسیٰ)

کشتۂ عشق کے حق میں تو تمہاری بھی مسیح
کام آئی نہ مسیحائی کہو کیا باعث
(عاشق)

وہ تو کہیے کہ مسیحا کا کرم تھا ورنہ
ہر نفس میرا اسیر غم دوراں ہوتا
(ڈاکٹر طاہر لکھنوی)

مصر کا بازار ۔ جناب یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے اپنا غلام بنا کر

مالک نامی ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور اس سوداگر نے ان کو مصر کے ایک بازار میں بیچا جہاں سے حضرت یوسف عزیز مصر تک پہنچے۔

یوسف سے حسین حسن محمد کا ہے جلوہ
بازار ہے کہ مصر کا بازار مدینہ
(ڈاکٹر طاہر لکھنوی)

معراج ۔ ماہ رجب المرجب کی ۲۶ و ۲۷ رجب کی درمیانی شب یعنی ۲۷ رجب کی شب، شب معراج کہلاتی ہے۔ اس شب سرور کائنات حضرت ابو طالب کی صاحبزادی اور اپنی چچا زاد بہن جناب ام ہانی کے گھر تشریف فرما تھے اور وہیں آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر معراج کی بشارت دی پہلے مسجد الحرام تشریف لے گئے وہاں سے بیت المقدس اور پھر اسی براق سے آسمانوں پر تشریف لے گئے جو حضور کی سواری کے لیے حضرت جبریل ہمراہ لائے تھے۔ جناب رسالتمآبؐ نے مختلف آسمانوں کی سیر فرمائی، مختلف عالموں کو ملاحظہ فرمایا اور متعدد نبیوں اور پیغمبروں سے ملاقات فرمائی اسکے بعد سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچے۔ یہاں پہونچ کر جناب جبریل نے معذرت چاہی کہ اب آگے حضور تنہا ہی تشریف لے جائیں کیونکہ اس مقام سے آگے اگر میں جاؤں گا تو پر جل جائیں گے۔ خاتم النبیین، رحمت اللعالمینؐ وہاں سے رفرف پہ سوار ہوئے اور حجابات نورانی و جلالی کو طے کر کے جب عرش معلےٰ تک پہونچے تو رفرف نے بھی اجازت طلب کی کیونکہ اس مقام پر اس کی بھی حد ختم ہوتی تھی اور آگے جانے کی مجال نہ تھی۔

پھر حق تعالےٰ نے آپ کو قریب اور قریب بلایا یہاں تک کہ عبد و معبود میں دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پروردگار عالم کے خلوتی خاص کے راز دار،

جب نازو نیاز پروردگار کے بعد واپس ہوئے تو بیت المقدس تشریف لائے اور پھر وہاں سے جناب ام ہانیؓ کے دولت خانۂ سعادت آشیانہ پر تشریف لے آئے۔ یہ تمام ترفاصلہ جس کے لیے ہزارہا نوری سال درکار ہیں اعجاز پروردگار سے لمحوں میں طے ہوا اور معراج سے جب سرکار واپس آگئے تو دروازے کی زنجیر اسی طرح ہل رہی تھی اور بستر گرم تھا۔

غنیمت جان لے دل جنبش ابروئے قاتل کو
بڑی معراج ہے تلوار سے مرنا سپاہی کا
(آتش)

شب معراج محبوب خدا کا عرش پر جانا
غبار رہ گذر کا کہکشاں بنکر بکھر جانا
(بشیر فاروقی)

معلم الملکوت۔ شیطان یعنی ابلیس کا لقب ہے جو تمام ملائک کا استاد تھا، جس کی عبادتوں کی کوئی مثال نہ تھی لیکن جسے، اسکے کبر و غرور نے قیامت تک کے لیے مرکز لعنت و ملامت بنا دیا۔

مقام ابراہیم یا مصلیٰ ابراہیم۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اپنی بیوی سارہ سے یہ عہد کر کے چلے تھے کہ وہ اپنی دوسری بیوی ہاجرہ اور اسمٰعیل کو صرف دیکھ کر چلے آئیں گے اور اونٹ سے اتریں گے بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ جب اس جگہ پہونچے تو جناب ہاجرہ نے پاؤں دھلانے کے واسطے اترنے کو کہا لیکن حضرت ابراہیم اپنے عہد سے مجبور تھے جناب ہاجرہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ اونٹ سے نہ اترنے کے لیے قول دے چکے ہیں تو انہوں نے ایک پتھر لاکر ایک پاؤں کی طرف اور دوسرا دوسرے پاؤں کی طرف لاکر رکھا اور

اس طرح آپ کے پاؤں دھلائے۔

جس پتھر پر حضرت ابراہیم نے پاؤں رکھا تھا، مکہ معظمہ میں واقع وہی مقام، مقام ابراہیم کہلاتا ہے۔

ملامتی۔ فقیروں کا یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو پوشیدہ عبادت کرتا ہے، ہنر کو چھپاتا ہے اور اپنے عیوب کو آشکارا کرتا ہے اپنے ظاہر کو اس درجہ خراب کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ لوگ لعنت ملامت کرتے ہیں یہی اس فرقے کا شیوہ ہے۔

ملکۂ سبا۔ جناب بلقیس کا لقب ہے جو ملک سبا کی حکمراں تھیں اور حضرت سلیمانؑ کے عقد میں آئیں (ملاحظہ ہوں واقعات بلقیس)

من اگلنا۔ ایک مفروضہ ہے کہ کالا سانپ اماوس کی رات میں جب چاروں طرف گھوز اندھیرا ہوتا ہے اپنا من اگل کر زمین پر رکھ دیتا ہے جس کی روشنی بہت لطیف ہوتی ہے اور دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ پھر وہ اسکی روشنی میں مست ہو کر کھیلتا ہے اور بعد میں اسی من کو نگل لیتا ہے۔

سانپ کے من کو ناگ منی بھی کہتے ہیں۔ ناگ منی کو بہت ہی مبارک مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ناگ منی یا سانپ کا من جس کو حاصل ہو جائے وہ بے حد دولت مند اور خوش قسمت ہو جاتا ہے۔

صاحب فرہنگ آصفیہ نے بعض محققوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ سبز یا خاکستری رنگ کا پتھر ہوتا ہے جس پر تین دھاریاں ہوتی ہیں اور یہ اکثر بڑے سانپ کا مغز یا کھوپڑی سے نکلتا ہے۔

دل نکلتا ہے اس کی زلفوں سے
ناگنی دیکھو من اگلتی ہے (میرزا برق)

سمجھ نہ حلقۂ کاکل کو کان کا موتی
یہ من نکال کے بیٹھا ہے ماہتاب میں سانپ
(انشاء)

من و سلویٰ ۔ وہ طعام جو اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لیے آتا تھا۔ پروردگار عالم نے جناب موسیٰ اور ان کے چند ساتھیوں پر یہ مہربانی کی تھی کہ ابر کا جیسا ایک چھوٹا ٹکڑا ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہتا تھا اور ان کو آفتاب کی گرمی سے محفوظ رکھتا تھا اور شب میں نور کا عمود رات کی تاریکی کو منور کرتا تھا ان کے لیے اللہ کی جانب سے من بھیجا جاتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شہد تھا، کچھ نے کہا کہ روٹیاں تھیں جو چھوٹی چھوٹی اور میٹھی ہوتی تھیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ یہ ایک طرح کا خوش ذائقہ گوند تھا جو درختوں پر جم جاتا تھا۔ آخر کار لوگوں کی طبیعت مٹھاس سے اچاٹ ہو گئی اور انہوں نے جناب موسیٰ سے کہا کہ میٹھی چیزیں کھاتے کھاتے ہم لوگ مرے جاتے ہیں اب آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہم کو گوشت عطا کرے۔ جناب موسیٰ کی دعا مستجاب ہوئی اور ان کے لیے سلویٰ آنے لگا۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ چوزے ہوتے تھے۔ جناب موسیٰ جب پتھر پر عصا مارتے تھے پانی پیدا ہو جاتا تھا اور وہ سب سیراب ہو جاتے تھے اس کے علاوہ جب وہ کپڑے طلب کرتے تھے تو وہی لباس جو وہ پہنے ہوتے تھے نیا ہو جاتا تھا۔ یہ واقعات اس وقت کے ہیں جب وہ لوگ تیہ کے بیابان میں مقیم تھے۔

سیر رکھتا ہے طبیعت کو کلام شیریں
من و سلویٰ ہے یہ اپنے لیے گویا اترا
(آتش)

منصورؒ ۔ پورا نام حسین بن منصور حلاج اور کنیت ابو المغیث تھی۔ یہ اپنے طرز کے بالکل ہی منفرد بزرگ تھے اور ہر دم سوز و اشتیاق میں غرق رہتے تھے (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۸) خزینۃ الاصفیا کے مطابق "در سوز عشق و سکر و مستی ثانی نداشت۔ و تصانیف عالی داشت — در بیان حقائق و اسرار معرفت ثانی نداشت۔ (جلد دوم صفحہ ۱۷۸)

چند صوفیا مثلاً ابن عطاء، عبداللہ خفیف، ابوبکر شبلی، ابو القاسم نصرآبادی وغیرہ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا صوفی کہا ہے۔ شیخ ابوالخیر، شیخ ابوالقاسم گرگانی، شیخ یوسف ہمدانی وغیرہ کا خیال ہے کہ آپ کی باتیں اسرار راز تھیں البتہ ابوالقاسم قیسری وغیرہ آپ کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگر منصور مقبول تھے تو خلق کے انکار سے مردود نہیں ہو سکتے۔ شیخ فریدالدین عطار آپ کے معترف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ افسوس ہے کہ حضرت موسیٰ کے واقعے میں درخت سے انا اللہ کی صدا کو لوگ جائز سمجھتے ہیں اور حضرت منصور سے انا الحق کی صدا کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر شبلی فرماتے ہیں کہ مجھ میں اور منصور حلاج میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ لوگوں نے مجھے دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور انھیں عاقل سمجھ کر ہلاک کر دیا۔

تذکرۂ اولیا کے مطابق حضرت منصور نے ہمیشہ عبادت و ریاضت میں بسر کی۔ آپ میدان معرفت و توحید میں بصورت اہل صلاح پابند شریعت و مطیع سنت تھے۔ گو عالم کیف میں خلاف شریعت (انا الحق) بات آپ کی زبان سے نکل گئی لیکن انھیں بدعتی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ در حقیقت اس قول کا قائل خود اللہ تعالیٰ ہے (انوار الاتقیا ترجمہ اردو تذکرہ اولیا،

جلد دوم صفحہ ۳۰۸) تذکرۃ الاولیاء کے مطابق آپ رات کو چار سو رکعات نماز ادا کرتے تھے اور اس عبادت کو اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

پہلا سفر ۱۶ سال کی عمر میں کیا اور تستر آکر حضرت عبداللہ تستری سے دو سال استفادہ فرمایا پھر تستر سے بصرہ تشریف لائے۔ بصرہ سے دو حرقہ آئے اور وہاں ڈیڑھ سال تک حضرت عمرو بن عثمان مکیؒ کی خدمت میں رہے یہاں حضرت یعقوب اقطع کی بیٹی سے آپ کا نکاح ہوا۔ دو حرقہ سے بغداد آئے اور حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں رہے اور خلوت و سکوت کی تعلیم حاصل کی وہاں سے حجاز گئے اور ایک سال قیام کرکے بغداد واپس آئے اور حضرت جنید بغدادی سے کچھ سوال کئے جن کا جواب انہوں نے نہیں دیا بلکہ کہا کہ "تو بہت جلد لکڑی کا سر سرخ کرے گا۔"

آپ کو حلاج کہنے کی وجہ مورخین نے یہ بتائی ہے کہ آپ ایک مرتبہ عالم کیف میں روئی کے ایک ڈھیر کے قریب سے گذرے اور اسی کیفیت کے عالم میں نظر بھر کر روئی کو دیکھا تو وہ تمام روئی دھنک گئی۔ اس کے تمام بنولے الگ ہو گئے۔ اسی دن سے لوگ آپ کو حلاج کہنے لگے۔ آپ نے بہت سیاحی فرمائی۔ اپنی مجالس میں وہ ایسے نکات و اسرار بیان فرماتے تھے کہ لوگ گرویدہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اہل ہند آپ کو ابو المغیث، اہل چین ابو المعین، اہل خراسان ابو المنیر، اہل فارس ابو عبداللہ زاہد، اہل خراسان حلاج الاسرار، اہل بغداد مصطلیم اور اہل بصرہ مخبر کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ مکہ معظمہ میں دو سال گزار کر جب آپ واپس ہوئے تو حالت اس قدر بدل چکی تھی کہ آپ کا کلام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہو گیا تھا اور لوگ آپ سے کنارہ کش ہونے لگے تھے۔

۲۴ ذیقعدہ ۳۰۸ھ یا ۳۰۹ھ میں آپ کو پھانسی دے دی گئی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۹ سال تھی۔

سخن حق کی داد لوں کس سے
سن چکا ہوں فسانۂ منصور
(حالیؔ)

خود دار کی ہیں شکل الف ہائے انا الحق
نت چاہتے ہیں اک نئے منصور کی گردن
(انشاءؔ)

منکر نکیر۔ دو فرشتے ہیں جو دفن کے بعد قبر میں آتے ہیں اور مردے سے اس کے عقائد کے بارے میں سوال کرنے کے بعد اس کے جوابات کی روشنی میں اس کے لیے قبر کی سزا و جزا مقرر کرتے ہیں۔ صحیح جوابات دینے والے کو وہ جنت کی بشارت دے کر چلے جاتے ہیں اور صاحب قبر سکون کی نیند سو جاتا ہے جبکہ دوسری صورت میں قبر مصائب، آلام اور عذاب کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔

کیا منکر و نکیر یہ بنتی ہے دیکھیے
ہمراہ میرے گور میں تصویر یار ہے
(میر عبداللہ غمگینؔ)

اے نکیرین قیامت ہی یہ رکھو پرسش
میں ذرا عمر گذشتہ کی تلافی کرلوں
(شبلی نعمانیؔ)

موسیٰ۔ زمانۂ قدیم میں مصر کے بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔

ان فرعونوں کے اٹھارہ خاندانوں نے مصر پر حکومت کی۔ جن میں بعض فرعون بہت اچھے تھے اور بعض بے حد ظالم، جابر اور سفاک گزرے ہیں۔ ان فرعونوں کی یادگاروں میں اہرام مصر آج بھی موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ ابن عمران سلسلۂ اسرائیلی کے ایک جلیل القدر پیغمبر گذرے ہیں۔ آپ کی ولادت کے وقت بھی مصر پر ایک ظالم و جابر فرعون حکمراں تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

فرعون کو جب اس کے منجّموں نے آگاہ کیا کہ امسال بنی اسرائیل میں جو لڑکے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک لڑکا تیرے دین اور تیری قوم کی تباہی کا سبب بنے گا تو فرعون اس خبر سے بہت پریشان اور خوفزدہ ہوا۔ اس نے مصر کی ہر عورت کے لئے قابلہ مقرر کردی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ جو لڑکا پیدا ہو اس کو اسی وقت ہلاک کردیا جائے۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کرکے فرعون نے یہ حکم بھی صادر کردیا کہ کوئی بھی مرد اپنی زوجہ کے قریب نہ جائے۔ اس حکم پر عمل درآمد شروع ہو گیا لیکن جناب موسیٰ کے والد جناب عمران نے اس حکم کو نہیں مانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مادر موسیٰ امید سے ہوگئیں اور ان پر بھی ایک قابلہ مقرر کردی گئی۔ مگر برخلاف دوسری قابلہ عورتوں کے یہ قابلہ مادر جناب موسیٰ سے کچھ اس درجہ مانوس ہوگئی کہ وہ ان کو تسلّی دینے لگی کہ تم فکرمند نہ ہو میں تمہارے لڑکے کو ہرگز قتل نہیں ہونے دوں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اس نے ان کو کپڑے میں لپیٹ کر تہ خانے میں چھپا دیا اور پاسبانوں کو ایک گوشت کا لوتھڑا لے جا کر دکھا دیا کہ بجائے بچے کے یہ پیدا ہوا ہے۔

پھر ان لوگوں نے جناب موسیٰ کو ایک لکڑی کے صندوق میں رکھ کر

دریائے نیل میں سیرا دیا تاکہ کوئی اس کو نکال لے اور بچہ دیکھ کر اس کی پرورش کرے۔ اور یہی ہوا بھی۔

آسیہ، زنِ فرعون اس وقت رود نیل کے کنارے سیر میں مصروف تھی اچانک اس کی نظر اس صندوق پر پڑی جو لہروں کے دوش پہ بہتا ہوا جا رہا تھا۔ آسیہ نے فوراً خادموں سے وہ صندوق نکلوایا اور بچہ پر نظر پڑتے ہی وہ اس کے گرویدہ ہوگئی۔ اس نے طے کرلیا کہ وہ اس بچے کو پالے گی۔

آسیہ لاولد تھی۔ اسی لیے اس نے فرعون سے اس بچے کو پالنے کی اجازت مانگی۔ آخر بڑی مشکلوں سے فرعون نے آسیہ کو اجازت دے دی اور موسیٰ قصر فرعون میں پرورش پانے لگے۔

ایک دن فرعون کو چھینک آئی، موسیٰ اس وقت فرعون کے پاس تھے انہوں نے کہا کہ الحمد اللہ۔ فرعون چونک پڑا اور موسیٰ کے گال پر طمانچہ مار دیا۔ موسیٰ نے فرعون کی داڑھی نوچ لی۔ یہ گستاخی ایسی تھی کہ فرعون برداشت نہ کرسکا اور اس نے چاہا کہ جناب موسیٰ کو قتل کردے مگر آسیہ آڑے آگئیں اور کہا کہ بچہ ہے۔ یہ کیا جانے کہ کیا کہہ رہا ہے یا کیا کر رہا ہے مگر فرعون بہت غصے میں تھا اور کسی صورت سے جان بخشی کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ بچے نے جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ کیا ہے وہ شعوری طور پر کیا ہے۔ بہت مشکل سے آسیہ نے فرعون کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بچے کا امتحان لے لیا جائے۔ اور اس کا طریقہ یہ رکھا کہ ایک طشت میں دہکتے ہوئے انگارے رکھے گئے اور ایک طشت میں خرمے۔ فرعون کا خیال تھا کہ اگر بچہ نا سمجھ ہے تو شراروں کی چمک اس کو اپنی جانب متوجہ کرے گی اور وہ انگارہ اٹھانے لگا دوسری صورت میں وہ خرمے

کی جانب ہاتھ بڑھائے گا۔ جناب موسیٰ کا ہاتھ فرعون کی جانب بڑھنے لگا مگر ایسے میں جبرئیل نے فوراً ان کے ہاتھ کا رخ موڑ دیا اور جناب موسیٰ نے انگارہ اٹھا کر منھ میں رکھ لیا۔ موسیٰ کی اس حرکت سے فرعون مطمئن ہو گیا اور ان کی نافہمی پر اس کو یقین آ گیا۔

جناب موسیٰ سن شعور کو پہونچتے پہونچتے ایک خدائے واحد کی بندگی کی تبلیغ کرنے لگے۔ ان کی اس سرگرمی نے فرعون کو بوکھلا دیا اور اس کو اپنا دین اور اپنی خدائی خطرے میں نظر آنے لگی۔ حضرت موسیٰ نے محسوس کر لیا کہ فرعون ان کو ضرر پہونچانے کے درپے ہے اس لیے وہاں سے چلے گئے۔

جب قدرت نے جناب موسیٰ کو باقاعدہ نبوت عطا کی اور حکم دیا کہ اپنی رسالت کا اعلان اور حق کی تبلیغ کرو تو جناب موسیٰ نے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور ایک خدائے لاشریک کی عبادت کا پیغام دینے لگے۔ اسی سلسلے میں وہ دربار فرعون میں بھی تشریف لے گئے اور اس کو بتایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور دنیا کو اللہ کا پیغام سنانے آئے ہیں تو فرعون نے تمسخر کیا اور کہا کہ ہر نبی کے ساتھ کوئی نہ کوئی معجزہ تھا اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔

جناب موسیٰ نے یہ سن کر اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ اور وہ عصا فوراً ہی ایک انتہائی خوفناک اژدھا بن گیا جس کے شکم اور منھ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ اس اژدھے نے فرعون کی جانب رخ کیا تو اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے اس اژدر کو منھ سے پکڑ کر اٹھا لیا تو وہ پھر عصا بن گیا اس معجزے نے فرعون کی خدائی کو متزلزل کر دیا اور قریب تھا کہ وہ موسیٰ کی رسالت

اور ان کے خدا پر ایمان لے آتا کہ اس کے وزیر ہامان نے فرعون کو اس امر سے باز رہنے کے لیے منع کیا اور کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے تو خود خدا ہے لوگ تجھے پوجتے ہیں اور تو ایک اپنے ہی بندے کا فرمانبردار بننا چاہتا ہے۔ یہ شخص تو جادوگر ہے اور جو کچھ ظہور میں آیا تھا وہ جادو اور صرف جادو تھا۔

ہامان کے کہنے سے فرعون کا ڈر کچھ کم ہوا اور اس نے موسیٰ سے مقابلہ طے کیا۔ فرعون کے مقررہ دن اپنے تمام بہترین جادوگروں کو جناب موسیٰ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں نے رسیوں اور لکڑیوں پر طلسم دم کر کے میدان میں پھینکا جو جادو کے زور سے حرکت میں آ گئیں اور انتہائی خطرناک اژدر کی صورت اختیار کر کے حملہ آور ہونے لگیں لیکن جناب نے جیسے ہی اپنا عصا زمین پر ڈالا اس نے اژدر کی شکل اختیار کر لی اور ان تمام سحروں کو نگل گیا جو فرعون کے جادوگروں نے پیدا کیے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ تمام ساحر حیران رہ گئے اور سجدے میں گر گئے۔

اس شکست نے فرعون کو مزید بوکھلا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل ایمان بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے یہ دیکھ کر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ جناب موسیٰ نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا، نیل میں راستہ پیدا ہوا اور جناب موسیٰ اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ دریائے نیل کو پار کر گئے لیکن جب اسی انداز سے فرعون نے بھی دریا کو پار کرنا چاہا تو نیل کی موجوں میں تلاطم پیدا ہو گیا اور فرعون اپنے پورے لشکر کے ساتھ غرق ہو گیا۔

میرا۔ کرشن جی کی ایک بھگت گذری ہیں جن کے بھجن نہ صرف یہ کہ بعید

مقبول ہیں بلکہ آج بھی ان میں دلوں کو چھو لینے والی کیفیت موجود ہے میرا بائی کے باپ کا نام رتن جی تھا جو جودھ پور میں واقع مرتا کے جاگیردار تھے۔ میرا کو بچپن ہی سے کرشن جی سے لگاؤ تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار پڑوس میں کسی لڑکی کی شادی تھی جس میں میرا بھی اپنی ماں کے ساتھ شریک تھیں جب بارات آئی تو اس کی شان و شوکت اور دولہا کی سج دھج میرا کو بہت اچھی لگی۔ انہوں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ "میرا دولہا کون ہے"۔ ماں نے بچی کو بہلاتے ہوئے یونہی کہہ دیا کہ تیرا دولہا تو گردھر گوپال ہے۔ ماں کے ذہن کو شک بھی نہ تھا کہ اسکی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ میرا کی زندگی کا اصل بن جائے گا۔ میرا نے اسی وقت سے گردھر گوپال کو اپنا دولہا مان لیا اور ہر وقت کرشن جی کے خیالوں میں گم رہنے لگیں۔

میرا کی شادی میواڑ کے مشہور رہنما رانا سانگا کے بڑے لڑکے کنور بھوج راج سے کر دی گئی۔ کچھ دن آرام سے گذرے مگر بعد میں کنور بھوج راج کا انتقال ہو گیا اور میرا بیوہ ہو گئیں اس حادثے نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اب وہ تن من سے صرف کرشن بھگت ہو کر رہ گئیں۔ ان کی اس بھگتی کی شہرت پھیلنے لگی تو دور دور سے عقیدت مند بھی ان کے درشن کرنے کے لیے آنے لگے۔ وہ بے خود ہو کر کرشن بھگتی کے بھجن گاتی تھیں اور کبھی کبھی خود فراموشی کی سی کیفیت میں وہ ناچنے بھی لگتی تھیں۔ رانا سانگا کی زندگی تک تو حالات ٹھیک رہے لیکن بعد میں میرا کے دیور نے ان تمام باتوں کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ اس کو یہ قطعی ناپسند تھا کہ رانا سانگا جیسے بہادر راجپوت کی بڑی بہو اس طرح لوگوں کے سامنے ناچتے گاتے۔ میرا نے دیور کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی تو اس نے تکلیفیں دینا شروع کر دیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے زہر کا پیالہ میرا کو بھیجا۔ میرا نے وہ زہر بھی پی لیا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر پریشان ہو کر میرا نے سسرال کا گھر چھوڑ دیا اور میکے چلی گئیں جہاں تھوڑے دن رہنے کے بعد وہ تیرتھ یاترا کو نکل پڑیں۔ کچھ دن بندرابن میں گذار کر اور اسکے بعد دوارکا چلی گئیں۔

کہا جاتا ہے کہ میرا بائی کے میواڑ چھوڑتے ہی میواڑ پر تباہی آگئی اور اس پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے۔

میرا بائی کی زندگی ہی میں ان کی کرشن بھگتی اور ان کے بھجنوں کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی اور لوگ ان کے درشنوں کو آیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ایک روز خود اکبر اعظم بھی تان سین کے ہمراہ میرا کے درشن کرنے آیا تھا۔

میرا کی زندگی ہے مری، میرا کا خیال
ڈھلتا گیا میں گیت میں ہو بنی کبھی غزل

(عارف نجمی)

میر بھیجڑی۔ صاحب فرہنگ آصفیہ نے میر بھیجڑی یا میر بھوجی نامی مخنث سید پیر کو ایک نامعلوم حقیقت بتاتے ہوئے اس شخصیت کو ہیجڑوں کا مورث اعلیٰ پیر و مرشد یا ولی بتایا ہے۔ ان کے مطابق یہ پارسا سید زنانہ لباس پہنتے تھے، چرخہ کات کر گذر اوقات کرتے تھے سال چھ مہینے مرد رہتے تھے اور چھ مہینے عورت رہتے تھے۔ جب انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی کہ اس طرح ان کی نسل کیسے چلے گی تو حکم خدا ہوا کہ ہر فرقے اور ہر قوم کے لوگ تیرے سلسلے میں شامل ہو کر تیرا نام چلائیں گے۔ وہی تیری آل ہوں گے اور وہی تیری نسل۔

چنانچہ جب ہیجڑے کسی کو اپنے فرقے میں شامل کرتے ہیں تو اس روز ان کے نام کی کڑھائی چڑھاتے ہیں اور پکوان تلتے ہیں۔ یہ پکوان صرف اپنے ہی لوگوں میں وہ لوگ تقسیم کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو

کوئی اس پکوان کو کھاتا ہے وہ فوراً ناچنے گانے اور انھیں لوگوں کی جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ جب تک بجر ڈا نہیں ہو جاتا ہے اسے چین نہیں ملتا۔

ن

نادر۔ نادر شاہ ایران کا بادشاہ تھا جس نے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی میں وہ تباہی مچائی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی سخت گیری اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ عورتیں اس کا نام لے کر بچوں کو ڈراتی تھیں بعد میں محمد شاہ کو تاج بخش کر واپس چلا گیا۔ لیکن وہ اپنے ساتھ ہندوستانی صنعت کا وہ عظیم شاہکار بھی لے گیا جس کو تخت طاؤس کہتے ہیں اور جس کو شاہجہاں نے بنوایا تھا۔

گرنا ہو تجھے جسے کہتے ہیں حکم نادری
دخل کیا گر نخل تیوں میں چھپالے زنگ رے

(تصور)

نار خلیل۔ نار کے معنی ہیں آگ یا آتش۔ نار خلیل اس آگ کو کہتے ہیں جو نمرود نے حضرت ابراہیم کو جلانے کے لیے تیار کرائی تھی اور جب ان کو اس آگ میں پھینکا گیا تو وہ گلزار میں بدل گئی تھی۔

ناقۂ صالح۔ طوفانِ نوح کے بعد دنیا تاراج ہو گئی تھی اور صرف وہی ذی روح بچ رہے تھے جو سفینۂ نوح میں سوار تھے۔ انھیں سے دوبارہ دنیا آباد ہوئی۔ جناب نوح کی امت نے بے حد ترقی کی اور ان میں بھی جس قبیلے نے سب سے زیادہ عروج حاصل کیا وہ قومِ عاد کے نام سے مشہور ہوا۔ ترقی کے ساتھ ہی اس قوم میں برائیاں بھی جڑ پکڑتی گئیں اور ان کی اصلاح کے لیے جناب ہود کو پروردگارِ عالم نے پیغمبر بنا کر بھیجا لیکن اس قوم کی اصلاح نہ ہو سکی اور بالآخر عذابِ الٰہی کا شکار ہو کر ان کو تباہ ہونا پڑا۔

قوم عاد کے بعد قوم ثمود نے بے حد ترقی کی لیکن جب ان میں بھی برائیوں نے جڑ پکڑنا شروع کیا تو جناب صالح پیغمبر بنا کر ان کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے۔ جناب صالح نے اپنی قوم کو برائیوں سے بچنے اور اللہ کی عبادت کرنے کی نصیحت شروع کی تو ان لوگوں نے ان کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ کچھ لوگوں نے ان کو جادوگر کہا تو کچھ نے ان کو دروغ گو تک کہہ دیا۔

آخر ایک دن انہوں نے جناب صالح کی آزمائش کے لیے یہ شرط رکھی کہ اگر وہ پیغمبر ہیں تو اپنے خدا سے کہیں کہ وہ اس سامنے کے پہاڑ سے ایک ایسی اونٹنی پیدا کرے جو پیدا ہوتے ہی بچہ دے دے۔ جناب صالح نے اللہ سے دعا کی پہاڑ پھٹا اس میں سے اونٹنی نکلی اور اس نے فوراً ایک بچہ دے دیا۔ پھر وہ اونٹنی ان علاقے ہی میں رہنے لگی۔ مگر اس اونٹنی سے تمام جانور گھبراتے تھے اور قریب نہ جاتے تھے۔ اگر وہ جنگل میں چرنے جاتی تو دوسرے تمام جانور وہاں سے بھاگ جاتے اور پھر جنگل کا رخ نہ کرتے۔ آخر یہ طے ہوا کہ ایک روز وہ اونٹنی جنگل جائے گی اور دوسرے دن تمام جانور۔ مگر یہ سلسلہ بھی زیادہ دن نہ چل سکا۔ یہ قوم ثمود پریشان ہونے لگی تو اس نے اس اونٹنی کو ختم کرنے

کا فیصلہ کر لیا۔

ایک دن انھوں نے اس اونٹنی کو تیر کا نشانہ بنا دیا اور اس کی کونچیاں کاٹ ڈالیں جس کے سبب وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی اور اس اونٹنی کے مرتے ہی قوم ثمود کی تباہی کا آغاز ہو گیا۔

معجزہ انصاف سے تیرے سر دشت و جبل
ہر غزالہ، ناقۂ صالح ہے گویا بے زمام
(ذوق)

نانک۔ شری گرو نانک دیو، سکھ مذہب کے بانی تھے۔ آپ ۱۴۶۹ء میں تلونڈی میں پیدا ہوئے اور کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ گرو نانک نے فرمایا تھا کہ سچ ابتدا میں تھا، سچ ہی وسط ہے اور سچ ہی آخر ہے۔ صداقت محنت اور مساوات ان کی تبلیغ میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مساوات کے عملی مظاہرے کے لیے انہوں نے لنگر کی رسم قائم کی جہاں شاہ و گدا ایک صف میں بیٹھ کر بلا کسی تفریق کے کھانا کھاتے ہیں۔ گرو نانک دیو جی توحید کے علمبردار تھے اور توہمات و بت پرستی کے مخالف تھے۔ ۱۵۳۹ء میں کرتارپور کے مقام پر انہوں نے وفات پائی۔

نخلِ تابوت یا نخلِ ماتم۔ ایران میں رسم تھی کہ مردوں کے تابوت پر مخصوص قسم کی آرائش کی جاتی تھی۔ ہندوستان میں بھی بعض ذاتوں اور خصوصیت سے اہلِ ہنود میں ضعیف العمر لوگوں کی ارتھیوں پر ایسی ہی سجاوٹ کرنے کی روایت ہے اس آرائش و زیبائش کو ہی نخلِ تابوت یا نخلِ ماتم کہا گیا۔

نخلِ ماتم بید مجنوں کے سوا پیدا نہ ہو
گر کوئی بوئے ہمارے دانۂ زنجیر کو

نخل طور ۔ طور سینا کا وہ درخت جس سے تجلی انوار حق ظاہر ہوئی تھی اور جس کے وسیلے سے حضرت موسیٰ اللہ سے گفتگو فرماتے تھے۔

نخل مریم ۔ ایک سوکھا ہوا کھجور کا درخت جو جناب مریم کی برکت سے سرسبز و شاداب ہو گیا تھا۔ کہا جاتا ہے جناب مریم دردِ زہ سے بے چین ہو کر گھر سے نکلیں تو اس کھجور کے درخت کے نیچے آکر ٹھہر گئی تھیں۔ ان کے قیام کی برکت سے درخت پھر سے ہرا بھرا ہو گیا تھا۔

نصیری ۔ محمد بن نصیر کا ایک ایسا فرقہ جو حضرت علی کو خدا مانتا تھا۔ ان لوگوں کے عجیب و غریب عقائد کے بارے میں صاحب فرہنگ آصفیہ رقم طراز ہیں کہ یہ فرقہ نصیر نامی ایک عربی شخص سے منسوب ہے۔ یہ شخص حضرت علی کا فدائی تھا اور ان کو خدا مانتا تھا حتیٰ کہ حضرت ممدوح نے اس کو کئی بار قتل کیا اور اپنے معجزے سے زندہ کر کے پوچھا مگر ہر مرتبہ اس نے آپ ہی کو خدا کہا جس کی وجہ سے آپ نے پھر قتل کر کے زندہ نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ اس فرقے کے لوگ یہاں تک آپ کے معتقد ہیں کہ جب ان کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو پہاڑی سے یہ کہہ کر گرا دیتے ہیں کہ علی کا بندہ ہوگا تو زندہ رہے گا ورنہ مر جائے گا۔

از ہوش شدم مگر بے ہوشم
گوئی کہ نصیری من خموشم

(اقبال)

کیا سمجھتے یہ نصیری جو سمجھتے تجھ کو
نہ سمجھنے یہ تو خالق کے برابر سمجھے

(جرار اکبرآبادی)

نل دمینتی ۔ نل اور دمینتی کا افسانہ ہندوستان کی قدیم داستانوں سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے نل نشادھ دیس کا راجہ تھا اور دمینتی ودربھ راج کے راجہ بھیم کی اکلوتی بیٹی تھی۔ راجہ نل کی خوبصورتی اور بہادری کا ہر طرف شہرہ تھا اور اسی طرح دمینتی کے حسن کی چاروں طرف دھوم تھی۔ دونوں ہی بغیر ایک دوسرے کو دیکھے دام الفت میں گرفتار تھے۔ دمینتی کی شادی کے لیے جب سوئمبر ہوا تو راجہ نل بھی اس میں شریک ہوا اور اسی کے ساتھ چار دیوتاؤں نے بھی نل کی صورت بنا کر اس میں شرکت کی لیکن دمینتی نے جے مال اصل راجہ نل کے گلے میں ڈال دی۔

نل کا چھوٹا بھائی پشکر بہت ہی بد طینت تھا۔ وہ نل کی مقبولیت سے حسد رکھتا تھا چنانچہ اس نے سازش رچ کر نل کے ساتھ جوا کھیلا اور نہ صرف راج پاٹ بلکہ دمینتی اور اس کے دو بچوں کو بھی نل سے جیت لیا۔ اس طرح وہ سلطنت پر قابض ہو گیا اور اسکے ساتھ ہی اس نے دمینتی اور اس کے بچوں کو آزاد کر دیا وہ جہاں جی چاہے چلے جائیں، دمینتی نے نل کے ساتھ رہنا پسند کیا اور جنگلوں میں مصیبت کی زندگی گذارتی رہی۔ نل سے جب دمینتی اور بچوں کی مصیبت نہ دیکھی گئی تو وہ ایک دن ان لوگوں کو سوتا چھوڑ کر غائب ہو گیا تاکہ دمینتی اپنے باپ کے گھر چلی جائے۔ دمینتی جب بیدار ہوئی تو نل کو نہ پا کر بہت پریشان ہوئی اور آخر کافی پریشانی کے بعد وہ باپ کے گھر چلی گئی۔

جنگل کی زندگی میں ایک دن ایک زہریلے سانپ نے نل کو کاٹ لیا جس کے اثر سے نہ صرف نل کا قد چھوٹا ہو گیا بلکہ صورت بھی بدل گئی۔ نل نے پریشان ہو کر اجودھیا کے راجہ کے یہاں گاڑی بان کی نوکری کر لی۔ دمینتی کے باپ نے نل کو بہت تلاش کرایا لیکن شکل بدل جانے کے سبب نل کا پتہ نہ چل سکا۔ دمینتی

اور اس کے باپ کو یقین تھا کہ نل زندہ ہے کیونکہ ایک برہمن ان کو یہ بتا چکا تھا اور اسی امید پر کہ نل سے دوبارہ ملاقات ہو جائے گی دمینتی زندگی گذار رہی تھی۔

آخر دمینتی کے باپ کو ایک ترکیب سوجھ گئی۔ انہوں نے دمینتی کے سوئمبر کا اعلان کر دیا۔ اجودھیا کے راجہ رِتوکرن نے بھی اس سوئمبر میں شرکت کی۔ سوئمبر میں دمینتی نے راجہ نل کو بدلی ہوئی شکل میں بھی پہچان لیا جو گاڑی بان کی حیثیت سے اجودھیا کے راجہ کو لے کر آیا تھا۔

آخر دیوتاؤں کو بھی ترس آگیا۔ انہوں نے نل کی بدصورتی دور کر دی اور اس کا قد بھی ٹھیک ہو گیا۔ جب سب پھر مل گئے تو نل نے پشکر سے دوبارہ جوا کھیلا اس بار پانسہ پلٹ گیا اور نل نے نہ صرف راج پاٹ بلکہ پشکر کے بیوی بچوں کو بھی جیت لیا۔ جن کو واپس کر کے انہوں نے پشکر کو بھی معاف کر دیا۔

ہوا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب
اگرچہ زانوئے نل پر رکھے دمن تکیہ

(غالب)

نمرود — حضرت ابراہیم کے زمانہ میں عراق کے فرمانروا کو نمرود کہا جاتا تھا۔ نمرود، رعایا کا صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کا مالک اور خدا بھی ہوتا تھا اور رعایا نمرود کی پرستش دیوتاؤں کی طرح کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم کے دور میں نمرود بڑا ہی ظالم، جابر، سرکش بادشاہ تھا جس کی حکومت بابل کے گرد و نواح میں تھی اٹھارویں صدی قبل مسیح میں اسکے مورث اعلیٰ نے بابل کو فتح کیا تھا۔ نمرود نے چند شہر بھی آباد کیے تھے جن میں نینوا کافی مشہور ہوا ——

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ نے نمرود کی خدائی کے لیے خطرہ پیدا کر دیا تھا اس لیے اس نے آپ کو آگ میں پھنکوا دیا تھا لیکن حکم خدا سے وہ آگ گلزار میں بدل گئی تھی۔

آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ حضرت ابراہیم نے نمرود کو بھی نصیحت کی کہ وہ گناہوں سے توبہ کرے، اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے نمرود کو شاہی عطا کی اور اس کی عبادت کرے تو نمرود نے بڑی نخوت اور حقارت سے ان کی نصیحت کو ٹھکرا دیا اور جناب ابراہیم سے کہا کہ تم اپنے آسمانی خدا سے کہو کہ وہ فوج بھیج کر میری طاقت کا اندازہ کر لے۔

حضرت ابراہیم نے قبول کر لیا اور نمرود نے تین دن کی مہلت لے کر لاکھوں کا لشکر ایک میدان میں جمع کر کے مقابلے کا انتظار شروع کر دیا۔ چوتھے روز حضرت ابراہیم تنہا اس لشکر کے سامنے پہنچے تو وہ لوگ حیرت زدہ ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ لشکر کہاں ہے جناب ابراہیم نے جواب دیا کہ بس آ ہی رہا ہے۔ اتنا کہتے ہی اہل لشکر نے محسوس کیا کہ جیسے آفتاب کے سامنے بادل آگیا ہو۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو واقعی آسمان پر سیاہ بادل جیسے چھا رہے تھے اور پھر جب وہ بادل زمین کی جانب آنے لگے تو پورا میدان مچھروں کی بھنبھناہٹ سے گونجنے لگا اس سے قبل کہ لشکر والے کچھ سمجھتے، ایک ایک سپاہی پر ہزاروں کی تعداد میں مچھر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے سوار فرس سمیت ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل ہونے لگے۔ نمرود نے یہ حالت دیکھی تو وہ میدان سے بھاگ نکلا اور سیدھا اپنے محل میں پہونچا۔ نمرود نے اپنے محل کو جائے پناہ سمجھ کر سکون کی سانس لی لیکن اسی اثنا میں اس کی نظر ایک مچھر پر پڑ گئی۔ وہ اس کو دیکھتے ہی ڈر کے مارے کانپ اٹھا اور اس سے

قبل کہ کسی کو اس مچھر کی ہلاکت آفرینی کے بارے میں بتا کر مارنے کو کہتا وہ مچھر نمرود کی ناک کے راستے اس کے دماغ میں پہونچ گیا اور ڈنک مارنے لگا۔ نمرود اس تکلیف سے بے حد پریشان ہوا۔ مچھر جب اس کے دماغ پر ڈنک مارتا تو نمرود وہ دوسرے پریشان ہو جاتا۔ اس کے سر پر جب زور زور سے کسی چیز سے مارا جاتا تو اس کو سکون ملتا۔ نمرود اسی اذیت اور تکلیف کے عالم میں چالیس دن تک مبتلا رہا اور ہر کس و ناکس سے بلا تفریق اپنے سر پر دھول رسید کراتا رہا۔ چالیس دن کے بعد وہ راہی ملک عدم ہوا۔ اور اللہ کے لشکر کے حقیر سے سپاہی نے اس کی خدائی کا خاتمہ کر دیا۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
(غالب)

جس طرف دیکھو یہاں نخوت گہ نمرود ہے
ہم کہاں اپنی متاع بندگی لے آئے ہیں
(جوہر صدیقی بنارسی)

نوروز ۔ اس کے معنی ہیں نیا دن یعنی وہ دن جب سے سال کا آغاز ہوتا ہے اور آفتاب برج حمل میں آتا ہے، نوروز بنیادی طور پر اہل فارس کا تہوار ہے جس کو وہ دو دن مناتے ہیں ایک نوروز عامہ دوسرا نوروز خاصہ۔

نوروز عامہ فارسی فروردین مہینے کا پہلا دن ہوتا ہے۔ اس روز آفتاب برج حمل کے نقطۂ اول میں آتا ہے اور اس کا اس اول نقطے میں آنا موسم بہار کے آغاز کی علامت ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پروردگار عالم نے اسی دن دنیا کو پیدا کیا۔ اسی روز ساتوں سیارے اوج تدویر میں تھے اور سب

اوج حمل کے نقطۂ اول میں تھے۔ اسی روز سیاروں کو حکم ہوا کہ وہ دورہ اور حرکت کریں۔ اور اسی روز قدرت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ انھیں اسباب کے باعث اس دن کو نوروز کہتے ہیں جو مارچ کی ۲۱ تاریخ کو منایا جاتا ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ روز نوروز کو تہوار کی طرح منانے کا آغاز جمشید کے زمانے سے ہوا تھا جمشید جس کا نام پہلے صرف جم تھا دنیا کی سیر و سیاحت کر رہا تھا جب وہ آذربائیجان کے مقام پر پہونچا تو اس نے سب کو ٹھہر جانے کا حکم دیا اور کہا کہ ایک مرصع و زرنگار تخت کسی اونچی جگہ پر مشرق رو بچھایا جائے۔ جب تخت سج گیا تو جمشید تاج مرصع پہن کر اس تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ جب آفتاب نکلا تو اس کی کرنوں سے تاج و تخت جگمگانے لگے اور ان کی روشنی نے جمشید کے چہرے کو بھی منوّر کر دیا۔ لوگ اس منظر کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور اس دن کو نوروز کہنے لگے۔ چونکہ پہلوی زبان میں شید کے معنی شجاع کے تھے اس لیے انھوں نے جم کے نام کے ساتھ شید کا اضافہ کر دیا اور جم اس کے بعد سے جمشید کہا جانے لگا۔

چنانچہ اس دن سے آتش پرستوں میں اس دن کو تیوہار کی طرح منانے کی رسم پڑ گئی اور جشن کیا جانے لگا۔

نوروز خاصہ وہ دن ہے جسے یوم خرداد کہا جاتا ہے اور جو فروردین مہینے کی چھیٹی تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس دن بھی جمشید تخت نشیں ہوا تھا اور خاصان شاہی کو بلا کر عمدہ عمدہ رسمیں جاری کی تھیں اور کہا تھا کہ خدائے تعالےٰ نے آج ہی کے روز تم کو پیدا کیا ہے چنانچہ پاک پانی

سے غسل کرو اور شکر خدا میں مشغول ہو جاؤ۔

شاہان فارس میں نوروز عامہ سے نوروز خاصہ تک مسلسل چھ دن جشن منانے کا سلسلہ بہت دنوں تک چلتا رہا تھا جس میں لوگوں کی مرادیں پوری کی جاتی تھیں، انعام و اکرام دیئے جاتے تھے، مجرموں کے گناہ معاف ہوتے تھے اور قیدی آزاد کیے جاتے تھے۔

ہندوستان میں مغل شہنشاہ ہمایوں کے زمانے ہی سے نوروز کا تیوہار منانے کی رسم رائج ہے۔ عہد اورنگ زیب میں اس تیوہار پر پابندی عائد کر دی گئی تھی لیکن فرخ سیر کے عہد اقتدار میں نوروز کے تیوہار کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی اور زیادہ شان و شوکت سے منایا جانے لگا۔

شاہان مغلیہ اپنے آخری دور تک اس تیوہار کو بڑے جوش و خروش سے مناتے رہے تھے۔ اس روز خوشیاں منائی جاتیں، جشن ہوتے اور انڈے لڑائے جاتے تھے۔

استداد زمانہ کے ہاتھوں جب دلی پر زوال آیا تو سعادت خاں برہان الملک نے اودھ کو آباد کیا۔ چونکہ سعادت خاں ایرانی النسل تھے اس لیے ان کے ہمراہ بہت سے ایرانی بھی اودھ آ گئے اور اس طرح اودھ کی تہذیب میں ایرانی تہذیب بھی شامل ہو گئی۔

نواب آصف الدولہ نے لکھنؤ کو اپنا مستقر بنایا تو ان کے ہمراہ بہت سے ایرانیوں نے بھی لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر لی اور اس طرح نوروز کا تیوہار لکھنؤ میں بہت شان و شوکت سے منایا جانے لگا۔

اس روز نواب وزیر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتے اور تمام اہل دربار نیا لباس زیب تن کرکے دربار میں حاضری دیتے۔ نذریں گذاری جاتیں

مبارک باد دی جاتی۔ آتشباز اپنی بہترین آتشبازی کا مظاہرہ کرکے داد تحسین کے ساتھ انعام و اکرام حاصل کرتے اور اس کے بعد محفل فضائل حضرت علیؑ منعقد کی جاتی۔

اس محفل کے منعقد کرنے کا تاریخی پس منظر یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ تاریخ ۲۱ مارچ ہی تھی جب رسول اکرمؐ نے حج بیت اللہ سے واپسی کے وقت غدیر خم کے میدان میں قیام فرمایا اور جو ہمراہی آگے نکل گئے تھے ان کو واپسی کا حکم دیا اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو پالان شتر کا منبر تیار کرا کر حضور سرور عالم منبر پر تشریف لے گئے اور بعد حمد و ثنائے پروردگار عالم حضرت علیؑ کو اپنے پاس بلایا اور ان کو بلند کرکے لوگوں سے فرمایا کہ من کنت مولا فہذا علی مولا یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں۔

شاہان اودھ کے دور ہی میں نوروز کی تقریب میں رنگ کھیلنے کا رواج بھی شروع ہو گیا۔ چونکہ ہندوستان میں ہولی کے موقعے پر جو مارچ ہی میں پڑتی ہے رنگ کھیلنے کا رواج تھا اس لیے شاہان اودھ نے عوام سے قریب ہونے اور تہذیبی ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے نوروز میں رنگ کھیلنے کی رسم بھی قائم کر دی۔

نوروز میں آج بھی تحویل آفتاب کے وقت شیرینی پر نذر دی جاتی ہے پانی کے ایک چھوٹے سے کٹورے میں گلاب کا پھول ڈال دیا جاتا ہے اور گھر کے تمام افراد کی نگاہیں پھول پر جمی رہتی ہیں جس میں تحویل آفتاب کے وقت حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی نذر کا وقت ہوتا ہے۔ شیرینی کے علاوہ نذر میں سات رنگ کی ترکاریاں، ایک برتن میں زندہ مچھلی، اور ایک بڑی سینی میں انڈا، دودھ دہی، فصل کے نئے پھل اور دوسری ترکاریاں بھی رکھی جاتی ہیں۔

نوروز کی رنگینی بلبل کو اڑا لائی
ہر پھول کا گلشن میں جامہ جو گلابی ہے

(واجد علی شاہ اختر)

ستائے گی بہت اب کے برس ہم کو شبِ فرقت
سنا ہے چڑھ کے پشتِ فیل پر نوروز آیا ہے

(اسیر)

نوح - عراق میں ایک پیغمبر گذرے ہیں جن کی عمر ۹۵۰ برس ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ جناب نوح آج بھی حیات ہیں اور بحری راستے میں بھٹک جانے والے سفینوں کو راہ بتاتے ہیں۔

حضرت نوح پر اسی برس کی عمر ہو جانے پر وحی آنا شروع ہوئی تھی وہ تمام عمر تبلیغ حق کرتے رہے مگر اسی (۸۰) آدمیوں کے علاوہ کوئی مشرف بہ اسلام نہ ہوا۔ حضرت نوح نے اپنی امت کے ہاتھوں جتنی مصیبت اور اذیت اٹھائی اسکی مثال نہیں ملتی۔ مجالس اور وعظ کے درمیان ان کو اس درجہ زدوکوب کیا جاتا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جاتے تھے اور ان کو اٹھا کر گھر لے جایا جاتا تھا۔ کفار مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کر جاتے تھے کہ وہ نوح کے کہنے میں نہ آئیں اور ہرگز اپنے آبا و اجداد کے مذہب سے نہ ہٹیں بلکہ یہاں تک کہتے تھے کہ نوح کے کلمات پر یقین نہ کرنا اور ان کو جہاں تک ہو سکے اذیت دینا۔

غرضیکہ جب حضرت نوح ان کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے اور ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو آپ نے قوم کے لیے بد دعا کی چنانچہ بارگاہ الٰہی سے جناب نوح کو کشتی بنانے کا حکم ملا جس کے بعد عذاب الٰہی طوفان کی شکل

میں نازل ہوا اور ان لوگوں کے علاوہ جو کشتی میں سوار تھے سب کچھ اس طوفان میں غرق ہو گیا آپ کے اسم گرامی کے بارے میں روایت ہے کہ اہل عرب نے آپ کا نام نوح اس لیے رکھ دیا تھا کہ آپ اپنی طویل عمر میں اکثر رویا کرتے تھے۔ جس کے کئی وجوہ بیان کیے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک زخمی اور بیمار کتا آپ کے قریب سے گذرا تو آپ نے اس کو دھتکار دیا اور کہا کہ دور ہو اے نجس بد صورت اس پر اس کتے نے آپ کو جواب دیا کہ جناب نہ میں اپنے آپ کتا بنا ہوں اور نہ آپ اپنی مرضی سے انسان بنے ہیں کتے کے اس جواب سے جناب نوح بے حد شرمندہ اور متاسف ہو کر مدتوں تک اپنے غلط طرز عمل پر روتے رہے۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب طوفان ختم ہوا اور دنیا تباہ ہو چکی تو شیطان نے آکر ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں آپ سے بہت خوش ہوں کیونکہ اگر آپ دعا نہ کرتے تو تمام امت تباہ ہو کر دوزخ میں نہ جاتی اور جب تک وہ لوگ زندہ رہتے مجھے اور میرے معاونین کو انھیں بہکانے کی زحمت اٹھانا پڑتی۔ آپ نے میرا کام آسان کر دیا۔ شیطان کی اس گفتگو سے حضرت نوح پشیمان ہو گئے کہ انھوں نے اپنی امت کے لیے دعائے بد کیوں کی اور وہ چالیس سال تک روتے رہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب نوح نے اپنے بیٹے کنعان کی سلامتی کے لیے دعا مانگی تھی جو اللہ نے منظور نہیں کی اور اسکی ناراضگی کا سبب بھی بنی، اس لیے بھی جناب نوح رویا کرتے تھے۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب آپ نے امت کے لیے بد دعا کی تھی تو حالانکہ اللہ نے اس کو شرف قبولیت عطا کر دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی جتا دیا تھا کہ امت کو غرق کرا دینے کی بد دعا اس کو پسند نہیں آئی۔

الغرض اسباب کی بنا پر حضرت نوحؑ کی زندگی کا بیشتر حصہ رونے میں گذر گیا۔ جناب نوحؑ کے تین بیٹوں سے ممالک آباد ہوئے اس لیے آپ کو آدم ثانی بھی کہا گیا۔ آپ کے ایک بیٹے یافث کی اولاد نے چین اور ترکستان وغیرہ دوسرے بیٹے حام سے حبش اور ہندوستان وغیرہ نیز تیسرے بیٹے سام سے عراق فارس اور خراسان وغیرہ کی آبادیاں قائم ہوئیں۔

نوشیرواں ۔ نوشیرواں فارس کا ایک بہت ہی منصف مزاج اور عادل بادشاہ گذرا ہے جس کا دارالحکومت بغداد تھا۔ نوشیرواں اپنی سخاوت اور دریا دلی کے سبب نوشیروان عادل کہلاتا تھا۔ وہ کیقباد کا لڑکا تھا۔ ۵۳۱ء میں تخت نشین ہوا اور بادشاہ روم کو شکست دی۔ ۵۷۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اہل عرب اس کو کسریٰ بھی کہتے ہیں۔

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہ شہاں نوشیرواں عشق
(اقبال)

نہرو ۔ پنڈت جواہر لال نہرو، آزاد ہندوستان کے اولین وزیر اعظم تھے۔ نہرو خاندان کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ صرف اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ پنڈت نہرو کے بعد ان کی صاحبزادی محترمہ اندرا گاندھی اور ان کے انتقال کے بعد اندرا گاندھی کے صاحبزادے جناب راجیو گاندھی کو عوام نے انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ وزیر اعظم کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ کسی بھی جمہوری ملک میں وزارت عظمیٰ کا عہدہ ایک ہی خاندان میں رہنا حیرت انگیز بات ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں جہاں رائے عامہ ہی سب کچھ ہے ایک ہی سلسلے کے افراد کا انتخاب، نہرو خاندان کی بے پناہ

مقبولیت کا آئینہ دار ہے۔

پنڈت نہرو ۱۴ر نومبر ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا اسم گرامی موتی لال نہرو اور والدہ کا نام سروپ رانی تھا۔ موتی لال نہرو ہندوستان کے کامیاب ترین وکیل تھے چنانچہ نہرو جی کا طفلی کا زمانہ انتہائی ناز و نعم اور عیش و عشرت میں گذرا۔ ۱۶ برس کی عمر میں حصول تعلیم کے لیے ان کو انگلستان بھیج دیا گیا جہاں سے ۱۹۱۰ء میں انھوں نے بیرسٹری کی سند حاصل کی اور ہندوستان آکر پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۹۱۶ء میں ان کی شادی کملا سے کر دی گئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو یوں تو آزادی کی تحریکوں میں عملی حصہ لینے لگے تھے لیکن مہاتما گاندھی کے افریقہ سے ہندوستان واپس آنے پر جب ہندوستان کی سیاست میں جوش سا پیدا ہو گیا اور اس کے بعد دیگرے ستیہ گرہیں شروع ہو گئیں تو پورا نہرو خاندان اس میں شامل ہو گیا۔ پنڈت نہرو نے عیش و عشرت کی زندگی کو خیرباد کہہ کر اس تحریک میں اس درجہ سرگرمی سے حصہ لیا کہ نہ صرف عوام بلکہ خود مہاتما گاندھی بھی ان کو اپنا جانشین سمجھنے لگے تھے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی ہندو مسلم اتحاد کا بہترین نمونہ تھی۔ ایک طرف انگریزی حکومت کے خلاف آل انڈیا جمعیۃ العلماء برسرپیکار تھی، تحریک خلافت پورے جوش سے جاری تھی تو دوسری جانب گاندھی جی کی تحریک ترک موالات پورے شباب پر تھی چونکہ ان تحریکوں کا مقصد ایک تھا اس لیے آل انڈیا خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلمائے ہند دونوں ہی گاندھی جی کی تحریک ترک موالات میں شامل ہو گئیں۔

۱۹۲۳ء میں پنڈت نہرو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے

اور ۱۹۲۷ء میں کانگریس کے مندوب کی حیثیت سے بروسیلز میں منعقد ہونے والی اس بین الاقوامی کانفرنس میں شریک ہوئے جو دنیا کی مظلوم قوموں سے منسوب تھی۔

جدوجہد آزادی کے سلسلے میں ان کو نو مرتبہ قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک کا زمانہ پورے ہندوستان میں انگریزوں کی بربریت کا زمانہ تھا اور آزادی کی تحریک ظلم و ستم کی آگ پر تیل کا کام کر رہی تھی بالآخر ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو کوئٹ انڈیا کا ریزولیشن کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں پاس ہوا اور کوئٹ انڈیا تحریک جنگل کی آگ کی طرح پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ انگریزی پولیس کا ظلم اور سوا ہو گیا لیکن اسی کے ساتھ آزادی کے متوالوں کے جوش و خروش میں بھی اضافہ ہوا۔ آخر آخر ۱۹۴۶ء میں ایک کیبنٹ مشن انگلستان سے ہندوستان آیا اور اسی سال پنڈت نہرو کو عارضی حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ ۹ دسمبر کو جب دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا تو مسلم لیگ نے عدم اشتراک کا مظاہرہ کیا اور ملک کو تقسیم کرنے کی بجانہ تجویز پیش کر دی چونکہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر اٹلی ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو یہ اعلان کر چکے تھے کہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے ہندوستان کو خود مختاری دے دی جائے گی اس لیے، ایسی صورت حال میں کانگریس کو مسلم لیگ کے مطالبے پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑا۔

۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان آئے اور اسی سال جون میں کانگریس نے ملک کی تقسیم منظور کر لی چنانچہ ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب میں ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور ایک نوزائیدہ مملکت "پاکستان" وجود میں آ گئی۔

پنڈت نہرو آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور مسلسل ۱۷ سال تک وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہے۔

۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وصیت کے مطابق ان کی راکھ پورے ہندوستان میں بکھیر دی گئی۔

نیساں ۔ اہل روم کا ساتواں مہینہ اور اس مہینے کی بارش ہندی میں بیساکھ اور انگریزی مہینوں میں اپریل سے متصل یعنی مارچ اپریل کا زمانہ اس مہینے کی بارش سے سیپ میں موتی، کیلے میں کافور، بانس میں بنسلوچن اور گائے کے کان میں گئو لوچن وغیرہ پیدا ہونا بتایا جاتا ہے۔

صدف ہے محتاج ابر نیساں یہاں ہو نقصان عشق و وجداں
اثر کی طبع رواں کے موتی رلا کئے ہیں رلا کریں گے

جعفر علی خاں اثر لکھنوی

نیل ۔ مصر کا مشہور و معروف دریا ہے جو زمانہ قدیم سے آج تک اہل مصر کے لیے ایک نعمت رہا ہے۔ نیل سے ہزارہا داستانیں منسوب ہیں۔ جناب موسیٰ کو اسی رود نیل میں ڈال دیا گیا تھا اور اسی رود نیل سے آسیہ زنِ فرعون نے ان کو نکال کر اپنے محل میں ان کی پرورش کی تھی۔ نیل ہی نے جناب موسیٰ کو راستہ دیا تھا اور فرعون کے لشکر کو غرق کر دیا تھا۔

آج بھی نہ صرف مصر کی زرخیزی اسی نیل کی بدولت ہے بلکہ دریائے نیل مصر کی معاشیات میں بھی اہم رول ادا کر رہا ہے۔ مصر پر اسوان باندھ بن جانے کے سبب سے جو جمال عبدالناصر کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔

و

وادی ایمن ۔ وہ صحرا جو کوہ طور کے راستے میں واقع تھا۔ جب حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کے ہمراہ ایک دن اس جگہ پہونچے تو ان کی بیوی کو درد زہ شروع ہو گیا۔ جناب موسیٰ آگ کی تلاش میں نکلے تو طور سینا پر آگ روشن نظر آئی تھی اور جب وہ قریب پہونچے تو ان کو درخت سے نور نکلتا نظر آیا تھا۔

چونکہ یہ وادی جناب موسیٰ کے داہنے ہاتھ کی جانب اور طور کے بھی داہنی طرف تھی اس لیے اس کا نام وادی ایمن قرار پایا۔

وقار عشق کا معیار تھی موسیٰ کی ضد ورنہ
حریم دل کا فتنہ وادی ایمن پہ کیوں گذرے

(جوہر عبد نقی بنارسی)

وادی مجنوں ۔ اُس بیابان کے لیے مستعمل ہے جہاں قیس عالم دیوانگی میں پڑا رہتا تھا۔ یہاں ریت کے ٹیلے تھے جو بنی عامر کی آبادی کے قریب واقع تھے جہاں لیلیٰ کا مکان تھا۔

وادی نجد ۔ وہ مقام جہاں کہ قبیلہ بنی عامر کے سردار کا بیٹا قیس ملوح بن فرحم عامری، عشق لیلیٰ میں گرفتار ہو کر دیوانہ ہوا اور مجنوں

کے نام سے مشہور ہوا۔

وادی نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

(اقبال)

وضو ۔ مسلمانوں میں دستور ہے کہ نماز سے پہلے تین تین مرتبہ ہاتھ دھوتے ہیں کلی کرتے ہیں، نتھنوں میں پانی ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد منھ دھوتے ہیں۔ کہنیوں تک ہاتھ تر کرتے ہیں اور مسح کرتے ہیں اس عمل کو وضو کہتے ہیں اس کے بعد نماز پڑھتے ہیں، اس وضو کے بعد اگر خون نکل آئے، ریاح خارج ہو جائے یا کسی نامحرم پر نظر پڑ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

(غالب)

ولی ۔ وہ حضرات جو اپنے زہد و تقویٰ، عبادت و پرہیزگاری، پارسائی و نفس کشی کے سبب خدا رسیدہ اور مقرب بارگاہ الٰہی کا درجہ پا جاتے ہیں ولی یا ولی اللہ کہلاتے ہیں۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

وہ پانی ملتان گیا ۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ گورکھ ناتھ جو ایک بھگت تھے ایک دوسرے بھگت رائے داس کے پاس گئے جو ذات کا چمار تھا گورکھ ناتھ اس وقت پیاس سے بے چین تھے چنانچہ انہوں نے رائے داس سے پانی مانگا۔ جب وہ پانی لینے گیا تو گورکھ ناتھ کے ذہن میں آیا کہ رائے داس

تو جا رہے اس کا پانی کیسے پیوں چنانچہ دل رکھنے کے لیے انہوں نے
پانی کمنڈل میں بھروا لیا اور پیا نہیں۔ وہاں سے وہ سنت کبیر کے پاس گئے
اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اسی اثنا میں کبیر کی بیٹی بھی آگئی اور اس نے وہ
پانی اکٹھا کر لیا کہتے ہیں کہ وہ پانی پیتے ہی اس پر تینوں لوک روشن ہو گئے
جب گورکھ ناتھ کو اس پانی کی یہ معجزنمائی معلوم ہوئی تو ان کو بہت تاسف
ہوا کہ پانی کیوں نہیں پیا۔ وہ دوبارہ رائے داس کے پاس پہونچے۔ اسی
دوران کبیر کی لڑکی اپنی سسرال چلی گئی تھی جو ملتان میں واقع تھی ——
گورکھ ناتھ نے پہونچتے ہی رائے داس سے پانی مانگا۔ رائے داس خود بھی
پہونچا ہوا بھگت تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ گورکھ ناتھ نے اس وقت پانی کیوں
نہیں پیا تھا اور اب کیوں مانگ رہے ہیں چنانچہ اس نے کہا کہ :

پیا سے تھے تب پیا نہیں، تب تم نے اکھان کیا
تھب لاجو گی پھرتے دوانہ وہ پانی ملتان گیا

پنجاب میں بھی وہ نہ رہا آب وتاب جس
اے ذوق پانی اب تو وہ ملتان بہہ گیا
(ذوق)

۵

ہابیل و قابیل ۔ ہابیل اور قابیل حضرت آدم علیہ السلام کے
فرزند تھے ان میں ہابیل بہت صالح اور قابیل کی فطرت میں شر تھا۔ حضرت
نے جب ہابیل کو اپنا وصی بنانا چاہا تو قابیل بہت ناراض ہوا کیونکہ وہ ہابیل
سے بہت بڑا تھا۔ آخر طے ہوا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی خدا کے حضور میں پیش
کریں۔ ہابیل نے ایک گوسفند قربانی میں پیش کیا اور قابیل نے ایک خوشہ گندم
کا دستہ جو خراب تھا۔

ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی تو قابیل کو اور زیادہ غصہ آیا اور اس نے
ہابیل کا سر دو پتھروں کے بیچ رکھ کر کچل دیا اور ہابیل کی روح قفس عنصری
سے پرواز کر گئی لیکن اسکے بعد قابیل پریشان ہو گیا کیونکہ اس کی سمجھ میں نہیں
آرہا تھا کہ لاش کو کس طرح چھپائے۔ آخر فضا میں دو کوّے لڑتے ہوئے
نمودار ہوئے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ تب زندہ کوے نے
چونچ سے زمین کھودی اور مردہ کوے کو اس میں رکھ کر زمین برابر کر دی۔ قابیل
یہ منظر بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی کوے کی طرح زمین میں گڈھا
کھود کر ہابیل کو اس میں دفن کر دیا۔ اس طرح دنیا کا سب سے پہلا قاتل قابیل
قرار پایا اور مقتول ہابیل۔

ہاروت ماروت ۔ یہ دو فرشتے تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ زہرہ نامی ایک عورت کے عشق میں گرفتار ہو گئے تھے اور اس جرم کی پاداش میں چاہ بابل میں قید ہیں (ملاحظہ ہو چاہ بابل)

زہرہ کی جب آئی کفِ ہاروت میں انگلی
کی رشک نے تب دیدۂ ماروت میں انگلی
(مصحفی)

ہبل ۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کا معبود اعظم تھا اور وہ اس کے بت کی بے حد تعظیم کرتے تھے (لات و منات کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے)

جس شخص نے کہ اپنی نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں گویا اس نے ہبل کو توڑا

ہجرت ۔ حضور سرور کائنات جب مکہ سے مدینے تشریف لے گئے تو اس عمل کو ہجرت کہا گیا اور اسی دن سے مسلمانوں کا ہجری سن شروع ہوا۔

کفار قریش کے مظالم جب بہت زیادہ بڑھ گئے تو حضور نے اپنے انصار و اصحاب کو مدینے بھیجنا شروع کر دیا کیونکہ اہل مدینہ اسلام سے متاثر تھے اور یہ جگہ مسلمانوں کے لیے بہترین جائے پناہ ثابت ہو رہی تھی۔ جب کفار قریش نے محسوس کر لیا کہ رسول اکرمؐ کے تمام اصحاب و انصار دھیرے دھیرے مدینے کو ہجرت کر رہے ہیں تو ان کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں کسی دن محمدؐ بھی نہ چلے جائیں اور وہاں جا کر اپنی طاقت مجتمع کر لیں نیز کفار مکہ کے لیے خطرہ بن جائیں۔ ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کرنا شروع کیا کہ کسی طرح محمدؐ کو قتل کر دیا جائے۔ اسی درمیان شیطان بھی بزرگ صورت بن کر ان کے درمیان آ گیا۔ ان لوگوں نے ایک اجنبی کو دیکھا تو اس کا تعارف چاہا۔ اس نے کہا کہ میں

نجد کے قبیلے کا شیخ ہوں اور آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں۔ اسکی گفتگو سے کفار بہت متاثر ہوئے اور اس کو بھی اپنا شریک بنا لیا (اسی لیے شیطان کو شیخ نجدی بھی کہتے ہیں)

ابوجہل کی تجویز سب کو پسند آئی۔ اس نے تجویز رکھی تھی کہ ہر قبیلے کا ایک ایک فرد مل کر خواب گاہ رسولؐ میں داخل ہو اور ایک ساتھ سب لوگ حملہ کر کے ان کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ادھر ان لوگوں نے اپنے منصوبے پر عمل درآمد کی تیاری کی اور ادھر امین وحی نے حضور کو آگاہ کر دیا اور اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو لٹا کر خود وہاں سے تشریف لے گئے۔

چنانچہ آپ نے حکم خدا کی تعمیل کی۔ رسول مقبول ہجرت کر گئے اور کفار مکہ ان کا گھر گھیرے بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد شیخ نجدی نے آکر پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ محمدؐ کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ تب اس نے کہا کہ محمدؐ ہیں کہاں جن کا تم انتظار کر رہے ہو۔ وہ تو چلے گئے۔

کفار مکہ کو اپنی چوکسی پر بہت اعتماد تھا انہوں نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا اور تصدیق کے لیے خواب گاہ میں داخل ہوئے تو بستر رسولؐ پر حضرت علیؑ کو محو خواب پایا۔ انہوں نے ان کو جگا کر پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ اسکے بعد کفار اپنا منہ لے کر وہاں سے چلے گئے۔

بے خوف سوئے حیدر کرار چین سے
ہجرت کی شب رسول کے بستر پہ تا سحر
(ڈاکٹر طاہر لکھنوی)

یہ اثر بھی ابو طالب ہی کی تعلیم کا تھا
فرش ہجرت پہ علی سوئے جو بستر بن کر
(نجم آرا اکبر آبادی)

اس شب کو شب ہجرت کہتے ہیں۔

ہجری۔ ہجری کو سال محمدی بھی کہتے ہیں۔ ہجری کا سن محرم سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر ختم ہوتا ہے رسول مقبول کے مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے کی تاریخ سے اس سن کی ابتدا ہوئی۔

سنہ ہجری کی ابتدا کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ابی موسیٰ اشعری حاکم یمن نے لکھا کہ آپ کے جو خط آتے ہیں ان میں تاریخ درج نہ ہونے کے سبب اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے اور یہ پتہ نہیں چل پاتا کہ پہلا خط کون سا ہے اور دوسرا کون سا۔

چنانچہ خلیفہ وقت نے اصحاب کو بلا کر ان سے رائے لی کہ وضع تاریخ کے لیے کیا طریقہ وضع کیا جائے۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ تاریخ ولادت حضور سے سال شروع کیا جائے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ تاریخ وفات سے سن کا آغاز ہو۔ مگر حضرت عمرؓ نے دونوں تجویزوں کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر وفات سے سنہ کا آغاز ہوگا تو مجھے ہر وقت حضرت کی جدائی کا رنج تازہ ہوتا رہے گا اور اگر پیدائش رسول اکرم سے ابتدا ہوگی تو مجھے ہر وقت خجالت کا سامنا رہے گا کیونکہ میں اس وقت اسلام نہیں لایا تھا بلکہ کافر تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے تاریخ ہجرت کو بہتر سمجھا کیونکہ یہ ابتدا سے نصرت دعوت اسلام کا زمانہ تھا لہٰذا اسی کے موافق سن ہجری مقرر کیا گیا۔

ہریش چندر۔ کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں شمال ہند میں ایک کھتری راجہ

گذرا ہے جس کا نام ہریش چندر تھا۔ ہریش چندر قول کے اس درجہ پکے تھے کہ اگر خواب میں بھی کسی کو قول دے دیتے تھے تو اس کو نباہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک برہمن کو انہوں نے اپنا راج دے دیا۔ دوسرے دن واقعی وہ برہمن آ پہونچا ہریش چندر نے تعظیم و تکریم کے بعد اس کو نذر دینا چاہی تو اس نے کہا کہ یہاں تمہارا کچھ نہیں ہے جو دے رہے ہو سب کچھ تو تم رات میں مجھے دے چکے ہو۔ ہریش چندر نے راج پاٹ اس کے حوالے کر دیا اور سرکاری خزانے سے دکھشنا دینے کا ارادہ کیا تو وہ بگڑ گیا کہ تم پھر وہی بات کر رہے ہو۔ یہاں اب تمہارا کچھ نہیں ہے سب کچھ میرا ہے اگر برہمن کو دکشھنا دینا ہے تو اپنے پاس سے دو۔ ہریش چندر بہت پریشان ہوئے اور جب کچھ بن نہ پڑا تو انہوں نے سوچا کہ خود کو اور بیوی اور بچے کو فروخت کر کے برہمن کو دکشھنا دے دی جائے۔ مگر کوئی سب کو ایک ساتھ خریدنے پر راضی نہ ہوا۔ آخر ان کی بیوی اور بیٹے کو ایک آدمی نے گھر کا کام کرنے اور برتن دھونے کے لیے خرید لیا اور خود ان کو ایک ڈوم نے شمشان کا ٹیکس لینے اور رکھوالی کے لیے لے لیا۔ اس طرح جو رقم ہاتھ آئی وہ انہوں نے دکشھنا میں برہمن کو دے دی ——

دونوں زن و شوہر کو خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہیں اور کون کیا کام کر رہا ہے۔ ایک دن کھیلتے میں ان کے لڑکے روہتاس کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔ دکھیاری ماں کے پاس کچھ نہیں تھا جو آخری رسوم کرتی پھر کلیانی بچے کا کریا کرم تو ہونا ہی تھا۔ وہ بیٹے کی لاش کاندھے پر ڈال کر بوجھل قدموں سے شمشان پہونچی۔ راجہ ہریش چندر اس شمشان کے رکھوالے تھے انہوں نے بغیر محصول ادا کئے لاش جلانے کی اجازت نہ دی تب عورت نے رو رو کر

اپنی کہانی بیان کی تو ان کو پتہ چلا کہ عورت ان کی بیوی ہے اور لاش ان کے ہی بیٹے روہتاس کی ہے مگر پھر بھی انہوں نے فرض کی ادائیگی سے منہ نہیں موڑا اور بغیر محصول کے لاش جلانے کی اجازت نہیں دی۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اگر تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تو آدھی ساڑھی ہی پھاڑ کر ٹیکس میں دے دو۔ غریب دکھیاری کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا چنانچہ اس نے ساڑھی پھاڑنا شروع کی۔

اسی وقت جب وہ ساڑھی پھاڑ رہی تھی اچانک چمک ہوئی اور ہر طرف نور پھیل گیا۔ ان کے سامنے وہی برہمن کھڑا تھا جس کو وہ قول کے مطابق راج پاٹ دے کر ہی یہ مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ حقیقتاً وہ مہارشی وشوامتر تھے انہوں نے ان کو مبارکباد دی کہ وہ امتحان پر پورے اترے اور ان کا راج پاٹ بھی ان کو واپس کر دیا۔ اسی دوران ان کا بچہ روہتاس بھی زندہ ہو چکا تھا۔

ہڑ بونگ ۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ایک بہت ہی بے وقوف راجہ کا نام تھا جو کسی زمانے میں قصبہ جھونسی واقع الہ آباد کا حکمراں تھا۔ اس کا دور طوائف الملوکی بد نظمی اور کسمپرسی کا دور تھا جس میں بیوقوفی اور بدانتظامی اس درجہ تھی کہ اس کی مثال دی جانے لگی۔ اسی راجہ کے نام کی مناسبت سے یہ لفظ وجود میں آیا۔

بہت ڈھونڈا نہ پایا راج میں ہڑ بونگ کے لیکن
کہیں حضرت سلامت آپ کے انصاف کا جوڑا

(انشاء)

ہزاری روزہ ۔ رجب المرجب کی ۲۷ تاریخ کو جو روزہ رکھا

جاتا ہے اسے ہزاری روزہ کہتے ہیں کیونکہ اس روزے کا ثواب ایک ہزار روزوں کے برابر بتایا جاتا ہے حالانکہ یہ روزہ فرض نہیں بلکہ نفل ہے مگر عام طور سے عورتیں اس روزے کو بڑی پابندی سے رکھتی ہیں۔

میں ترے صدقے نہ رکھ تو مری پیاری روزہ
بندی رکھ لے گی ترے بدلے ہزاری روزہ

(انشاء)

بھاری گرمی میں نہ رکھ تو مری پیاری روزہ
ہلکا رکھ لیجو جاڑے میں ہزاری روزہ

(بیگم)

ہفت خوان رستم ۔ یہ ایران و توران کے درمیان کی ان سخت اور دشوار گذار منزلوں کا نام ہے جن کو طے کر کے رستم داستاں قید بازنداں سے ایران کے بادشاہ کیکاؤس کو چھڑا کر لایا تھا۔ ان منزلوں میں جن کی تعداد سات تھی کسی منزل میں طلسمات تھے کوئی منزل شیروں سے بھری تھی، کہیں اژدھے تھے کہیں دیو زاد تو کہیں دوسری آفات تھیں۔

کن مشکلوں سے تو نے ساتوں جو آسماں تھے
اے تیرِ آہ یہ بھی رستم کے ہفت خواں تھے

(قدر)

ہلاکو ۔ ہلاکو چنگیز خاں کا پوتا تھا جو ۱۲۵۳ء میں تخت ایران پر بیٹھا۔ اس نے ایشیائے کوچک کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو اور مزید وسیع کر لیا تھا۔ ہلاکو نے ۱۲۵۶ء میں ایران کے اسماعلیہ فرقے کی بیخ کنی کی اور ۱۲۵۸ء میں بغداد کا محاصرہ کر کے خلیفہ معتصم باللہ کو شکست دے کر اسے

درجہ قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جس کی مثال نہیں ملتی، لاکھوں انسان قتل کر دیے گئے، شہر جلایا گیا کتب خانہ پھونکا گیا اور مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یہی تاتاری خاندان بعد میں مسلمان ہو گیا اور اسلام کے مضبوط ترین محافظوں میں ثابت ہوا۔

از خاک سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوب ہلاکوے، ہنگامۂ چنگیزے
(اقبال)

ہما۔ ہما ایک ایسے خیالی پرندے کا نام ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صرف ہڈیاں کھاتا ہے اور کبھی کسی کو نہیں ستاتا ہے اس پرندے کے بابت ایک خیال یہ بھی عام تھا کہ یہ اس درجہ مبارک پرندہ ہے کہ اگر اس کا سایہ کسی پر پڑ جائے تو وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہما کی تصویر بادشاہان ایران اپنے جھنڈوں پر نیک شگون کے لیے بناتے تھے اور اس کو تمام پرندوں کا بادشاہ مانتے تھے۔ کچھ لوگ عنقا اور ہما کو ایک ہی مانتے ہیں ـــــ

جستجو رہتی ہے دولت کا پتہ ملتا نہیں
سر پھرا کرتا ہے پر ظل ہما ملتا نہیں
(اسیر)

کھاتا ہے زاغ گوشت، فقط استخواں ہما
کیا منصفی ہے زاغ کہاں اور کہاں ہما
(ظفر)

ہوشنگ۔ حضرت آدم کے چوتھے پوتے کا نام بتایا جاتا ہے اس

کے بارے میں مشہور ہے کہ آگ اور لوہا اسی کے زمانے میں بہم ہوا زراعت کے اوزار بنائے گئے۔ نہریں جاری کی گئیں، عمارتیں بنوائی گئیں اور شہر بسائے گئے۔ ہوشنگ نے شیطانوں کو اس امر سے باز رکھا کہ وہ انسانوں کی مخالفت کریں۔ وہ کیومرث کے بعد تخت نشیں ہوا اور چالیس برس تک اس نے حکمرانی کی۔ مشہور ہے کہ اس کے بعد تین سو برس تک کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ لوگ آپس میں خود ہی انصاف اور محبت سے رہتے تھے اور کوئی کسی کے معاملے میں مزاحمت نہیں کرتا تھا۔ بعض اس کو ارفخشد بن سام بتاتے ہیں اور اس کو اپنے دور کا پیغمبر مانتے ہیں۔

ہولی۔ ہندوستان کا ایک موسمی تیوہار ہے جو پھاگن کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ اس زمانے میں فصل پک چکی ہوتی ہے فارغ البالی کا دور اور موسم بہار کی آمد ہوتی ہے۔

ہولی منانے کا پس منظر یہ ہے کہ راجہ ہرناکش ایک کافر راجہ تھا جو اپنے کو خدا کہلواتا تھا لیکن اس کا بیٹا پرہلاد اپنے باپ کے کہنے پر نہیں چلا بلکہ اس نے ہرناکش کو خدا ماننے سے انکار کر دیا اور ایشور کا نام جپنے لگا۔ ہرناکش نے پرہلاد کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اس نے ہر اذیت کو برداشت کر لیا ہرناکش کو خدا نہ مانا۔ ہرناکش نے طرح طرح کی ترکیبیں استعمال کیں کہ پرہلاد کی جان لے لے مگر اس میں بھی اس کو کامیابی نہیں ہوئی ـــــ تب ایک اور طریقہ اختیار کیا گیا۔

ہرناکش کی بہن ہولکا پر آگ اثر نہیں کرتی تھی چنانچہ اس نے اپنے اسی زعم میں ایک بہت بڑی چتا تیار کرائی اور اس میں آگ لگوا دی جب آگ خوب دہکنے لگی تو وہ پرہلاد کو گود میں لے کر اس آگ میں کود گئی لیکن

اس مرتبہ بھی فتح پرہلاد ہی کی ہوئی کیونکہ جب آگ سرد ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ ہولکا جل کر راکھ ہو چکی ہے اور پرہلاد انتہائی اطمینان سے یادِ خدا میں مشغول ہے۔

ہرناکش کے رشتے داروں نے ہولکا کی موت پر غم منایا اور حق پرستوں نے پرہلاد کے بچ جانے اور اِشور نام کی فتح کا جشن منایا۔

چنانچہ آج بھی رات میں ہولکا کی ہولی جلائی جاتی ہے اور صبح سے رنگ کھیلا جاتا ہے، عبیر و گلال اڑتا ہے، باجے بجتے ہیں، ہولی کے گیت گائے جاتے ہیں اور ہر طرف خوشی کی ترنگ پھیل جاتی ہے۔

خونِ عشاق سے رنگ آپ نے کھیلا ہوتا
ہولی میں خاک شہیدوں کی اڑائی ہوتی

(برقؔ)

ی

یاجوج ماجوج — یہ ایک بہت قدیم قوم تھی جس کا ذکر کلامِ پاک میں سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء میں بھی آیا ہے۔

مذہبی کتب میں جناب ذوالقرنین کے ذکر کے ساتھ یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے اس کے مطابق یاجوج ماجوج چہرہ جسم اور خلقت کے اعتبار سے انسان سے مشابہ لیکن عادات و اطوار میں چوپایوں کی طرح تھے، یہ سب عریاں اور برہنہ رہتے تھے۔ ان کی غذا دریائی مچھلیاں تھیں اور ہر سال ابر سے ان کے لیے مچھلیوں کی بارش ہوتی تھی جس سے ان کی زندگی آسانی اور فارغ البالی سے بسر ہوتی تھی۔ وقت آنے پر وہ مچھلیوں کی بارش کے منتظر رہتے اور اگر اس بارش میں فراوانی ہو جاتی تو وہ فربہ اور تنومند ہو جاتے ان کی اولادیں پیدا ہونے لگتیں اور اتنی زیادہ انکی تعداد ہو جاتی کہ خدا کے علاوہ کوئی نہ جانتا۔ ان کے قد پانچ بالشت کے ہوتے تھے اور اونٹ کے مانند ان کے کوہان ہوتے تھے جس سے سردی و گرمی میں ان کی حفاظت ہوتی تھی۔ جس سال مچھلیوں کی بارش نہ ہوتی یہ لوگ قحط میں گرفتار ہو جاتے۔ ان کی نسل اور اولادیں تباہ ہو جاتیں۔ بھوک سے پریشان ہو کر وہ شہروں کا رخ کرتے اور جس جگہ پہونچتے اس کو تباہ کر دیتے۔ ان کا

فساد ٹڈیوں اور اولوں نیز تمام آفات سے زیادہ ہوتا تھا۔ وہ جہاں جاتے لوگ اپنے مکان چھوڑ کر بھاگ جاتے کیونکہ وہ انتہائی کریہہ منظر اور نجاست و کثافت سے اس درجہ آلودہ ہوتے تھے کہ ان کا مقابلہ کوئی نہ کرتا۔ چنانچہ جب جناب ذوالقرنین سے ان کی ہمسایہ قوم نے فریاد کی اور یاجوج ماجوج کے شر سے نجات دلانے کی درخواست کی تو جناب ذوالقرنین نے ان لوگوں کی جسمانی مدد سے ایک سد تیار کرا دی اور اس طرح یاجوج ماجوج کی راہ بند ہو گئی اور وہ وہیں قید ہو کر رہ گئے جہاں ان کی آماجگاہ ہے اور اب قیامت کے دن رہا کیے جائیں گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ان واقعات کا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک قوم ہو سکتی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں جو یورپ کی زبانوں میں Gog اور Mogog کے نام سے مشہور ہے یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی اور طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی عیسوی تک برابر مغرب کی طرف امڈتا رہا جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سیکڑوں میل لمبی دیوار بنانا پڑی جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے اس قوم کی ایک شاخ تھی جس کو یونانیوں نے سیتھین Scythian کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لیے ذوالقرنین (سائرس) نے سد تعمیر کرائی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے لیکن

منگول لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی جب ہم اس کے لیے چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام موگ تھا۔ یقیناً یہی موگ ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں میگ اور میگاگ پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔

چین کی تاریخ میں ایک اور قبیلے کا ذکر بھی اس علاقے میں ملتا ہے جو یواچی Yue-chi کے نام سے پکارا جاتا تھا یہی یواچی ہے جو قوموں کے مخارج اور تلفظ سے گذر کر گوئی انسی شکل اختیار کر گیا کہ عبرانی میں یاجوج ہو گیا۔

یارِ غار۔ حضرت ابوبکرؓ کا لقب ہے جو بوقت ہجرت رسول مجتبیٰ کے ہمراہ غارِ ثور (واقع جبل الثور) میں ان کے ساتھ تھے۔ کہتے ہیں کہ رسول اکرم کی حفاظت کے لیے اسی وقت غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا لگا دیا تھا جس کے سبب کفار کو دھوکا ہو گیا تھا کہ اس غار میں کوئی نہیں گیا ہے۔

یدِ بیضا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ ہاتھ جو انگارہ اٹھانے کے سبب جل گیا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس جلنے کے نشان میں یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ جب آپ اس ہاتھ کو بغل میں لے جا کر باہر نکال لیتے تھے وہ اس درجہ روشن ہو جاتا تھا کہ آنکھیں چکاچوند ہو جاتی تھیں اس کو یدِ بیضا کہتے ہیں۔

از بسکہ ثبت نامہ ہے سوزِ تپِ دروں
قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا
(مومن)

مت بناؤ یدِ بیضا کو گدا کا کشکول
وقت فرعون ہو تو ضربِ عصا سے مانگو (ملک زادہ منظور احمد)

یزید - "حضرت امیر معاویہ کا لڑکا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ جس کو امیر معاویہ نے زیاد کی ترغیب پر اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا اور لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لی تھی۔ شامیوں سے آسانی سے عراقیوں سے خوشامد اور دھمکی سے بیعت کرائی گئی۔ ۵۱ھ (۶۷۱ء) میں حضرت امیر معاویہ خود مکہ اور مدینہ کے مشاہیر سے بیعت لینے کی غرض سے گئے مگر حضرت امام حسینؑ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیعت سے قطعاً انکار کر دیا کیونکہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ حضرت علی کے خاندان سے اور خاندان بنی امیہ سے اختلاف شروع ہی سے چلا آ رہا تھا۔ تخت نشینی کے بعد یزید اس خاندان کی تباہی کے درپے ہو گیا جس کا عملی ثبوت واقعہ کربلا ہے۔"

(ماخوذ۔ تلمیحات و اشارات اقبال۔ طبری ج ۲۔ صفحہ ۹۱۶-۴۲۷ مسعودی ج ۵ صفحہ ۴۶-۱۶۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ ج ۴ صفحہ ۱۱۶۱-۱۱۶۳۔)

بیعت کا تقاضہ نہیں فرزند نبی سے
واللہ یزید اپنی قضا مانگ رہا ہے
جرار ہمنوا کے یزید اب نہیں کوئی
کیا خوب رنگ لائی عداوت نماز کی
(جرار اکبرآبادی)

یعقوب - حضرت یعقوب اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور جناب یوسف کے پدر تھے۔ آپ ہی کی اولاد سے یہودیوں کے بارہ فرقے چلے جن کو بنی اسرائیل کہا گیا کیونکہ کسی فرشتے نے آپ کا نام اسرائیل

رکھا تھا جب جناب یوسف کو ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈھکیل دیا اور گھر آ کر خبر دی کہ یوسف کو بھیڑیا اٹھا لے گیا اور جناب یوسف کا پیراہن خون آلودہ کر کے ان کو دکھایا تو انہوں نے فرمایا کہ بھیڑیا یوسف پر کس قدر غضبناک تھا کہ ان کو کھا گیا اور ان کے پیراہن پر کتنا مہربان تھا کہ پھاڑا تک نہیں۔

جناب یعقوب حضرت یوسف کے غم میں اس درجہ روئے کہ ان کی آنکھیں سفید اور بے نور ہو گئیں جب جناب یوسف تخت حکومت پر جلوہ فروز ہوئے اور قحط کے زمانے میں ان کے بھائی ان کے پاس غلہ لینے گئے، تو انہوں نے اپنا پیراہن ان کو دیا کہ لے جا کر باپ کی آنکھوں پر لگا دینا۔ یہ قافلہ جب مصر سے روانہ ہوا تو جناب یعقوب نے فرمایا کہ بلاشبہ میں یوسف کی بو سونگھ رہا ہوں۔ جو لوگ وہاں موجود تھے کہنے لگے کہ آپ یقیناً یوسف کے انتظار میں اپنی قدیم غلطی پر قائم ہیں لیکن جب پیراہن لے کر خوشخبری دینے والا آیا اور پیراہن جناب یعقوب نے آنکھوں سے لگایا تو بینائی واپس آ گئی تب انہوں نے فرمایا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ رحمت خدا کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ آپ نے ۱۴۷ برس کی عمر پائی اور ۱۶۸۹ ق م میں انتقال فرمایا۔

یک نہ شد دو شد - ویسے تو ایک محاورہ ہے لیکن اس محاورے کے پس منظر کی کہانی جو اس کو تلمیح بنا دیتی ہے بہت دلچسپ ہے۔

کسی قبرستان میں ایک بہت بوڑھی جادوگرنی رہا کرتی تھی جس کا ذریعہ معاش کفن فروشی تھا۔ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی مردہ قبرستان میں دفن ہوتا تو شب میں وہ کچھ ماش ہاتھ میں لیکر قبر پر پہونچ جاتی اور منتر

پڑھنا شروع کر دیتی اس کے بعد وہ ماش قبر پر مارتی۔ اس عمل کے ساتھ ہی قبر سے مردہ برآمد ہوتا اور بڑی ہی سعادت مندی کے ساتھ اپنا کفن اتار کر بڑھیا کی خدمت میں حاضر کر دیتا۔ بڑھیا جادوگرنی دوبارہ منتر پڑھتی اور اس کے بعد ماش مارتی تو وہ مردہ قبر میں واپس چلا جاتا اور بڑھیا کفن لے کر گھر چلی جاتی دوسرے دن وہ اس کو بازار میں بیچ آتی اور اپنا خرچ چلاتی۔

جادوگرنی کا یہ طریقہ کار ایک دن ایک شخص نے دیکھ لیا۔ اس کو لالچ نے گھیرا اور اسی دن سے اس نے بڑھیا سے ربط ضبط بڑھا کر اس کی خدمت شروع کر دی لیکن بڑھیا ہمیشہ اس کو ٹالتی رہی اور منتر نہیں بتایا۔ آخر ایک دن بڑھیا کا وقت آ گیا۔ وہ مرنے کے قریب تھی تو اس شخص نے پھر اصرار کیا اور خوشامد کرنے لگا۔ بڑھیا کا دل پسیج گیا اور وہ اس کو منتر بتانے لگی لیکن جب وہ مردے کو دوبارہ قبر میں واپس کرنے کا منتر بتانے جا رہی تھی تو دم نکل گیا۔

اس شخص نے یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں بڑھیا نے صحیح منتر بتایا ہے یا مرتے وقت بھی دھوکا دے دیا، جادوگرنی کے بتائے ہوئے منتر کی آزمائش کر ڈالی اس نے ایک تازہ قبر پر ماش پڑھ کر مارے تو مردہ اسکی خدمت میں کفن لے کر حاضر ہو گیا مگر مصیبت یہ تھی کہ اس کو دوسرا منتر معلوم نہیں تھا کہ وہ اسکو قبر میں واپس کرتا۔ وہ وہاں سے کھسکنے لگا تو مردہ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ اب تو وہ بہت گھبرایا۔ مردہ اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا تھا مجبوراً اس نے سوچا کہ بڑھیا کو قبر سے بلا کر اس سے مردے کو واپس کرنے کا منتر پوچھا جائے وہ بڑھیا کی قبر پر پہونچا۔ مردہ یہاں بھی اس کے ساتھ تھا، اس نے ماش پڑھ کر مارے تو بڑھیا جادوگرنی بھی کفن لے کر حاضر ہو گئی مگر اس عالم میں جبکہ وہ مر چکی

تھی کوئی منتر بتانے سے قاصر تھی اور اس شخص کو مردے کو قبر میں بھیجنے کا منتر معلوم نہ تھا چنانچہ بڑھیا جادوگرنی بھی اسکے ساتھ ہو گئی اور اس کی زبان سے نکل گیا "یک نہ شد دو شد"

دیتا تھا جھڑکیاں تو مجھے گالیاں بھی دیں
ابھی کھلی ہے تیری زباں یک شد دو شد

(ظفر)

یمن ۔ عرب کی ایک مشہور جگہ کا نام ہے جو کعبہ سے جانب یمین یعنی داہنی جانب واقع ہے یہی اس کے نام کی وجہ تسمیہ ہے یمن کا لعل عقیق بھی چادریں اور زمرد اساری دنیا میں مشہور ہے۔

تشنۂ دشت محبت کے لیے اس لب سے
کوئی دنیا میں عقیق یمنی خوب نہیں

(ذوق)

شوخی رنگ گل رخسار اس پر ختم ہے
عکس سے لعل یمن ہیرے کا ہنڈا ہو گیا

(برق)

یوسف ۔ حضرت یوسف علیہ السلام جناب یعقوب کے چھوٹے صاحبزادے تھے جن کو وہ بے حد پیار کرتے تھے اور اسی سبب جناب یوسف کے دوسرے سوتیلے بھائی ان سے بہت حسد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ حضرت یعقوب سے اجازت حاصل کر کے جناب یوسف کو اپنے ہمراہ لے گئے اور یہ طے کیا کہ ان کو قتل کر دیں لیکن بڑے بھائی نے مشورہ دیا کہ قتل کرنا مناسب نہیں ہے بہتر یہ کہ ان کو کنوئیں میں ڈھکیل دو یہ خود ہی مر جائیں گے چنانچہ انہوں نے جناب

یوسف کے کپڑے اتروا لیے اور ان کو کنویں میں ڈھکیل دیا پھر یہ اطمینان
کر لینے کے بعد کہ وہ مر گئے ہوں گے ان کے کرتے کو جانور کے خون میں تر
کرکے روتے ہوئے جناب یعقوب کے پاس پہونچے اور ان کو خون بھرا
کرتا دکھاتے ہوئے یہ خبر سنائی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ جناب یعقوب اس خبر
سے بہت مضطرب ہوئے اور گریہ وزاری شروع کر دی۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی برادران یوسف باہم مشورہ کرکے اس کنویں
پر پھر پہونچے تو انہوں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ کنویں پر جمع ہیں اور انہوں نے
ڈول ڈال کر جناب یوسف کو نکال لیا ہے۔ درحقیقت یہ اس راہ سے گذرنے
والے ایک قافلے کے لوگ تھے جنھوں نے پانی کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا تھا
اور جناب یوسف کو کنویں میں دیکھ کر ان کو نکال لیا تھا۔ وہ لوگ ایک انتہائی
حسین اور جمیل لڑکے کے زندہ بچ جانے پر بے حد خوش تھے اور آپس میں
ایک دوسرے کو خوشخبری سنا رہے تھے۔ اتنے ہی میں جناب یوسف کے
سوتیلے بھائی وہاں پہونچ گئے اور کہنے لگے کہ یہ ہمارا غلام ہے جو کنویں میں
گر گیا تھا۔ ہم اسکو نکالنے کے لیے آئے ہیں اور اس طرح یوسف کو ان سے
لے لیا پھر الگ لے جا کر یوسف سے کہا کہ اگر تم نے غلامی سے انکار کیا تو اس
مرتبہ ہم تم کو قتل ہی کر دیں گے۔ جناب یوسف نے ان کی غلامی کا اقرار کر لیا
تو انہوں نے ان کو اسی قافلے کے ایک آدمی کے ہاتھ بیس درہم میں فروخت
کر دیا۔ جس شخص نے جناب یوسف کو خریدا تھا اس نے ان کو مصر لے جا کر عزیز مصر
یعنی بادشاہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ عزیز مصر جناب یوسف سے اتنا
متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بیوی کو تاکید کر دی کہ اس کو عزیز رکھنا ہو سکتا ہے کہ
یہ بچہ ہمارے کام آئے اور ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ اس وقت حضرت یوسف کی

عمر کل سات یا بارہ سال کی تھی۔

مگر جب جناب یوسف جوان ہوئے تو ان کے بے پناہ حسن اور ان
کی خوبصورت شخصیت نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کو گرویدہ بنا لیا اور جب
رسوائی زیادہ ہونے لگی تو عزیز مصر نے یہ جانتے ہوئے کہ یوسف بے گناہ
ہیں ان کو زنداں میں ڈال دیا۔

جناب یوسف کے ہمراہ جو دیگر غلام داخل زنداں کئے گئے تھے ان
میں ایک نان پز تھا اور دوسرا ساقی۔ کچھ دنوں کے بعد ان میں سے ایک
نے جناب یوسف سے کہا کہ میں نے شب میں خواب دیکھا ہے کہ انگور
سے رس نچوڑ رہا ہوں آپ نے فرمایا کہ تم رہا کر دیئے جاؤ گے۔ اور
بادشاہ کے ساقی بنو گے۔ اسی وقت دوسرا قیدی آگے بڑھا اور
اس نے کہا کہ میں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر پیالے میں
روٹیاں ہیں جنھیں پرند نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ جناب یوسف نے کہا کہ
تم کو سولی دی جائے گی اور طائر تمہارے سر کا مغز کھائیں گے تب اسنے
تمسخرانہ انداز میں ہنس کر کہا کہ میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا خواب
نہیں دیکھا ہے۔ جناب یوسف نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہی
ہوگا۔ آخر ان میں سے ایک رہا ہو کر بادشاہ کا ساقی بنا اور دوسرا
دار پر کھینچا گیا۔ رہا ہونے والے سے جناب یوسف نے کہا کہ بادشاہ
سے میرا بھی ذکر کر دینا مگر وہ بھول گیا اور اس واقعے کو سات
برس گزر گئے۔

ایک شب عزیز مصر نے بھی خواب دیکھا۔ اس نے خواب میں
دیکھا کہ سات فربہ گایوں کو سات لاغر گائیں کھائے جا رہی ہیں اور

سات سبز بالیوں پر سات خشک بالیاں لپٹی ہوئی ہیں۔ اس نے خواب اپنے وزیروں کو بتایا مگر کوئی تعبیر نہ دے سکا۔ وہ شخص جو ساقی بنا ہوا تھا اس نے وہ خواب سنا اور تب اس کو اچانک حضرت یوسف کا خیال آگیا۔ اس نے عزیز مصر کو یہ واقعہ بتایا تو عزیز مصر نے اس کو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے زنداں میں بھیجا۔

جناب یوسف نے کہا کہ سات سال تک متواتر نہایت اہتمام سے زراعت کرو اور جو کچھ اس مدت میں حاصل ہو اس کو انتہائی سلیقے سے جمع کرتے رہو اور خرچ میں کفایت کرو کیونکہ اس کے بعد جو دوسرے سات سال آئیں گے ان میں شدید قحط پڑے گا اور وہی ذخیرہ اس قحط کے زمانے میں کام آئے گا پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور پھل و غلہ افراط سے پیدا ہوگا۔

یہ سن کر بادشاہ نے یوسف کو طلب کیا اور ان سے گفتگو کرنے کے بعد ان کو اپنا مقرب خاص مقرر کر کے امور مملکت ان کے حوالے کر دیئے۔

غرضیکہ جناب یوسف نے غلہ ذخیرہ کرنے کے لیے مخصوص انداز سے گودام تعمیر کرائے اور غلہ جمع کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ قحط کا زمانہ آگیا اور جو غلہ جمع کیا گیا تھا وہ رعایا کے کام آنے لگا۔ جناب یوسف غلے کی تقسیم اپنی نگرانی میں کراتے تھے۔ بالآخر ایک دن ان کے بھائی بھی غلہ لینے جناب یوسف کے پاس پہونچے۔ حالانکہ وہ جناب یوسف کو نہ پہچان سکے لیکن جناب یوسف ان کو پہچان گئے اور ان کو زیادہ غلہ دے کر ممنون کیا نیز ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ ان کے سگے بھائی اور جناب یعقوب

سب بالآخر مل گئے۔

ہوتی ہے عزت میں ثروت پر بڑی ایذا کے بعد
رنج اٹھائے کسقدر یوسف نے کنعاں چھوڑ کر
(ناسخ)

حسن یوسف بھی حسن ارماں ہے یہ
جتنی دل چاہے قیمت لگا دیجئے
(ڈاکٹر طاہر لکھنوی)

یونس ۔ جناب یونسؑ ایک مشہور پیغمبر گذرے ہیں جو جناب ہود علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور نینوا میں ہدایت کے واسطے بھیجے گئے تھے ان دنوں میں اہل نینوا (جو اب دمشق ہے) فسق و فجور، ظلم و غارت گری بت پرستی غرضکہ گمراہی کی حدوں سے گذر چکے تھے۔ جناب یونس نے اس قوم کو طرح طرح سے سمجھایا لیکن وہ راہ راست پر نہ آئی بلکہ حضرت کو ایذا پہونچانے کے درپے ہوگئی۔ ان کا مذاق اڑانے لگی اور بہتان تراشی پر اتر آئی۔ جب مظالم حد سے گذر گئے تو جناب یونس نے بارگاہ الٰہی میں اس قوم کے واسطے دعائے بد کی۔ دعا قبول ہوگئی لیکن اس سے پیشتر کہ عذاب الٰہی نازل ہوتا جناب یونس نے ایک بار پھر قوم کو اس آنے والے عذاب سے آگاہ کیا لیکن اس بار بھی ان کی قوم والوں نے ان کا مضحکہ اڑایا اور استہزاء و ریشہ دوانی کی۔ مجبوراً جناب یونس اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لے کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے۔ تب خداوند ذوالجلال نے جناب جبرئیل کو حکم دیا کہ دوزخ سے ایک جو بھر آگ لے کر اہل نینوا پر ڈال دو۔ چنانچہ تعمیل احکام خداوندی ہوئی اور پورے نینوا میں آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔ پھر گھر والے میں

خود بخود آگ لگنے لگی جو بجھائے نہیں بجھتی تھی بلکہ اس کو بجھانے کی جتنی کوشش کی جاتی اور زیادہ بھڑک اٹھتی اس وقت قوم کو یقین آیا کہ یہ وہی عذاب الٰہی ہے جس کی جناب یونس نے پیشین گوئی کی تھی۔ انہوں نے جناب یونس کو تلاش کرنا شروع کیا مگر وہ نہیں ملے۔ تب ان لوگوں نے اپنے ننھے ننھے بچوں اور جانوروں کے بچوں کو ان کی ماؤں سے جدا کر دیا ایک اونچے ٹیلے پر کانٹے بچھائے اور ان بچوں کو اپنے ہمراہ لے کر بیٹھ گئے اور بارگاہ رب العزت میں دعائیں کرنے لگے۔ ان کے اس عمل سے اللہ کو رحم آگیا اور چالیس روز کے بعد ان لوگوں کو عذاب آتش سے نجات مل گئی۔ جناب یونس بھی پہاڑ سے اتر کر نیچے آئے۔ آبادی کے قریب پہونچ کر دریافت کیا کہ اب قوم کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے پورا واقعہ بتا دیا کہ کس طرح عذاب نازل ہوا کس طرح اس عذاب سے نجات ملی جناب یونس نے سوچا کہ اب ان لوگوں میں جانے سے کیا فائدہ۔ وہ لوگ نجات پا ہی چکے ہیں۔ اب اور سر اٹھائیں گے اور میرا مذاق اڑائیں گے۔ اسی دوران ابلیس نے بھی جناب یونس کے کان بھرنا شروع کر دیئے آخر جناب یونس نے اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر وہاں سے کوچ کا ارادہ کر لیا اور دریا کے کنارے ٹھہر کر کشتی کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں کشتی آگئی۔ جناب یونس نے مع اہل و عیال کے کشتی میں بٹھانے کی ملاحوں سے درخواست کی لیکن ملاحوں نے کہا کہ اس قدر گنجائش نہیں ہے۔ آخر طے ہوا کہ الگ الگ کشتیوں میں سب سوار ہو جائیں۔

آپ نے سب کو سوار کر دیا اور خود دو لڑکوں کے ہمراہ رہ گئے۔ جناب یونس کو اس کا احساس نہ تھا کہ انہوں نے قوم کے لیے دعائے بد کر کے

اللہ کو ناراض کر لیا ہے۔ آپ دوسری کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ ایک لڑکا پھسل کر گرا اور دریا میں ڈوبنے لگا جناب یونس اس کو بچانے کے لیے دریا میں کودے تو دوسرے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا لے گیا جب وہ گھبرا کر ادھر دوڑے تو پہلا لڑکا ڈوب گیا۔ اس وقت جناب یونس کو احساس ہوا کہ یہ عذاب الٰہی ہے اور میرے کسی عمل سے ناراض ہو کر یہ سزا دی گئی ہے۔

اسی اثنا میں دوسری کشتی آگئی۔ جناب یونس تنہا اس میں سوار ہو گئے لیکن منجدھار میں آ کر وہ کشتی رک گئی اور ہزار کوششوں کے بعد بھی نہ ہلی تو انہوں نے ملاحوں سے کہا کہ اس کشتی میں ایک ایسا شخص سوار ہے جس پر خدا کا غضب ہے۔ جب تک اس کو دریا میں ڈال نہیں دو گے کشتی نہیں چلے گی۔ ملاحوں نے استفسار کیا کہ وہ کون شخص ہے تو فرمایا کہ وہ میں ہوں مجھ کو نذر آب کر دو اور کشتی نکال لے جاؤ۔ ان لوگوں نے اور اہل کشتی نے اس پر یقین نہیں کیا۔ تب قرعہ ڈالا گیا اور تین مرتبہ جناب یونس کا نام نکلا اس پر بھی ملاحوں اور اہل کشتی نے کہا کہ قرعے کی گردش وہم و گمان پر مبنی ہے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اسی اثنا میں ایک مہیب مچھلی کشتی کے سامنے آگئی سب اہل کشتی خوف سے کانپنے لگے لیکن وہ کشتی کے چکر لگانے لگی اور اچانک جناب یونس کے سامنے آ کر ان کو لقمہ بنا لیا۔ اسی کے ساتھ کشتی میں خود بخود روانی پیدا ہو گئی۔ اسی وقت مچھلی کو بارگاہ ایزدی سے حکم ہوا کہ وہ یونس کو اپنے پیٹ میں امانت کی طرح رکھے نہ دانت لگے اور نہ آنت ہضم کرے۔ جناب یونس چالیس دن تک شکم ماہی میں تسبیح و تہلیل کرتے رہے جس کے بعد حکم خدا سے مچھلی نے آپ کو ساحل پر آ کے اگل دیا۔ اعجاز الٰہی سے اسی وقت کدو کی بیل اگ آئی جس نے آپ کے اوپر سایہ کر دیا تاکہ دھوپ کی شدت سے نقصان نہ پہونچے اور ایک ہرنی

کو مقرر کر دیا گیا کہ وہ آپ کو دودھ پلائے۔ جب جناب یونس میں طاقت آگئی تو آفتاب کی تمازت نے اس کدو کی بیل کو جلا دیا۔ یہ دیکھ کر جناب یونس رو پڑے اور بارگاہ خدا میں فریاد کی کہ پالنے والے اس بیل کو، جس نے میرے لیے سایہ فراہم کیا تھا آخر تو نے کیوں جلا دیا۔ اس پر آواز آئی کہ اے یونس کیوں رو رہا ہے۔ تو نے کونسی محنت و مشقت سے اس بیل کو پالا تھا جو رو رہا ہے۔ ذرا سوچ جب ہماری پالی پوسی مخلوق کو تو نے اپنی بد دعا سے جلا دیا تو کیا ہمیں تکلیف نہ ہوئی ہوگی جناب یونس بہت شرمندہ ہوئے۔ پھر توبہ استغفار کی جس کے بعد دوبارہ ان کو قوم کی ہدایت پر مامور کر دیا گیا۔

(ختم)

اظہارِ تشکر

میں

اپنے مخلص احباب

•

جناب شاہ نواز قریشی

〃 رئیس انصاری

〃 ارشاد امروہوی

〃 ظاہر قزلباش

〃 فرقان احمد خاں

〃 آصف لکھنوی

〃 نشاط اعظمی

اور

〃 فیروز کاظمی

کا

ممنون و متشکر ہوں

جنکے

تعاون نے میرے جذبۂ تالیف کی

حوصلہ افزائی فرمائی

ساحر لکھنوی

ساحر لکھنوی